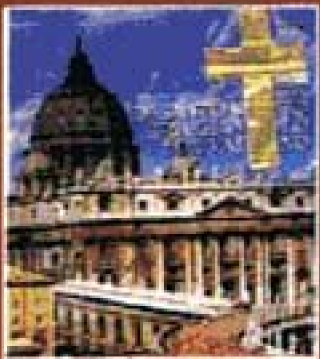

ST. PETERS CHURCH (ROME)

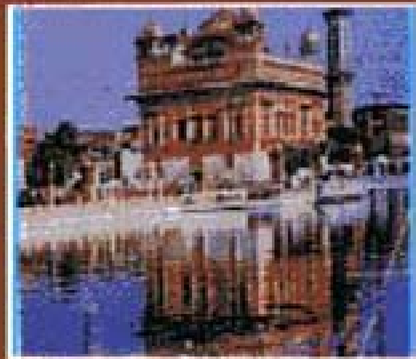

SWARN MANDIR AMRITSAR

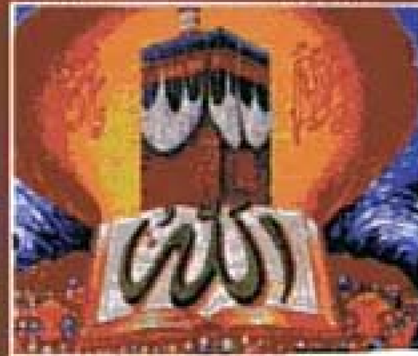

KHAN-E-KABA (MACCA)

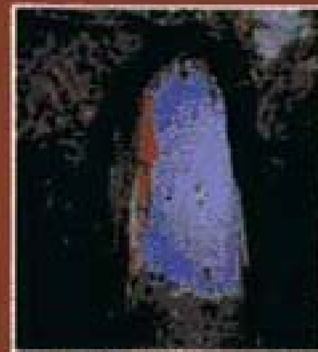

SWAMI AMARNATH JI (KASHMIR)

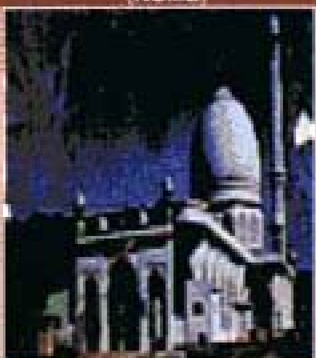

DURGA-SHARIF HAZRATBAL (KASHMIR)

SAMADHI MANDIR SHIRDI

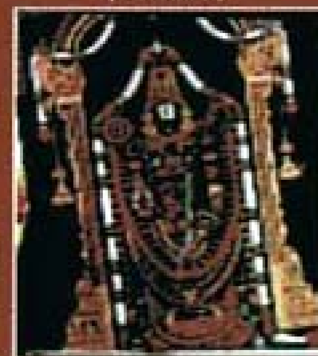

SWAMI BALA JI TIRUMULLA(A.P)

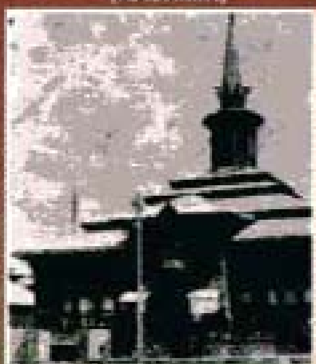

ZIARAT NUND-RESHI CHARAR SHARIF (KASHMIR)

SAINT OF SHIRDI

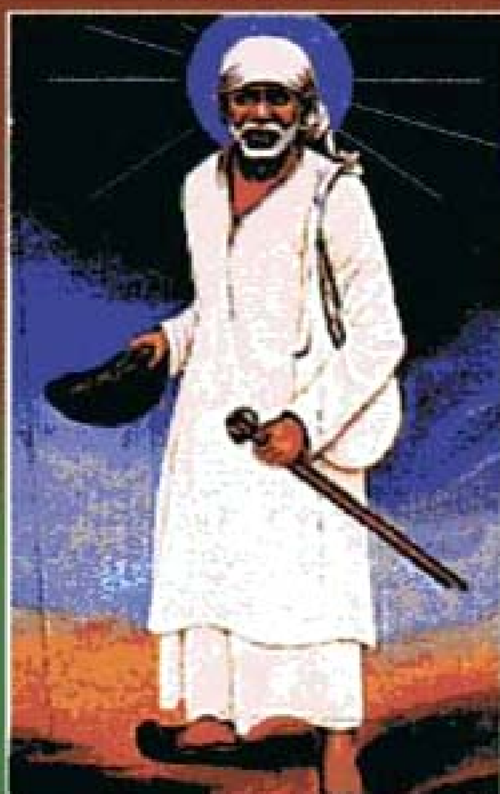

SAINT OF SHIRDI

MATA VAISHNO DEVI (JAMMU)

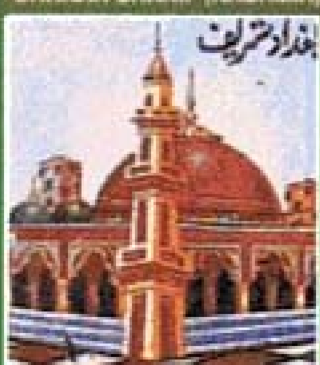

BAGDAD SHARIF (IRAQ)

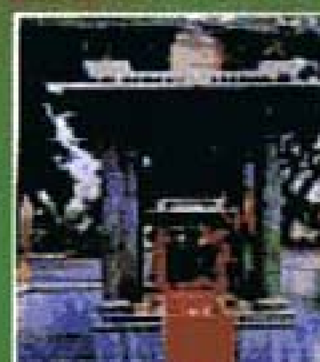

KHER-BAWANI TULMULA (KASHMIR)

Here comes one who sees God in every one
He is none but God as human!

شرڈی کے سائی بابا مذاہب کی روشنی
میں اکثر کہتے تھے "سب کا مالک ایک"
یعنی رَبُّ العَالَمِیْن ہے

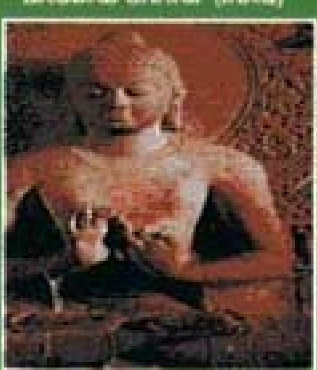

LORD BUDHA SARNATH (U.P.)

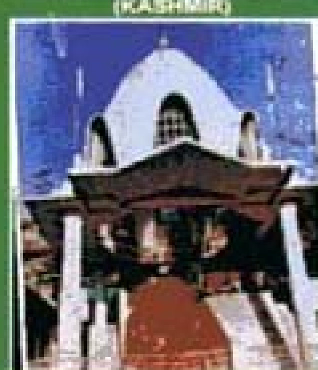

HARIPARBAT (KASHMIR)

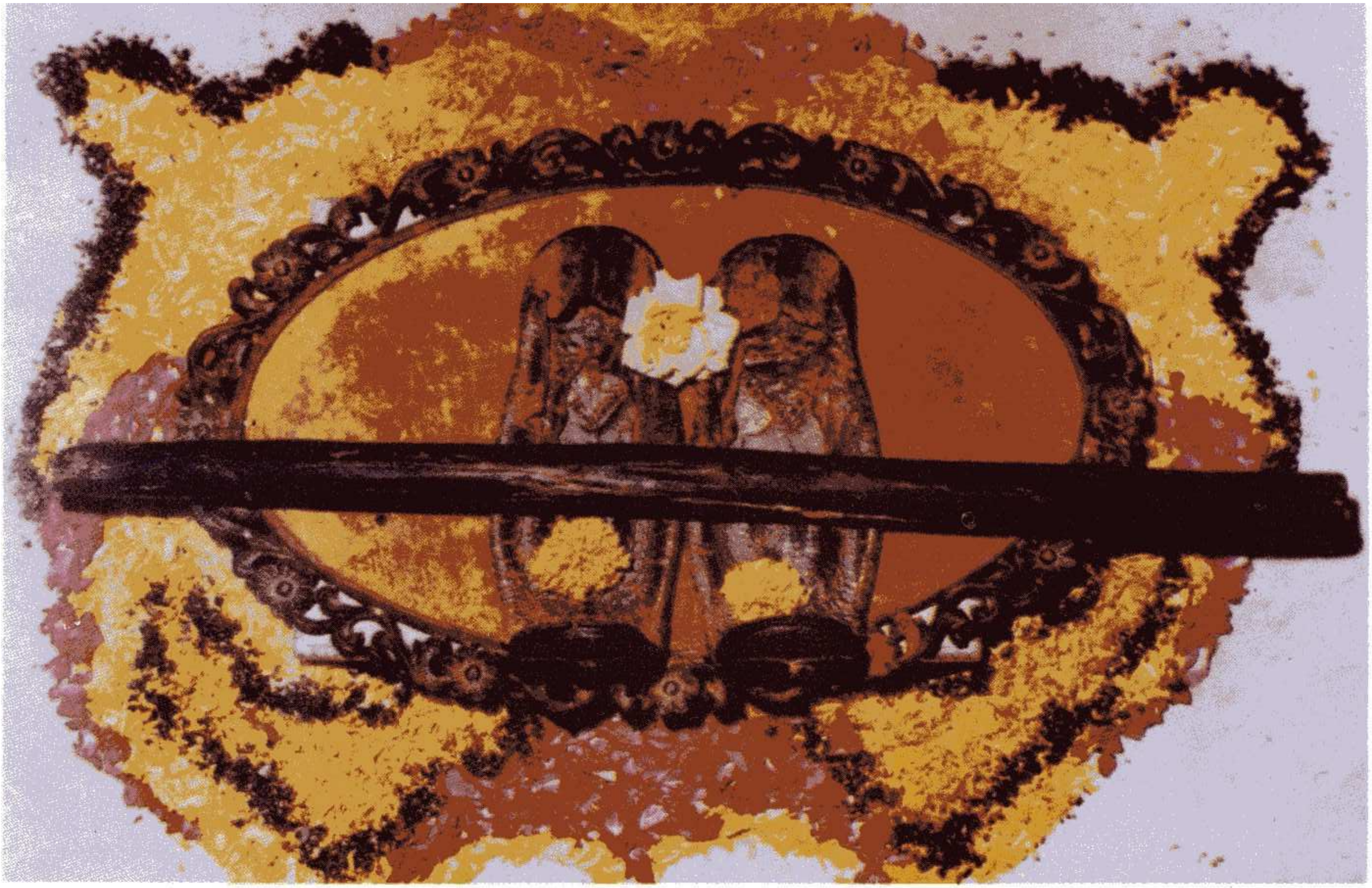

Shri Sai Baba's Paduka

مصنف بھوش لال کول (کوٹھیدار) مع شریک حیات وینا کول بکرم سائی بابا۔

(ڈاکٹر ظہور الاسلام رجسٹرار صدر شعبہ اردو جموں یونیورسٹی کا خط چیرمین سائی بابا سنستھان کے نام۔)

University of Jammu

Office : 431365
Resi. : 576603

Prof. Zahur-ud-Din
REGISTRAR

Baba Saheb Ambedkar Road,
Jammu Tawi-180 006.

Dt. 7th July 2000

The Chairman,
Shri Sai Baba Sanathan ,
S H I R D I .

Sub:- Translation of English SAI-SATCHARITRA OF Shri N. V. Gunaji into Urdu.

Ref:- Your No. SSS/WS/Chairman/6668/99 dated 28.7.99

...

Sir,

Kindly refer your above mentioned letter addressed to the vice-Chancellor, Aligarh Muslim University in which request was made to the Vice-Chancellor , Aligarh Muslim University to verify the purity, faithfulness, accuracy/ propriety of the Urdu language translation rendered by Shri Bushan Lal Kaul (Kothidar) from original book of Shri N.V.Gunaji. But the Vice Chancellor vide his D.O. letter (Enclosed) requested the Vice-Chancellor of Jammu University to get the authenticity of its contents verified from some Urdu Scholar of the University of Jammu keeping in view the original book on which the Urdu translation is based.

Thus this work was entrusted to me.I was very happy tox accept the work with the impression that I had only to correct the language of the translation. But on perusal it transpired that the translation rendered by Shri Kothidar was although appreciable yet it needed further improvement and pruning. This took a lot of time, particularly , my pre-occupations and earlier commitments hampered the work time and again as in addition to the responsibilities of Headship I am also working as Registrar of the University of Jammu. However, inspite of all these engagements I have almost completed the work. Now only 25 to 30 days are required more. As far as I can visualise if every thing goes well it should be ready by 20 th of August 2000.

Inconvenience caused is regretted.

Yours Sincerely,

7/7/2000

(DR. ZAHUR-UD-DIN)
REGISTRAR

Registrar
University of Jammu
JAMMU

وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کا خط وائس چانسلر جموں یونیورسٹی کے نام۔

ALIGARH MUSLIM UNIVERSITY

ALIGARH-202 002

Vice Chancellor

Dr. M. RAHMAN I.A.S.,
M.A., LL.B. (Allahabad), D. Litt. (HC-BHU)

August 12, 1999

Dear Prof. Sharma,

You will be happy to meet Shri Bushan Lal Kothidar. He has done a remarkable work on Ven'ble Sai Baba of Shirdi -- His Life and Works. I have seen the first chapter and introduced some minor corrections and I was very happy to do this work. Unfortunately Shri Bhushan Lal Kothidar cannot stay for a very long time otherwise I would have liked to finalise this work of spiritual edification myself.

Shri Bushan Lal Kothidar will be in Jammu and he is interested in going through the original manuscript of Ven'ble Sai Baba's teachings with some Urdu knowing person, who can possibly correct the text as per the spoken Urdu language. This work can be done by any good research student or some good teacher. I would strongly recommend that the required help of a scholar of Urdu may be extended to Shri Kothidar so that this beautiful treatise may lead to spiritual benediction of a large number of readers.

I have a feeling that you would know a very large number of Urdu knowing people and any Clerk or some Urdu knowing Assistant working in your University would be able to sit with Shri Kothidar and accomplish the work.

With warm regards,

Yours sincerely,

(M. Rahman)

Prof. R.R. Sharma,
Vice Chancellor,
University of Jammu,
Babasaheb Ambedkar Road,
Jammu Tawi,
J & K.

(شری ڈی۔ ایم سکھٹنکر چیرمین سائی سنستھان کا خط جناب محمود الرحمن وائس چانسلر مسلم
یونیورسٹی علی گڈھ کے نام۔)

D. M. SUKTHANKAR, I.A.S. (Retd.)
Chairman
Shri Sai Baba Sansthan, Shirdi

No:SSS:WS:CHAIRMAN:6668:99
DATE:-28/07/1999

To,
Mr.Mohamud-u-Rahman, IAS,
Vice Chancellor,
Aligarh University,
<u>A L I G A R H</u>
(UTTAR PRADESH)

Dear sir,

Shri Bushan Lal Kaul (Kothidar)of Jammu Tawi has translated in Urdu language Shri Sai Satcharitra, a book orginally written in English by Shri N.V.Gunaji and published by our Sansthan. Shri Kaul has requested the Sansthan to publish his Urdu translation as he does not have the financial means to do so.

In order to arrive at a decision whether Shri Kaul's request may be acceded to and the Urdu translation (submitted by him in manuscript form)may be published by the Sansthan, it is necessary to have the said Urdu translation thoroughly scrutinised by an acknowledged, reliable, expert in Urdu language for verifying the purity and faithfulness of the translation, both from the point of view of the accuracy/propriety of the language(Urdu) and the authenticity of its contents vis-a-vis the contents of the original English version on which it is based.

We shall be most grateful if you could kindly arrange to have the detailed scrutiny/verification as mentioned above done and the opinion based thereon conveyed to us.

Mr.Kaul himself is carrying this letter with him so that he can hand it over to you (along with his Urdu manuscript and Shri Gunaji"s English book) and explain the position. We shall await your kind response to our aforesaid request as early as possible.

Yours faithfully.
DMS 28/7/99
(D.M SUKTHANKAR)
CHAIRMAN
SHRI SAIBABA SANSTHAN SHIRDI

Copy, with compliments to:-
Shri Bhushan Lal Kaul (Kothidar),
Jammu Tawi.

Sai Niketan, 804-B, Dr. Ambedkar Road, Dadar, Bombay - 400 014. Tel. : 412 25 61
At & Post - Shirdi, Taluka - Kopargaon, Dist. - Ahmednagar - 423 109. Tel. : 55225/55226/55175
Res. : 'Priya', 5th Floor, 9, Khan Abdul Gaffar Khan Road, Worli Sea Face,
Bombay - 400 025. Tel. : 493 6522, 492 3655

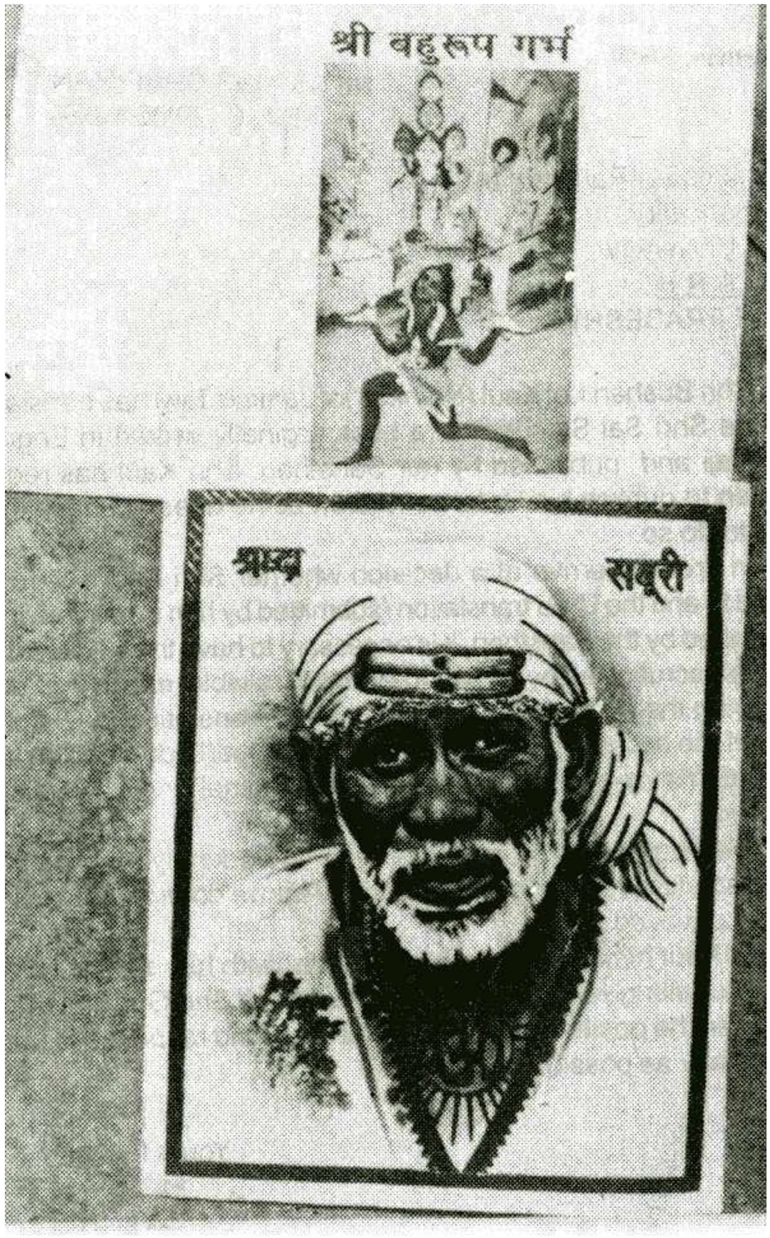

بابا بھاردواج گوتر کے گنگا بھو نامی برہمن کے روپ میں

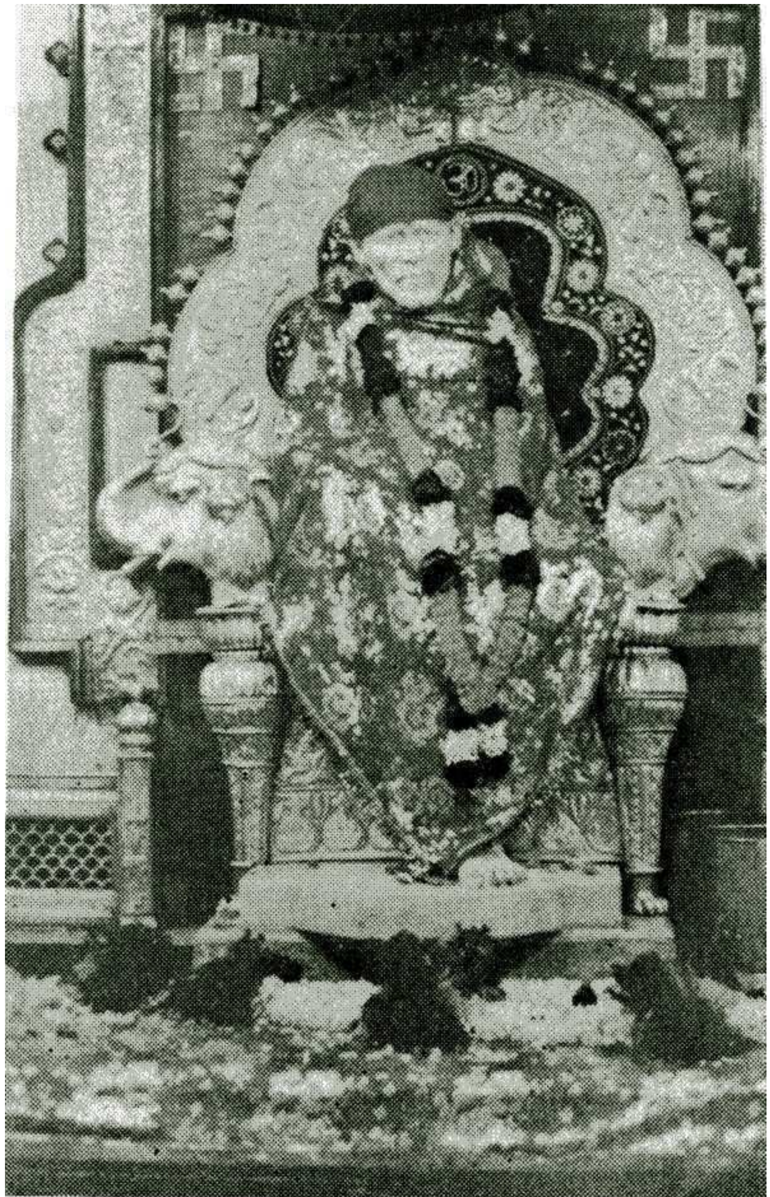

سائی بابا سگن روپ میں

"میرے بھگتوں کے گھر میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہوگی"۔

"میں اپنی سمادھی میں بھی بھگتوں کے لیے مُستعد رہوگا"۔

"جو بھی کوئی سرزمین شرڈی پر اپنے قدم رکھے گا اس کی تمام تکلیفات ختم ہو جائیں گی۔"

باباکی مورتی جس کی لمبائی ۵۔۵پانچ فُٹ پانچ انچ ہے۔یہ مورتی اٹلاوی سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے ۔اس مورتی کو ۱۹۵۴ء کے دسہرے کے دن وہاں نصب کیا گیا۔اس مورتی میں ایسی کشش ہے کہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ باباسامنے بیٹھے ہوئے تعلیم دے رہے ہیں۔

"میں اس دنیاوی جسم کو چھوڑنے کے بعد بھی ہمیشہ نہایت ہی چست اور توانا ہوں گا"۔

”میں ان سب کی مدد اور رہنمائی کے لیے ہمیشہ زندہ ہوں جو میرے پاس آئیں گے مجھ میں اطاعت قبول کریں گے اور مجھ میں پناہ گزیں ہوں گے۔“

"اگر تم اپنا بوجھ مجھ پر ڈال دو گے تو یقیناً میں اس کو برداشت کروں گا"۔

دولت اور فارغ البالی عطا کریں گے۔ اگر آپ یکسوئی کے ساتھ اس کا ایک باب بھی روز پڑھیں یہ آپ کو لا محدود خوشی عطا کرے گی۔ جس کو اپنی بھلائی کا خیال ہے اسے اس کو بڑی توجہ سے پڑھنا چاہئے اور تب وہ جنم بعد جنم بابا کو ہمیشہ محسن کے طور پر یاد رکھے گا۔اس کتاب کو گھر میں خصوصاً گوروپورنما گوکل اشٹمی، رام نومی اور دسہرے کے روز پڑھنا چاہئے ۔ اگر آپ اس کتاب کو توجہ سے پڑھیں گے تو آپ کی ساری خواہشات پوری ہو جائیں گی اور اگر آپ ہمیشہ سائی کے قدموں کو دل میں یاد رکھتے ہیں تو آپ آسانی سے اس دنیا کے ساگر کو پار کر جائیں گے اس کے مطالعے سے بیمار صحت یاب ہوں گے ، غریب دولت حاصل کریں گے مصیبت زدہ خوشحالی حاصل کریں گے من تمام خیالات سے نجات حاصل کر کے پختگی حاصل کرے گا۔

ہمارے اچھے قارئین وسامعین حضرات ہم آپ سب کو بھی سلام کرتے ہوئے یہ خاص درخواست کرتے ہیں کہ اس کو کبھی فراموش نہ کریں جس کی کہانیاں آپ نے دن بدن یا مہینہ بہ مہینہ پڑھی ہیں۔

پرارتھنا

ان کہانیوں کو جتنے جوش و جذبے کے ساتھ ہم پڑھتے ہیں یا سنتے رہیں گے۔ سائی بابا ہماری اتنی ہی زیادہ حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔اس کام میں مصنف اور قارئین دونوں کو ایک دوسرے کی مدد کرنا اور خوش رہنا چاہئے۔

پرسادیاچنا (عرض ودعا)

ہم اس باب کو اس التجا کے ساتھ ختم کرنا چاہتے ہیں کہ قارئین اور بھگت خود کو پوری طرح سائی کے قدموں پر وقف کردیں۔ خدا بابا کی شبیہ کو بھگتوں کی آنکھوں میں محفوظ کر دے۔ خدا کرے کہ وہ ہر شے میں اسی سائی کا جلوہ دیکھیں! (آمین)

سائی بابا کی کہانیوں کے بارے میں اتفاقاً سوچنے سے بھی آپ بغیر جانے ہوئے روحانی زندگی میں دلچسپی لینا شروع کریں گے۔اس کے بعد اگر آپ اس کتاب کو محبت سے پڑھیں گے تو آپ کے سارے گناہ ختم ہو جائیں گے اگر آپ آواگون کے چکر سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو سائی کی کہانیوں کو پڑھیے اور خود کو ان کے قدموں کے لیے وقف کر دیجیے۔ اگر آپ سائی کی کہانیوں میں دلچسپی کے کر انھیں دوسروں تک پہنچائیں تو آپ کو ہمیشہ ان میں نیا پن ملے گا۔ سننے والوں کو آپ مستقبل کی پریشانی سے بچائیں گے۔ اگر آپ سائی کی تصویر پر دھیان مرکوز کریں تو کچھ وقت کے بعد آپ عرفانِ ذات تک پہنچ جائیں گے۔ذات یا برہم کی فطرت کے ساتھ یکسو ہونا بہت مشکل ہے۔ لیکن اگر آپ سکن برہم (سائی کی تصویر) کی وساطت سے اس تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کریں تو آپ کی ترقی یا پیش رفت آسان ہو جائے گی۔ اگر بھگت خود کو پوری طرح سائی کے لیے وقف کرتا ہے تو اس سے اس کی انفرادیت ختم ہو جائے گی وہ فنا ہو کر اس سے جا ملے گا جیسے کہ دریا سمندر میں مل کر ایک ہو جاتا ہے جاگتے ہوئے خواب میں یا سوتے ہوئے کی تین حالتوں میں اگر آپ اس میں فنا ہو جاتے ہیں تو آپ اس سنسار یعنی دنیا کی جکڑ بندیوں سے آزاد ہو جاتے ہیں۔ اگر کوئی اشنان کے بعد اس کتاب کو محبت اور اعتقاد کے ساتھ پڑھتا ہے اور ایک ہفتے کے اندر اس کو ختم کرتا ہے اس کی آفتیں غائب ہو جائیں گی۔ وہ اگر اسے روزانہ پڑھتا یا سنتا ہے تو وہ سارے خطروں سے محفوظ ہو جائے گا۔ جو شخص دولت چاہتا ہے اس کے مطالعے سے اسے دولت ملے گی جس طرح کسی پاک وصاف تاجر کو اس کی تجارت یا پیشے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے اسے اس کے اعتقاد اور لگن کے مطابق انعام ملے گا۔ان کے بغیر اسے اس طرح کا کوئی تجربہ حاصل نہ ہوگا۔اگر آپ اسے ادب واحترام کے ساتھ پڑھیں گے تو سائی بابا خوش ہوں گے اور وہ آپ کی جہالت اور غریبی دور کر کے آپ کو علم و

اس کے لیے خود کو وقف کر دیں تو وہ ہماری ساری خواہشات پوری کرتا ہے اور ہمیں اپنی زندگی کی منزل حاصل کرنے کے قابل بناتا ہے۔

اس مادی دنیا کے سمندر کو عبور کرنا بہت مشکل ہے۔ دنیاوی اشیا سے محبت و لگاؤ کی لہریں بہت بلند اٹھ کر برے خیالات کے ساحل سے ٹکراتی ہیں اور برداشت و تحمل کے پیڑوں کو توڑ ڈالتی ہیں۔ انا کی ہوائیں بہت تیز چلتی ہیں اور سمندر کو طوفانی بنا دیتی ہیں۔ غصے اور نفرت کی شکل میں مگرمچھ وہاں بے خوفی سے گھومتے ہیں "میں اور میرے" جیسے خیالات کی شکل میں بھنور اور دوسرے شکوک وہاں لگاتار چکراتے ہیں۔ اور ملامت، نفرت، حسد کی شکل میں لاتعداد مچھلیاں وہاں کھیلتی ہیں۔ یہ سمندر اگرچہ بہت خونخوار اور بھیانک ہے لیکن ست گورو اس کو ختم کرنے والا ہے۔ سائی کے بھگتوں کو اس سے ذرا بھی ڈرنا نہیں ہے۔ ست گورو ہماری کشتی ہے جو ہمیں حفاظت کے ساتھ اس سمندر کے پار اتار دے گی۔

دعا

ہم سائی بابا کے قدموں پر گر کر سب کے لیے حسبِ ذیل دعا مانگتے ہیں:-

"آپ ہمارے من کو بھٹکنے نہ دیجیے اور اپنے سوائے کسی اور چیز کی تمنا نہ کرنے دیجیے۔ جو لوگ یہ سوانح ہر روز پڑھیں آنے والی تباہیوں سے انھیں محفوظ رکھیے"

اس کتاب کو پڑھنے کی جزا

اس کتاب کو پڑھنے سے حاصل ہونے والے نوازشات کے بارے میں چند الفاظ گوداوری ندی میں اشنان کرنے اور شرڈی میں بابا کے سمادھی مندر میں سمادھی کے درشن کرنے کے بعد ست چرتر کو پڑھیے یا پڑھا جاتا ہوا سنیے۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کے تمام مصائب دور ہو جائیں گے۔

تینتالیسواں باب

اختتامیہ

ہم نے بیالیسواں باب ختم کر دیا ہے اور اب ہم آخری باب تک پہنچ گئے ہیں۔ اس میں ہیماڈ پنت نے اپنے اختتامی خیالات پیش کرتے ہوئے فہرست دینے کا وعدہ کیا تھا جس میں سارے ابواب کے مشمولات کو نظم کی صورت میں پیش کرنا مقصود تھا جیسا کہ مراٹھی کی مذہبی کتابوں میں اکثر ہوتا ہے۔ لیکن بد قسمتی سے ہیماڈ پنت کے کاغذات میں وہ اشاریہ (فہرست) نہیں ملا۔ چناں چہ وہ بابا کے دوسرے بھگت جس کا نام مسٹر بی۔ وی دیو ہے اور جو تھانہ وظیفہ یاب معالمت دار ہیں نے تیار کر کے فراہم کیا۔ جیسے انگریزی کتابوں میں ہم اشاریہ کتاب کے شروع میں دیتے ہیں اور ہر باب کے مشمولات اس کے سرورق پر درج کرتے ہیں۔ یہاں اشارے سے متعلق آخری باب کو زیرِ بحث لانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم اس باب کو یہاں اختتامیہ کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔ بد قسمتی سے ہیماڈ پنت اس باب کے مسودے کو ازِ سر نو دیکھ کر اشاعت کے لیے تیار کرنے کے لیے نہیں رہے۔

ست گوروسائی کی عظمت

ہم اس سائی سمرتھ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں جو ساری جان دار اور بے جان اشیاء پر محیط ہے جو تمام جانداروں میں بلا تفریق کے بستا ہے جس کے سارے بھگت برابر ہیں اور جو عزت یا بے عزتی پسند یا ناپسند نہیں جانتا۔ اگر ہم اس کو یاد کریں اور

ایک مخصوص دن ایک بار پھر اس پر استھما کا حملہ ہوا۔ یہ عین وہی وقت تھا جب بابا نے مہا سمادھی اختیار کی یعنی ان کا انتقال ہوا۔

جس دن انھوں نے وہاں کا دورہ کیا وہ جمعرات کا دن تھا۔ یہ دھر ندھر برادران کی خوش نصیبی تھی کہ انھیں اس رات چاوڑی کے جلوس کو دیکھنے کا موقع مل گیا۔ چاوڑی میں آرتی کی تقریب کے موقع پر بالا رام نے بابا کے چہرے پر پانڈورنگ (وشنو) کی چمک دیکھی اور دوسری صبح کو کاکڑ کے موقع پر یہی جلوہ اس کو پھر دکھائی دیا یعنی اسی دیوتا پانڈورنگ کی چمک بابا کے چہرے پر تھی۔

مسٹر بالا رام دھر ندھر نے مراٹھی زبان میں مہاراشٹر کے ایک سنت تکارام کی سوانح حیات بھی لکھی لیکن وہ اس کی اشاعت کو نہ دیکھ سکے۔ اس کو بعد میں اس کے برادران نے 1928ء میں شائع کیا جس کے شروع میں ایک مختصر سانوٹ بالا رام کی زندگی پر بھی شامل کیا گیا ہے۔ اوپر پیش کیے گئے بالا رام کے شرڈی کے دورے کے احوال کی اس سے بھی پوری طرح تصدیق ہوتی ہے (بحوالہ صفحہ 6 کتابِ مذکور)

مبذول کی۔ انھوں نے بڑی توجہ سے گیتا اور اس پر لکھی شرح یعنی گیا نیشوری اور فلسفے اور مابعد الطبیعات پر دوسری کتب کا مطالعہ کیا۔ وہ وٹھوبا اور پنڈھر پور کے بھگت تھے۔ سائی بابا سے ان کا تعلق 1912ء میں ہوا۔ اس سے چھ ماہ قبل ان کے بھائی بابو جی اور رمن راؤ نے شرڈی آکر بابا کے درشن کیے تھے۔ انھوں نے واپس جا کر اپنے خوشگوار تجربات کا ذکر بالا رام اور کنبے کے دوسرے افراد سے کیا تھا۔ پھر ان سب نے بابا کے درشن کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس سے پہلے کہ وہ شرڈی آتے بابا نے کھلے عام اعلان کیا کہ "آج میرے دربار میں بہت سے لوگ آنے والے ہیں۔" دھرندھر بھائی دوسروں سے بابا کے ان الفاظ کے بارے میں سن کر حیران ہوئے کیوں کہ انھوں نے اپنے سفر کی پیشگی اطلاع نہیں بھیجی تھی۔ باقی سب لوگوں نے بابا کے سامنے اپنے سر نگوں کیے اور ان سے بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ بابا نے ان سے کہا "یہ میرے دربار کے وہ لوگ ہیں جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے"۔ اور پھر دھرندھر برادروں سے مخاطب ہو کر کہنے لگے "ہم ایک دوسرے کو پچھلی چھ نسلوں سے جانتے ہیں۔" سبھی بھائی بہت شریف اور منکسر المزاج تھے۔ وہ بابا کے قدموں پر نگاہ مرکوز کیے ہوئے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔ سارے ستوی جذبات یعنی آنکھوں سے آنسو بہنا، گلے کا رندھ جانا اور بدحواسی وغیرہ ان پر طاری ہو گئے جس سے ان سب کو مسرت اور خوشی حاصل ہوئی۔ پھر انہوں نے اپنی قیام گاہ پر جا کر کھانا کھایا اور کچھ دیر آرام کرنے کے بعد دوبارہ مسجد آگئے۔ بالا رام بابا کے قریب بیٹھ کر ان کی ٹانگوں کی مالش کرنے لگا۔ بابا اس وقت چلم پی رہے تھے۔ انہوں نے اسے اس کی طرف بڑھاتے ہوئے پینے کا اشارہ کیا۔ بالا رام کو تمباکو پینے کی عادت نہ تھی پھر بھی انھوں نے چلم لے کر مشکل سے اس کے کش لیے اور بڑے ادب واحترام کے ساتھ سر جھکاتے ہوئے اسے بابا کو لوٹایا تھا۔ تمباکو پینے کے اس عمل نے انھیں ہمیشہ کے لیے صحت یاب کر دیا۔ پھر انھیں یہ تکلیف بھی نہ ہوئی۔ کوئی چھ سال بعد

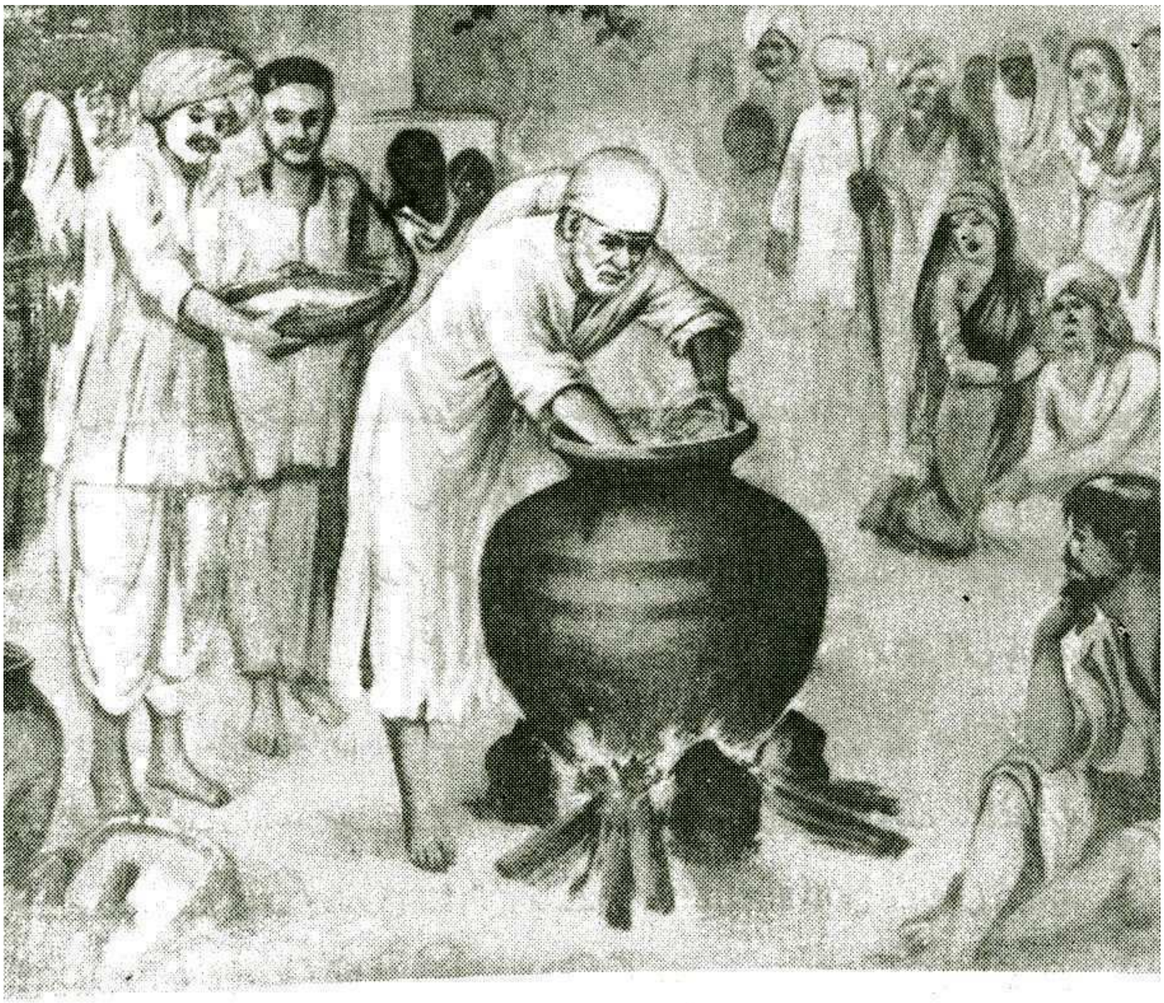

بابا ہمیشہ سبزیاں، چاول ایک ساتھ ملا کر مٹی کے برتن میں پکاتے تھے۔ اس برتن کو بابا کا ہاتھ لگانے سے ان پورنا دیوی کی کرپا سے پرشاد کبھی ختم نہیں ہوتا تھا اور یہ پرشاد تمام غریبوں مسافروں، تاجروں، مسکینوں اور بھکشوں میں تقسیم کیا جاتا تھا۔ مسلمان لوگ اس کو متبرک سمجھ کر اور ہندو لوگ اسے پرشاد سمجھ کر کھاتے تھے۔

بتایا۔ بدقسمتی سے توڑا گیا ناریل وہی نکلا جو پنڈلیک راؤ کے سپرد کیا گیا تھا وہ جیسے ہی شرڈی کے قریب پہنچے پنڈلیک راؤ کو ناریل یاد آیا جو اس کے حوالے کیا گیا تھا اور اسے یہ جان کر بہت افسوس ہوا کہ وہ توڑ کر استعمال کیا جا چکا تھا۔ خوف زدہ اور کانپتے ہوئے وہ شرڈی پہنچ کر بابا سے ملا۔ بابا کو ٹیمبے سوامی کی طرف سے پہلے ہی ناریل کے بارے میں وائرلیس پیغام مل چکا تھا اس لیے انھوں نے اسی چیز کے بارے میں دریافت کیا جسے ان کے بھائی سوامی نے بھیجا تھا۔ پنڈلیک راؤ نے بابا کے پاؤں مضبوطی سے پکڑ کر اپنی لا پرواہی اور گناہ کا اقرار کرتے ہوئے معافی مانگی۔ اس نے اس کی جگہ ایک دوسرا ناریل دینے کی پیش کش کی لیکن بابا نے یہ کہتے ہوئے لینے سے انکار کر دیا کہ اس ناریل کی قدر و قیمت اس کے بدلے میں دیئے جانے والے ناریل سے کئی گناہ زیادہ تھی اس لیے کوئی دوسرا پھل اس کا متبادل نہیں ہو سکتا تھا۔ بابا نے مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا: "اب تمہیں اس سلسلے میں مزید پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ میری ہی خواہش کے مطابق وہ ناریل تمہارے حوالے کیا گیا تھا۔ جو بالآخر راستے میں توڑا گیا۔ ان اعمال کے لیے تم کیوں خود کو ذمے دار ٹھہراؤ۔ اچھے یا برے اعمال کرنے پر خود کو عمل کرنے والا قرار مت دو۔ تمام چیزوں میں خود کو غرور اور انا سے دور رکھو۔ اسی صورت حال میں تمہاری روحانی ترقی کی رفتار تیز ہوگی" بابا نے کیا ہی خوبصورت روحانی سبق مرحمت فرمایا۔

بالارام دھر ندھر (1878-1925ء)

بالارام دھر ندھر سانتا کروز بمبئی کے پربھو طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بمبئی ہائی کورٹ کے ایڈووکیٹ اور کبھی گورنمنٹ لا سکول بمبئی کے پرنسپل بھی تھے۔ بالا دھر ندھر کا تمام پریوار حق پرست اور پاکباز تھا۔ بالارام نے اپنے طبقے کی بہت خدمت کی اور اس کی تفصیلات لکھ کر شائع کیں۔ پھر انھوں نے اپنی توجہ روحانی اور مذہبی معاملات کی طرف

انہوں نے بغیر کسی تکلیف یا بے چینی کے آخری سانس لی۔

شری ٹیمبے سوامی

اب ہم دوسری کہانی کی طرف آتے ہیں جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سادھو سنت کس طرح ایک دوسرے سے محبت کرتے اور آپس میں برادرانہ تعلقات رکھتے ہیں۔ ایک بار شری وسوادیونند سرسوتی نے جو شری سوامی ٹیمبے کے طور پر مشہور تھے راج مہندری (آندھرا پردیش) کے مقام پر گوداوری کے کنارے خیمہ زن تھے۔ وہ بھگوان دتاتریہ کے کٹر بھگت تھے۔ ایک بار نندیڑ (ریاستِ نظام) کا پنڈلیک راؤ نامی ایک وکیل اپنے دوستوں کے ساتھ انھیں ملنے کے لیے گیا۔ ان سے باتیں کرتے ہوئے شرڈی اور سائی بابا کے ناموں کا ذکر اتفاقاً آ گیا۔ بابا کا نام سنتے ہی سوامی نے ناریل نکال کر پنڈلیک راؤ کو دیتے ہوئے بولے: ''یہ میرے بھائی سائی بابا کو دیتے ہوئے میری طرف سے پرنام کر کے کہنا کہ مجھے نہ بھولیں بلکہ ہمیشہ اپنی محبت سے نوازتے رہیں'' انھوں نے آگے کہا کہ ایک سوامی اگرچہ دوسرے سوامی کے سامنے نہیں جھکتے لیکن ان کے سلسلے میں استثنا سے کام لیا گیا ہے۔ پنڈلیک راؤ نے پھل اور پیغام بابا تک پہنچانے کا اقرار کیا۔ سوامی بابا کو بھائی کہنے میں حق بجانب تھا کیوں کہ جس طرح وہ دن رات مقدس آگ کو جلائے رکھتا تھا اسی طرح بابا بھی اپنی دھونی کو ہمیشہ مسجد میں جلائے رکھتے تھے۔

ایک ماہ کے بعد پنڈلیک راؤ اور دوسرے لوگ شرڈی کے لیے روانہ ہوئے۔ منماڈ پہنچنے پر پیاس لگنے کی وجہ سے وہ ایک ندی پر پانی پینے کے لیے گئے۔ خالی پیٹ چوں کہ پانی نہیں پیا جانا چاہیے اس لیے انھوں نے کھانے کے لیے کچھ اشیاء نکالیں جیسے کہ چیوڑا۔ چیوڑے کا ذائقہ بہت تیز تھا اس لیے کسی کے مشورے پر ناریل کو توڑ کر اس کے ٹکڑے اس میں ملائے گئے۔ اس طرح انہوں نے چوڑے کو لذیذ اور کھانے کے قابل

ضروری مرمت پہلے ہی کی جاچکی تھی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ تصویر کاکا صاحب اور شاما کے ذریعے لوٹادی جائے۔

دس بجے رات سے پہلے ہی اسٹیشن پہنچ کر انھوں نے اپنی سیٹیں ریزرو کرالیں لیکن جب ریل پہنچی تو انھوں نے دیکھا کہ ڈبا کھچا کچھ بھرا ہوا تھا اور وہاں ان کے لیے جگہ نہ تھی۔ خوش قسمتی سے گاڑی کا محافظ یعنی گارڈ کاکا صاحب کی جان پہچان کا نکل آیا اور اس نے انھیں فرسٹ کلاس کے ڈبے میں بٹھادیا۔ انھوں نے آرام سے سفر کیا اور کوپر گاؤں کے مقام پر گاڑی سے اترے۔ ان کی خوشی کی اس وقت انتہا نہ رہی جب وہاں ان کی ملاقات ناناصاحب چندورکر سے ہوئی جو کہ ابھی شرڈی جارہا تھا۔ کاکا صاحب اور ناناصاحب ایک دوسرے سے گلے ملے پھر گوداوری میں اشنان کرنے کے بعد شرڈی کے لیے روانہ ہوئے۔ وہاں پہنچ کر بابا کے درشن کرنے کے بعد کاکا کا دل پگھل گیا۔ اس کی آنکھیں بھر آئیں اور وہ خوشی سے پھولا نہ سمایا۔ بابا نے بھی اسے بتایا وہ کہ اس کا انتظار کر رہے تھے اور شاما کو اسے لینے کے لیے آگے روانہ کیا تھا۔ کاکا صاحب نے پھر بابا کی صحبت میں کئی برس گزارے۔ اس نے شرڈی میں ایک واڑا تعمیر کیا جسے بابا نے کم و بیش اپنا مستقل گھر بنالیا۔ بابا سے جو تجربات اسے حاصل ہوئے وہ اتنے زیادہ ہیں کہ ان سب کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ قارئین کو یہ مشورہ دیا جاتا ہے کہ اس سلسلے میں وہ شری سائی لیلا میگزین کی جلد 12 کے شمارہ نمبر 6-9 کا مطالعہ کریں۔ ہم یہاں پر اس بیان کو ایک حقیقی واقعے کے بیان پر ختم کرتے ہیں۔ بابا نے اسے یہ کہہ کر تسلی دی تھی کہ آخر میں وہ اسے ہوائی جہاز میں ساتھ لے جائیں گے۔ یعنی اسے ایک مسرت بھری موت دلائیں گے۔ یہ بات سچ ثابت ہوئی۔ 5 جولائی 1926ء کو وہ ہیماڈ پنت کے ساتھ ریل میں سفر کرتے ہوئے بابا کے بارے میں گفتگو کر رہا تھا۔ وہ سائی بابا میں پوری طرح کھویا ہوا دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک ان کی گردن ہیماڈ پنت کے کندھے سے جا لگی۔

اس کے کچھ وقت بعد کاکا صاحب کو بمبئی لجسلیٹو کونسل کی سیٹ کے لیے ووٹ حاصل کرنے کی خاطر احمد نگر جاکر سردار کاکا صاحب مریکر کے ہاں ٹھہرنا پڑا۔ اس زمانے میں کاکا صاحب مریکر کا بیٹا بالا صاحب مریکر گھوڑوں کی نمائش کے سلسلے میں احمد نگر آیا تھا۔ امتحانات کا کام مکمل ہونے پر کاکا صاحب دیکشت نے شرڈی جانا چاہا۔ دونوں مریکر یعنی باپ اور بیٹا سوچ میں تھے کہ کوئی مناسب رہبر مل جائے تو کاکا صاحب کو اس کے ساتھ شرڈی بھیجا جائے۔ ادھر سائی بابا اس کے استقبال کے لیے انتظامات کرا رہے تھے۔ شاما نے احمد نگر سے اپنے سسر کا یہ تار وصول کیا کہ اس کی بیوی (یعنی شاما کی ساس) بہت بیمار ہے اس لیے وہ اپنی بیوی کے ساتھ اسے دیکھنے کے لیے آئے۔ شاما کی اجازت لے کر سسرال پہنچا وہاں اس نے دیکھا کہ ساس کی حالت بہتر ہوتی جارہی ہے۔ نمائش کے لیے جاتے ہوئے منا صاحب پان سے اور اپا صاحب لدرے کی اچانک شاما سے ملاقات ہوئی۔ انھوں نے اسے مریکر والوں کے گھر جاکر کاکا صاحب دیکشت سے ملنے کے لیے کہا اور یہ بھی کہ وہ اسے اپنے ساتھ شرڈی لے جائے۔ کاکا صاحب دیکشت اور مریکر والوں کو بھی شاما کی آمد کی اطلاع دی گئی۔ شام کو شاما مریکر والوں کے گھر آیا جنھوں نے اس کا تعارف کاکا صاحب سے کرایا۔ انھوں نے اس طرح انتظام کیا کہ شاما کاکا صاحب کے ساتھ رات 10 بجے کی گاڑی سے کوپر گاؤں کی طرف روانہ ہو جائے۔ یہ طے کرنے کے بعد ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ بالا صاحب مریکر نے بابا کی بڑی تصویر پر پڑا ہوا پردہ ایک طرف ہٹا کر کاکا صاحب کو اسے دکھایا۔ کاکا یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ وہ جس کو ملنے کے لیے شرڈی جارہا تھا وہ پہلے ہی اس کے استقبال کے لیے تصویر کی صورت میں وہاں اس موقع پر موجود تھا۔ اس کا دل بھر آیا اور وہ تصویر کے سامنے جھک گیا۔ اس تصویر کا مالک میگھا تھا۔ اس کا شیشہ ٹوٹا ہوا تھا اور اسے مریکروں کے پاس مرمت کرنے یعنی دوبارہ شیشہ لگانے کے لیے بھیجا گیا تھا۔

ایک ناگر برہمن گھرانے میں پیدا ہوئے۔ان کی ابتدائی تعلیم کے مراحل کھانڈوا، ہنگن گھاٹ اور ثانوی تعلیم کے مراحل ناگپور میں پورے ہوئے، اعلیٰ تعلیم کے لیے وہ بمبئی آئے۔ وہاں پہلے ولسن کالج اور پھر ایلفنسٹن کالج میں تعلیم حاصل کی۔ 1883ء میں گریجویشن کرنے کے بعد انہوں نے ایل ایل بی اور سالسٹر کے امتحانات پاس کیے۔ پہلے سرکاری سالسٹرس کی فرم میں کام کیا پھر اپنی ایک سالسٹر فرم شروع کردی۔

1909ء سے پہلے کاکا صاحب سائی بابا کے نام سے واقف نہ تھا لیکن اس کے بعد وہ جلد ہی ان کا زبردست بھگت بن گیا۔ جس زمانے میں وہ لوناوالا میں رہ رہا تھا اس کی ملاقات اپنے پرانے دوست ناناصاھب چندورکر سے ہوئی۔ دونوں نے کچھ وقت بہت سی چیزوں کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے گزارا۔ کاکا صاحب نے اسے بتایا کہ جب وہ لندن میں تھا تو کس طرح ریل پر سوار ہوتے ہوئے اس کا پاؤں پھسل کر زخمی ہو گیا تھا اور سینکڑوں ادویات استعمال کرنے کے باجود اب تک افاقہ نہ ہوا تھا۔ اس پر نانا صاحب نے اسے بتایا کہ اگر وہ درد سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اور یہ بھی کہ اس کا لنگڑا پن جاتا رہے تو اسے بتائے۔ انہوں نے اُسے سائی بابا کے اس قول سے بھی روشنا س کیا" میں اپنے بھگت کو چاہے وہ کتنی ہی دور یا سات سمندر پار ہی ہو اپنی طرف اس طرح کھینچ لاتا ہوں جس طرح چڑیا پاؤں میں بندھے دھاگے کی وجہ سے کھینچی چلی آتی ہے۔"اس نے اسے یہ بھی بتایا کہ اگر وہ بابا کا بھگت نہیں ہے تو وہ بابا کی طرف راغب نہ ہو پائے گا اور نہ بابا اسے اپنے درشن سے ہی نوازیں گے۔ یہ سب سنکر کاکا صاحب بہت خوش ہوا اور اس نے ناناصاحب سے کہا کہ وہ بابا سے ملنے کے لیے جائے گا اور انھیں مل کر درخواست کرے گا کہ اس کی لنگڑی ٹانگ کو ٹھیک کرنے کی تو اتنی ضرورت نہیں ہے جتنی اس کے لنگڑے اور متلون من کو درست کرنے کی ہے۔ اس لیے ان سے استدعا ہے کہ وہ اس کا علاج کر کے اسے دائمی سکون عنایت کریں۔

بیالیسواں باب

ابتدائیہ

سائی بھگتوں کا سہارا، ہمارا ست گورو اور گیتا کے مفہوم سے ہمیں آگاہ کرنے والا ہے، ہماری ساری طاقت کا منبع ہے اس کو فتح و نصرت حاصل ہو۔ او سائی ہم پر کرم کر اور ہم سب کو اپنی برکتوں سے نوازو، صندل کے پیڑ ملایا کی پہاڑیوں پر اگتے ہیں اور بخار کی شدت کو کم کرتے ہیں۔ بادل بارش برسا کر لوگوں کو ٹھنڈک پہنچانے کے ساتھ ہی ساتھ انھیں ترو تازہ کرتے ہیں۔ پھول موسم بہار میں کھلتے ہیں اور خدا کی پوجا میں کام آتے ہیں۔ اسی طرح سائی بابا کی کہانیاں بھی پڑھنے والوں کو آرام و سکون عطا کرنے کے لیے سامنے آتی ہیں۔ جو بابا کی کہانیاں بیان کرتے یا سنتے ہیں۔ وہ دونوں پاک و مقدس بننے کے ساتھ ساتھ برکتوں سے بھی نوازے جاتے ہیں یہی سعادت ہمارے منہ کانوں کو بھی نصیب ہوتی ہے۔

یہ ایک مصدقہ حقیقت ہے کہ ہم چاہے کتنے ہی راستے اپنائیں یا سادھنائیں کریں ہمیں زندگی کی روحانی منزل اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتی جب تک کوئی ست گورو ہمیں اپنی برکت سے نہیں نوازتا یا ہمیں اس کا سہارا حاصل نہیں ہوتا۔ اس بیان کی وضاحت کے لیے حسبِ ذیل کہانی کو سنیے:۔

کاکا صاحب دیکشت (1926-1864)

شری ہری سیتارام عرف کاکا صاحب دیکشت 1864ء میں کھانڈوا (ایم۔ پی) کے

انھیں ٹھیک اور مناسب طریقے سے موقعہ محل کے مطابق دبانا چاہیے۔ حسن نظر کے لیے ہے اور ہمیں بغیر کسی خوف کے اشیا کے حسن کا جلوہ دیکھنا چاہیے اس میں شرمندگی یا خوف کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ صرف ہمیں شیطانی خیالات پیدا نہیں ہونے دینا چاہیے۔ من کو خواہشات کے چنگل سے آزاد کر کے خدا کی بنائی ہوئی حسین اشیا کو دیکھو۔ اس طرح آسانی سے اور فطری انداز میں حواس کو قابو میں رکھا جا سکے گا اور ان سے لطف اندوز ہوتے ہوئے تمہیں خدا بھی یاد رہے گا۔ اگر خارجی حواس کو قابو میں رکھا جاتا ہے اور من کو اشیا کے پیچھے بھاگنے دیا جاتا ہے اور وہ ان سے جڑا رہا تو مرنے اور جنم لینے کے چکر سے نجات نہیں حاصل کی جا سکتی۔ حواس کی اشیا نقصان دہ اشیا ہیں۔ قوتِ امتیاز کو رہبر بنا کر ہم اپنے من کو قابو میں کر سکیں گے اور حواس کو بھٹکنے نہ دیں گے۔ اس رہبر کی قیادت میں ہم وشنو پد یعنی آخری منزل تک پہنچ سکتے ہیں جو اصلی گھر ہے اور جہاں سے پھر واپسی نہیں ہوتی۔

کے بعد پھر برقعہ ڈال لیا تو نانا صاحب نے اس کے چہرے کی جھلک دیکھ لی۔ وہ اس کے بے مثال حسن سے اتنا متاثر ہوا کہ اس کے دل میں اسے پھر دیکھنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ نانا صاحب کے دل کی حالت کو جانتے ہوئے بابا خواتین کے جانے کے بعد یوں مخاطب ہوئے "نانا تم خواہ مخواہ کیوں پریشان ہو رہے ہو، حواس کو اپنا کام کرنے دو۔ ہمیں ان کے فرائض کی ادائیگی میں مخل نہیں ہونا چاہیے۔ خدا نے یہ خوبصورت دنیا بنائی ہے اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے حسن کی تعریف کریں۔ من آہستہ آہستہ مطمئن ہو جائے گا۔ جب سامنے کا دروازہ کھلا ہوا ہو تو پچھلے دروازہ سے کیوں جایا جائے۔ جب دل پاک و صاف ہو تو پھر کوئی دقت نہیں ہوتی۔ اگر ہمارے دل میں کوئی برے خیالات نہ ہوں تو پھر کسی سے کیوں ڈریں۔ آنکھیں اپنا کام کرتی رہیں ان کے کام کرنے سے تم کیوں شرمندہ ہو اور لڑکھڑاؤ۔"

شاما بھی وہاں موجود تھا۔ وہ یہ نہ سمجھ سکا کہ بابا کیا فرما رہے ہیں۔ چناں چہ اس نے قیام گاہ کی طرف لوٹتے ہوئے نانا سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ نانا نے اس حسین خاتون کے چہرے کو دیکھ کر اپنے دل پر طاری ہونے والی بے چینی کی حالت کے بارے میں بتایا۔ اور یہ بھی کہ کس طرح بابا نے وہ سب جانتے ہوئے نصیحت کی۔ نانا نے اسے بابا کے مفہوم کو اس طرح سمجھایا "ہمارا دل غیر مستقل، متلون یا تغیر پذیر ہے۔ چناں چہ اسے قابو سے باہر نہیں ہونے دینا چاہیے۔ ہمارے حواس چاہے پریشان یا بہک جانے کی کوشش کریں پر بدن کو قابو میں رکھنا چاہیے اور اسے بے صبر نہیں ہونے دینا چاہیے۔ حواس اشیا کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ لیکن ہمیں ان کی پیروی یا تعاقب نہیں کرنا چاہیے۔ اور نہ ان اشیاء کو پانے کی ہوس ہی کا شکار ہونا چاہیے۔ آہستہ آہستہ بتدریج عمل سے انھیں پوری طرح قابو کیا جا سکتا ہے۔ ہمیں حواس کے سیلاب میں بہہ نہیں جانا چاہئے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ انھیں پوری طرح سے قابو میں نہیں لایا جا سکتا ہے ہمیں

پہنچا تو بابا نے آپے سے باہر ہو کر چیخ کر کہا"ہمارے فضول ساز و سامان کو ہمارے ساتھ رہنے دو تم اپنے گھر لوٹ جاؤ۔ خبردار پھر کبھی اس مسجد کی طرف آئے۔ ایک ایسے آدمی کے درشن کیوں کیے جائیں جو اپنی مسجد پر ایک جھنڈا لہراتا ہے۔ کیا یہ صوفی ہونے کی علامت ہے؟۔ یہاں ایک منٹ بھی تم نہ رہو۔"اس اچانک صورت حال سے سوامی کو دھکا لگا۔ وہ سمجھ گیا کہ بابا نے اس کے من کو پڑھ کر یہ سب کچھ کہا تھا۔ وہ کس قدر سب کچھ جانتے تھے۔ وہ جان گیا کہ وہ خود کتنا کم ذہین تھا اور بابا کتنے نیک اور پاک تھے۔ اس نے دیکھا کہ بابا کسی کو گلے لگا رہے تھے کسی کو اپنے ہاتھ سے چھو رہے تھے کسی کو تسلی دے رہے تھے کسی پر رحم کی نظر ڈال رہے تھے۔ کچھ پر ہنس رہے تھے کچھ کو اودی پرساد دے رہے تھے۔ اس طرح ہر ایک کو خوش و مطمئن کرنے میں مصروف تھے۔ میرے ساتھ سختی کیوں کی جارہی ہے۔ اس پر سنجیدگی سے غور کرنے پر اسے محسوس ہوا کہ بابا کا کردار بالکل اس کے اپنے اندر کے خیالات سے مطابقت رکھتا تھا۔ اور اسے اس سے سبق لیتے ہوئے خود کو بہتر بنانا چاہیے۔ یہ بھی کہ بابا کا غصہ زحمت کے بھیس میں رحمت تھا۔ یہ کہنے کی اب ضرورت نہیں کہ بعد میں بابا پر اس کا یقین مضبوط ہو گیا اور وہ بابا کا ایک زبردست بھگت بن گیا۔

ناناصاحب چندورکر

ہیماڈ پنت اس باب کو ناناصاحب چندورکر کی کہانی پر ختم کرتے ہیں۔ جب ناناصاحب مہالاسپتی کے ساتھ مسجد میں بیٹھا ہوا تھا تو بیجاپور میں رہنے والا ایک مسلمان اپنے اہل و عیال سمیت بابا کے درشن کرنے کے لیے آیا۔ برقعہ پوش خواتین کو دیکھ کر ناناصاحب نے چاہا کہ وہاں سے چلا جائے لیکن بابا نے انہیں ایسا نہیں کرنے دیا۔ خواتین نے آکر بابا کے درشن کیے۔ جب ایک خاتون نے برقعہ اٹھا کر بابا کے قدموں کو چھوا، اور اس

ہاں برتاؤ کے مختلف اطوار، رہنے سہنے کے مختلف آداب اور خارجی سازو سامان پائے جاتے ہیں لیکن ان خارجی عناصر کو ہمیں صوفیوں یا سنتوں کی قدر و قیمت متعین کرنے کا پیمانہ نہیں بنانا چاہیے۔سوم دیو سوامی کا معاملہ قدرے مختلف تھا۔ لہراتے ہوئے جھنڈوں کو دیکھ کر اس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ ایک سنت یا فقیر کو جھنڈوں سے کیا لگاؤ۔ کیا یہ سنت صوفی کا اعلانیہ ہیں۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ صوفی یا سنت شہرت کے پیچھے بھاگتا ہے۔ یہ سوچتے ہوئے اس نے شرڈی کے اپنے دورے کو مسترد کرتے ہوئے دوسرے ہم سفروں سے واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا۔ انھوں نے اس سے کہا کہ پھر تم اتنے دور تک کیوں چلے آئے۔ اگر تمہارا من جھنڈے دیکھ کر پریشان ہو جاتا ہے تو شرڈی جاکر رتھ پالکی گھوڑا اور دوسرا سازو سامان دیکھو گے تو تمہارا کیا حال ہوگا"۔ سوامی نے اور بھی پریشان ہوتے ہوئے کہا۔ میں نے کوئی سادھو ایسا نہیں دیکھا ہے جن کے پاس گھوڑے پالکیاں ٹم ٹم ہوں، اس لیے ایسے سادھو کو دیکھنے سے بہتر ہے کہ میں واپس چلا جاؤں۔ یہ کہہ کر وہ واپس جانے کے لیے مڑا۔ اس کے ہم سفروں نے اسے ایسا نہ کرتے ہوئے آگے چلنے کی تلقین کی۔ انھوں نے اسے اپنے شیطانی خیالات سے باز آنے کا مشورہ دیتے ہوئے کہا کہ بابا جھنڈوں یا دوسرے سازو سامان کی رتی بھر پرواہ نہیں کرتے اور نہ انہیں شہرت کی کچھ پرواہ ہے۔ لوگ ان کے بھگت ہیں جنھوں نے اپنی محبت اور لگن کی وجہ سے یہ سارا سازو سامان وہاں جمع کر رکھا ہے۔ آخر اسے شرڈی چل کر بابا سے ملنے کے لیے تیار کر لیا گیا۔ جب اس نے شرڈی جاکر احاطے میں بابا کو دیکھا تو اس کا اندرون پگھل گیا اور اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ اس کا گلا رندھ گیا اور اس کے تمام شیطانی خیالات جاتے رہے۔ اسے اپنے گورو کا قول یاد آگیا کہ یہ ہمارا گھر یا آرام کرنے کی جگہ ہی ہوتی ہے جہاں من بہت خوش اور سحر زدہ ہوتا ہے۔ اس نے چاہا کہ وہ بابا کے قدموں کی خاک میں لوٹے۔ چناں چہ جب وہ بابا کے قریب

بعد جو لوگ ہاتھ دھونے باہر آئے تھے ان سے اس لڑکے نے کہا کہ بابا نے مجھے یہ چھڑی ہاتھ میں لے کر گلی گلی میں "ہری کا بیٹا جری کا پھنیٹا" کی پکار لگانے کے لیے بھیجا ہے۔ اور یہ بھی کہا ہے کہ جو شخص ان سینڈلوں کو اپنا کہہ کر حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اسے انھیں دینے سے پہلے اس بات کی تصدیق کر لینا کہ اس کا نام ہری ہے اور وہ کانوبا کا بیٹا ہے۔ اس کی تسمے والی پگڑی کا جہاں تک تعلق ہے وہ ممکن ہے کہ اور لوگوں کے ساتھ بابا نے بھی دیکھی ہو۔ لیکن جہاں تک اس کے نام اور ولدیت کا تعلق ہے وہ بابا کو کس طرح معلوم ہوئی کیوں کہ وہ شرڈی پہلی بار آیا تھا۔ وہ تو وہاں محض بابا کی آزمائش کرنے آیا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ اس کا وہاں آنے کا مقصد نہ تھا۔ اس واقعے سے اس کو معلوم ہو گیا کہ بابا ایک ست پرش تھے۔ جو وہ چاہتا تھا اسے مل گیا اور وہ خوشی سے گھر واپس لوٹا۔

سوم دیو سوامی

اب ایک دوسرے آدمی کی کہانی سنیئے۔ وہ بھی بابا کی آزمائش کے لیے آیا۔ کاکا صاحب دیکشت کا بھائی جس کو بھائی جی کہتے تھے ناگ پور میں رہتا تھا۔ 1906ء میں جب وہ ہمالیہ کی طرف گیا ہوا تھا تو ان کی جان پہچان اتر کاشی میں ہر دوار کے ایک شخص سوم دیو سوامی سے ہوئی۔ دونوں نے اپنی ڈائریوں میں ایک دوسرے کے نام لکھے۔ پانچ سال بعد سوم دیو سوامی ناگپور میں آکر بھائی جی کے مہمان ہوئے۔ وہاں بابا کی کرامت کے بارے میں سن کر ان کے دل میں شرڈی جانے کی خواہش پیدا ہوئی۔ انھوں نے ایک تعارفی خط بھائی جی سے حاصل کیا۔ اور شرڈی کے لیے روانہ ہو گیا۔ منماڈ اور کوپر گاؤں سے گذر کر اس نے شرڈی تک کے سفر کے لیے ٹانگا لیا۔ شرڈی کے قریب پہنچ کر اس نے مسجد پر دو جھنڈے لہراتے ہوئے دیکھے۔ عام طور پر صوفیوں اور سنتوں کے

ان کی شبیہ کا دھیان کریں اور اپنے دل میں ان کے لیے سچی محبت کو محسوس کریں اور انہی کے لیے سارے کام کریں سنسار کی جکڑ بندیوں کو ختم کرنے کا اس سے بہتر کوئی ذریعہ نہیں۔ اگر ہم اوپر بیان کیے گئے اپنے فرائض کو پورا کریں تو سائی ضرور ہماری مدد کرتے ہوئے ہمیں آزاد کریں گے۔ اب ہم اس باب کی کہانیوں کی طرف لوٹتے ہیں۔

ہری کانوبا

بمبئی کا ایک شخص تھا جس کا نام ہری کانوبا تھا۔ اسنے اپنے دوستوں سے بابا کی کرامات کے بارے میں سنا۔ شکی فطرت ہونے کی وجہ سے اسے ان پر یقین نہ آیا۔ اس نے سائی بابا کو آزمانا چاہا اور اس آزمائش کے لیے اس نے شرڈی کے سفر کا ارادہ کیا۔

چناں چہ وہ بمبئی سے اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ شرڈی آیا۔ وہ سر پر ایک تسمہ دار بارڈر والی پگڑی پہنے، پاؤں میں سینڈل پہنے ہوئے تھے۔ ایک فاصلے سے بابا کو دیکھ کر اس نے چاہا کہ وہ بابا کے پاس جا کر انھیں سلام کرے۔ اسے یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ اپنی نئی سینڈل کا کیا کرے۔ باہر ایک کونے میں جا کر انھیں وہاں رکھ دیا۔ اور خود مسجد میں جا کر بابا کے درشن کیے۔ اس نے بڑے ادب سے بابا کے سامنے سر جھکایا پرشاد حاصل کیا اور لوٹ آیا۔ جب وہ کونے میں پہنچا تو اس نے دیکھا کہ سینڈل غائب تھے۔ انہیں بہت تلاش کیا لیکن سب بے کار ثابت ہوا۔ چناں چہ بڑی مایوس کن حالت میں اپنی قیام گاہ پر لوٹ آیا۔

نہانے اور پوجا کر کے نوید لینے کے بعد وہ کھانا کھانے بیٹھ گیا لیکن اس سب کے دوران وہ صرف سینڈل کے بارے میں سوچتا رہا۔ کھانا ختم کرنے کے بعد ہاتھ دھونے کے لیے باہر نکلا تو اس نے ایک مراٹھا لڑکے کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی جس پر اس نے سینڈل کی جوڑی لٹکا رکھی تھی۔ کھانا کھانے کے

اکتالیسواں باب

[(1) ہری کانوبا(2) سوم دیو سوامی
(3) نانا صاحب(4) چندورکر کی کہانیاں]

ابتدائیہ

جب وید اور پران بھی برہم اور ست گورو کی پوری طرح حمد وثنا نہیں کر سکتے تو پھر ہم جو بے علم ہیں کس طرح ست گورو شری سائی بابا کو بیان کر سکتے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اس معاملے میں ہمارا خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ حقیقت میں خاموش رہنے کی قسم کی پابندی کرنا ہی گورو کی حمد وثنا کا بہترین طریقہ ہے۔ لیکن سائی بابا کی صفات ہمیں اپنے عہد کو بھول کر اپنا منہ کھولنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ اچھا ذائقہ رکھنے والی چیزیں بھی ہمیں پھیکی لگتی ہیں، جب کوئی دوست یا رشتہ دار ہمارے ساتھ مل کر کھانے میں شریک ہوتے ہیں تو کھانے کا ذائقہ بے حد بڑھ جاتا ہے۔ یہی حال سائی لیلا امرت کا ہے جو سائی کی کرامات کی شکل میں ظاہر ہوتی ہیں۔ یہ امرت ہم اکیلے نہیں پی سکتے۔ جس قدر زیادہ دوست اور بھائی اس میں شریک ہوں زیادہ بہتر ہے۔

ان کہانیوں کو تحقیق کر کے لکھنے کی تحریک بھی سائی بابا سے ہی ملتی ہے۔ وہ جس طرح سے چاہیں انھیں لکھواتے ہیں۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم پوری طرح خود کو ان کے لیے وقف کر دیں۔ اور انھیں کے بارے میں سوچیں۔ پرائسچت یا تلافی کرنا، یاترا، قربانی، قسم اور سخاوت سے کہیں بہتر ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہم سائی بابا کا نام منہ سے ادا کریں یا اس کا جاپ کریں ان کے اقوال کے بارے میں اپنے دل میں سوچیں۔

بیٹے کا نام مرلی دھر رکھا گیا۔ اس کے بعد دو اور بچے بھاسکر اور دنکر ان کے ہاں پیدا ہوئے سپٹینکر جوڑے نے یہ حقیقت پالی کہ بابا کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ کبھی غلط نہ ہوتے تھے اور کبھی پورے ہوئے بنانہ رہتے تھے۔ بلکہ حرف بہ حرف سچ ثابت ہوتے۔

متاثر ہوااور اس کا دل بھر آیا۔ اس نے بابا کے قدموں کو اپنے آنسوؤں سے تر کر دیا۔ اس کے بعد وہ اپنی جائے رہائش پر لوٹا۔

پھر وہ پوجا اور نوید کا انتظام کر کے اپنی بیوی کے ہمراہ مسجد میں پہنچا۔ وہ ہر روز یہ سب بابا کی خدمت میں پیش کرتا اور ان سے پرساد حاصل کرتا۔ وہاں مسجد میں ایک ہجوم ہوتا۔ سپٹینکر بار بار وہاں جا کر بابا کی آداب بجالاتا۔ ہجوم کے سر آپس میں ٹکراتے ہوئے دیکھ کر بابا نے سپٹینکر سے کہا: "تم بار بار سجدہ کرنے کے لیے کیوں آتے ہو، محبت اور انکساری سے کیا ہوا ایک سلام یا نمسکار بھی بہت ہوتا ہے۔ پھر اس رات سپٹینکر نے چاوڑی کا وہ جلوس بھی دیکھا جس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے اس جلوس میں بابا سچ مچ پانڈورنگ (وٹھل) کی مانند دکھائی دیتے۔ دوسرے دن وہاں سے روانہ ہونے سے پہلے سپٹینکر نے سوچا کہ وہ پہلے بابا کو دکشنا کے طور پر ایک روپیہ دے گا۔ اور اگر بابا نے اور مانگا تو انکار کرنے کی بجائے وہ ایک اور روپیہ ان کی خدمت میں پیش کرے گا تاکہ اس کے پاس سفر خرچ کے لیے بھی کافی روپیہ رہے۔ جب اس نے مسجد میں جا کر ایک روپیہ پیش کیا تو بابا نے اس کی نیت کے مطابق ایک روپیہ اور طلب کیا۔ اور جب اس نے وہ ادا کر دیا تو بابا نے دعا دیتے ہوئے اس سے کہا: ناریل کو اپنے ساتھ لے جا کر اسے اپنی بیوی کی ساری کی اوپر والی تہہ میں رکھ دو۔ اور بغیر کسی پریشانی کے چلے جاؤ۔ اس نے ایسا ہی کیا اور ایک سال کے اندر ان کے ہاں ایک بیٹا پیدا ہوا۔ جیسے وہ جب آٹھ مہینے کا ہوا ساتھ لے کے شرڈی آئے اور اسے بابا کے قدموں میں ڈالتے ہوئے اس طرح استدعا کی:۔ "او سائی ناتھ ہم نہیں جانتے کہ کس طرح آپ کے احسان کا بدلہ چکائیں۔ اس لیے ہم آپ کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ ہم غریب بے یار و مددگاروں کو دعا دیجیے۔ آج کے بعد اپنے قدموں کو ہماری واحد پناہ بننے دیجیے۔ ہمیں جاگتے اور سوتے ہوئے طرح طرح کے خیالات پریشان کرتے ہیں۔ ہمارے من کو ان سے ہٹا کر اپنے بھجنوں کی طرف لگائیے اور ہمیں دعا دیجیے۔"

انھوں نے کہا" میرے بازو میرے پیٹھ اور چھاتی میں عرصے سے درد ہو رہا ہے میں نے بہت سی دوائیں لیں لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ میں اب یہ دیکھ کر حیران ہوں کہ سارا درد یک لخت جاتا رہا ہے"۔ اگرچہ کوئی نام نہیں لیا گیا۔ لیکن یہ در حقیقت سپٹینکر کی کہانی تھی۔ جیسا کہ بابا نے بیان کیا اس کا سارا درد فوراً جاتا رہا۔ اور وہ خوش ہو گئی۔ پھر مسٹر سپٹینکر درشن کرنے کے لیے آگے بڑھا۔ ایک بار پھر اس کا استقبال "نکل جاؤ" کے الفاظ سے کیا گیا۔ اس بار وہ اور زیادہ شرمسار اور ثابت قدم تھا۔ اس نے سوچا کہ بابا کی ناخوشی کی وجہ میرے ماضی کے کرم ہیں"۔ اس لیے اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ اپنی اصلاح کریگا۔ اس نے تہیہ کیا کہ وہ بابا سے تنہائی میں مل کر معافی مانگے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے اپنا سر بابا کے قدموں پر رکھ دیا۔ اور بابا نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ سپٹینکر بابا کی ٹانگ کو دباتا رہا۔ اتنے میں ایک گڈرین آئی اس نے بابا کی چھاتی کی مالش کرنا شروع کی۔ بابا نے اپنے مخصوص انداز میں ایک بنئے کی کہانی سنانا شروع کی۔ انھوں نے اس کی زندگی کے نشیب و فراز کے ساتھ اس کے اکلوتے بیٹے کی موت کے بارے میں بتایا۔ سپٹینکر یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ بابا نے جو کہانی سنائی وہ اسی کی کہانی تھی۔ وہ سوچنے لگا کہ بابا کو یہ ساری تفصیلات کیسے معلوم ہوئیں۔ اس بات نے اسے ششدر کر دیا۔ اسے معلوم ہوا کہ بابا سب کچھ جانتے تھے اور انھیں ہر انسان کے دل کی خبر تھی۔ اس کے دل میں جب یہ خیال گزرا تو بابا نے اس گڈرین سے خطاب جاری رکھتے ہوئے سپٹینکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: یہ شخص اپنے بیٹے کی موت کا الزام مجھ پر دھرتا ہے؟ کیا میں لوگوں کے بچوں کو مارتا ہوں؟ یہ شخص مسجد میں آکر کیوں چلاتا ہے۔ اب میں وہی بچہ اس کی بیوی کی کوکھ میں لاؤں گا۔" یہ کہتے ہوئے بابا نے سکون و طمانیت عطا کرنے والا ہاتھ اس کے سر پر رکھ دیا۔ اور پھر گویا ہوئے "یہ پاؤں بوڑھے اور مقدس ہیں۔ تم اب بے فکر رہو مجھ میں پوری طرح بھروسہ رکھو تم جلد ہی اپنا مقصد حاصل کر لو گے"۔ یہ سن کر سپٹینکر بہت

ہاتھ جوڑ کر بابا کے سامنے بیٹھتے ہوئے دعا مانگنی شروع کی۔ بابا نے بالآخر سپٹنیکر کو حکم دیا کہ وہ فوراً یہاں سے چلا جائے۔ دونوں مایوس اور ناامید ہوئے۔ بابا کے حکم کی تعمیل کرنا چوں کہ ضروری تھا اس لیے سپٹنیکر بڑے بوجھل دل سے شرڈی سے روانہ ہوا۔ یہ دعا کرتے ہوئے اگلی بار اسے درشن کرنے کی اجازت ضرور مل جانی چاہیے۔

شریمتی سپٹنیکر

ایک سال گذر گیا لیکن اس کے دل کو اب بھی سکون حاصل نہیں تھا۔ وہ گنگاپور چلا گیا جہاں اس کی پریشانی بڑھ گئی۔ پھر وہ آرام کی خاطر ماڈھے گاؤں چلا گیا اور بالآخر اس نے کاشی جانے کا فیصلہ لیا۔ روانہ ہونے سے دو دن پہلے اس کی بیوی نے ایک خواب دیکھا وہ گھڑا اٹھائے لکڑشاہ کے کنویں کی طرف جا رہی ہے۔ ایک فقیر جو نیم کے پیڑ کے تنے سے ٹیک لگائے ہوئے بیٹھا تھا، اور جس نے سر پر کپڑا باندھ رکھا تھا، اس کے قریب آ کر یوں مخاطب ہوا، ”میری پیاری بیٹی کس لیے غیر ضروری محنت کر کے خود کو تھکا رہی ہو۔ لاؤ میں تمہارے گھڑے کو صاف پاک پانی سے بھر دیتا ہوں“۔ وہ فقیر کو دیکھ کر ڈر گئی اور خالی مٹکا لیے ہی واپس چلی گئی۔ فقیر نے اس کا پیچھا کیا عین اسی وقت اس نے بیدار ہو کر آنکھیں کھول دیں۔ اس نے یہ خواب اپنے خاوند کو سنایا۔ انھوں نے سوچا کہ یہ ایک نیک شگون تھا اس لیے وہ دونوں شرڈی کے لیے روانہ ہو گئے۔ جب وہ مسجد پہنچے بابا اس وقت وہاں نہیں تھے۔ وہ لہنڈی باغ گئے ہوئے تھے۔ انھوں نے واپسی تک انتظار کیا۔ وہ لڑکی یہ دیکھ کر حیران ہو گئی کہ خواب میں اس نے جس فقیر کو دیکھا تھا وہ بابا سے بہت ملتا جلتا تھا۔ وہ بڑے ادب واحترام سے ان کے سامنے جھکی اور پھر ان کے سامنے بیٹھ کر انھیں غور سے دیکھنے لگی۔ اس کی انکساری دیکھ کر بابا بہت خوش ہوئے اور وہ اپنے مخصوص انداز میں اور ایک تیسرے فرد کو مخاطب کر کے ایک کہانی سنانے لگے۔

میں بھی پاس ہو جاؤں گا۔ سپٹینکر کو اپنے دوست کے اعتماد پر ہنسی آ گئی۔ اس نے اسے اور بابا دونوں پر طنز کیا۔

سپٹنیکر کی کہانی

مسٹر سپٹینکر نے وکالت کا امتحان پاس کیا اور اکل کوٹ میں رہ کر وکالت کرنے لگا اس کے دس سال بعد یعنی 1913ء میں اس کا اکلوتا بیٹا گلے کی بیماری کی وجہ سے فوت ہو گیا۔ اس سے اس کا دل ٹوٹ گیا۔ پنڈھر پور گنگاپور اور دوسرے مقدس زیارت گاہوں کی یاترا کے ذریعے سکون تلاش کرنے لگا۔ لیکن ان سے اس کے من کو شانتی نہ ملی۔ پھر اس نے ویدانت کا مطالعہ کیا اس سے بھی کوئی مدد نہ ملی۔ اس دوران اس کو مسٹر شیوڈے اور سائی بابا میں اس کا اعتقاد یاد آیا۔ چناں چہ اس نے فیصلہ کیا کہ اسے بھی شرڈی جا کر بابا سے ملنا چاہیے۔ وہ اپنے چھوٹے بھائی پنڈت راؤ کے ساتھ شرڈی گیا۔ وہاں دور سے بابا کو دیکھ کر ہی اسے بڑی مسرت حاصل ہوئی۔ جب اس نے نزدیک جا کر بابا کو سجدہ کیا اور ان کے سامنے ناریل رکھا تو ایک دم بابا چیخ اٹھے "دور ہٹو"۔ سپٹینکر سر نیچے رکھتے ہوئے پیچھے ہٹ کر ایک طرف بیٹھ گیا۔ وہ کسی سے مشورہ کرنا چاہتا تھا کہ اب کیا کرے۔ کسی نے بالا شمپی کا نام بتایا۔ سپٹینکر نے اس سے مل کر مدد چاہی۔ انھوں نے بابا کے فوٹو خریدے اور ان کے ساتھ مسجد میں آئے۔ بالا شمپی نے ایک فوٹو لے کر بابا کے ہاتھ میں دیا اور ان سے پوچھا کہ وہ کس کا فوٹو تھا۔ بابا نے سپٹینکر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ فوٹو میرے یار کا ہے یہ کہہ کر بابا نے قہقہہ لگایا جس میں سب نے شمولیت کی۔ بالا نے قہقہے کی اہمیت کے بارے میں بابا سے دریافت کیا اور سپٹینکر کو آگے آ کر بابا کے درشن کرنے کا اشارہ کیا۔ جب سپٹینکر نے سجدہ کرنا شروع کیا تو بابا ایک بار پھر چلائے "باہر نکل جاؤ" سپٹینکر کو سمجھ نہ آیا کہ کیا کرے۔ پھر ان دونوں نے

حاصل نہیں ہوتی۔ چناں چہ جہاں اس کی سچی چاہت ہوتی ہے وہاں خدا خود کو ظاہر کرتا ہے۔ اس میں محبت شامل ہے اور یہی نجات کا ذریعہ ہے۔

آیئے اب ہم اس باب کی مرکزی کہانی کی طرف لوٹ چلیں۔ جو انسان سچے اور صاف دل سے (چاہے دھوکے سے) سچے سنت کے پاس جا کر اس کے پاؤں پکڑ لے اس کا بالآخر بچ جانا یقینی ہے۔ مندرجہ ذیل کہانیوں سے اس کا پتہ چلتا ہے:

شری شیوڈے کی کہانی

شولہ پور ضلع کے اکل کوٹ کے رہنے والے مسٹر سپٹ نیکر قانون پڑھ رہے تھے۔ ان کا ایک ہم جماعت مسٹر شیوڈے ان سے ملا۔ دوسرے ہم جماعتی بھی ایک دوسرے سے ملے۔ انھوں نے اپنے تیار کیے ہوئے نوٹس کا ایک دوسرے سے موازنہ کیا۔ آپس میں کیے سوال و جواب سے انھیں معلوم ہوا کہ ان میں شیوڈے نے سب سے کم تیاری کی تھی جس کی وجہ سے سب طلباء نے اس سے نفرت کرنا شروع کی۔ لیکن اس نے کہا اگر چہ وہ تیار نہیں تھا لیکن اسے پورا یقین تھا کہ وہ امتحان میں پاس ہو جائے گا، کیوں کہ سائی بابا اسے پاس کرنے کے لیے ساتھ تھے۔ مسٹر سپٹینکر ان الفاظ کو سن کر بہت حیران ہوا۔ اس نے شیواڈے کو ایک طرف لے جا کر اس سے پوچھا "یہ سائی بابا کون ہیں جن کی تم اس قدر تعریف کر رہے ہو"۔ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا "ضلع احمد نگر کے شرڈی گاؤں کی مسجد میں ایک فقیر رہتا ہے۔ وہ ایک بڑا ست پرش ہے۔ وہاں دوسرے سنت بھی ہوں گے پر یہ لاثانی ہے جب تک آدمی کے پاس بہت سی خصوصیات نہ ہوں وہ انھیں نہیں دیکھ سکتا۔ میں پوری طرح ان پر یقین رکھتا ہوں۔ اور وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ کبھی غلط نہیں ہوتا۔ انھوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اگلے سال یقیناً پاس ہو جاؤں گا۔ اور مجھے پورا بھروسہ ہے کہ میں ان کی مدد سے فائنل امتحان

اور شاگرد ادنیٰ یا چھوٹا ہے۔ وہ نہ صرف اس سے اپنے بیٹے کی طرح محبت کرتا ہے بلکہ اسے اپنے برابر سمجھتا ہے، برہم قرار دیتا ہے۔ ست گورو کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ امن کا گھر یا مسکن ہوتا ہے۔ وہ کبھی پریشان نہیں ہوتا۔ نہ گھبراتا ہے۔ اسے اپنے علم یا تعلیم پر غرور نہیں ہوتا۔ غریب اور امیر، ادنیٰ اور اعلا سبھی اس کے سامنے برابر ہوتے ہیں۔

ہیماڈ پنت کہتے ہیں کہ مجھے پچھلے جنموں کے اچھے کرموں کی وجہ سے سائی بابا سے ملنے اور ان کی نیک دعائیں حاصل کرنے کی سعادت حاصل ہوئی۔ بھری جوانی میں بھی بابا نے کبھی چلم کے سوائے اور کوئی چیز اپنے پاس جمع نہ کی۔ ان کے نہ بال بچے تھے نہ دوست نہ گھر نہ کوئی مددگار۔ اٹھارہ برس کی عمر سے انھیں اپنے من پر پورا اور غیر معمولی اختیار تھا۔ تب وہ بے خوف ایک تنہا جگہ پر رہتے تھے اور اپنی ذات میں محو رہتے تھے۔ اپنے بھگتوں کی پاک لگن کو دیکھتے ہوئے وہ ہمیشہ ان کی بھلائی کا خیال رکھتے۔ چناں چہ ایک طرح سے ان پر انحصار رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنی زندگی کے دوران اپنے بھگتوں کو جن تجربات سے روشناس کیا، انھیں ان لوگوں نے آج بھی ان کی سمادھی کے بعد محسوس کیا جو خود کو ان سے وابستہ کرتے ہیں۔ بھگتوں کو اپنے اعتقاد اور لگن سے دل کے لیمپ کی بتی کو کاٹ کے ٹھیک کرنا ہے اور اس میں محبت کی بتی کو جلانا ہے۔ اور جب یہ ہو جائے گا تو علم یعنی عرفانِ ذات کی لو زیادہ روشن جلنے لگے گی۔ محبت کے بغیر علم خشک ہے۔ ایسے علم کو کوئی نہیں چاہتا۔ محبت کے بغیر تسکین یا تشفی حاصل نہیں ہوتی۔ اس لیے ہمارے پاس بغیر انقطاع یا کسی حد کے بغیر محبت چاہیئے۔ ہم کس طرح محبت کی تعریف کر سکتے ہیں۔ اس کے سامنے ہر چیز معمولی اور بے معنی ہے۔ محبت کے بغیر ہمارا پڑھنا سننا یا مطالعہ کرنا بے سود ہے۔ محبت کے پیچھے، لگن، بے تعلقی امن اور آزادی اپنے تمام خزانوں سمیت دوڑے چلے آتے ہیں۔ محبت ہمیں ایسے ہی حاصل نہیں ہو جاتی۔ جب تک ہم اس کی ضرورت کو شدت سے محسوس نہیں کرتے وہ

چالیسواں باب

بھگتوں کے مصائب کو ٹالنا

شیوڈے اور سپٹنیکر کی کہانیاں

اس باب سے پہلے کسی نے ہیماڈ پنت سے پوچھا کہ سائی بابا گورو تھے یا ست گورو؟ اس سوال کا جوب دینے کے لیے ہیماڈ پنت ست گورو کی پہچان بیان کرتا ہے۔

ست گورو کی پہچان

وہ جو ہمیں وید، ویدانت یا شاستر پڑھاتا ہے وہ جو خود اپنے سانس کے عمل پر قابو رکھ کر جسمانی قواعد کی نمائش کرتا ہے یا برہم کے بارے میں ہماری من پسند گفتگو کرتا ہے جو بھگتوں یا پیروؤں کو منتر کا اپدیش دیتا ہے جسے خاص تعداد میں بار بار پڑھنے کی تلقین کرتا ہے انھیں مقررہ وقت میں نتائج حاصل ہو جانے کا یقین دلاتا ہے وہ جو ماہر بیانی سے انہیں ان کے آخری مقصد کا دیدار کراتا ہے۔ لیکن اسے خود کوئی تجربہ یا عرفانِ ذات حاصل نہیں ہوا ہے وہ ست گورو نہیں ہے۔ لیکن وہ جو اپنی گفتگو سے ہمارے دل میں دنیا کے لطائف سے نفرت پیدا کرتا ہے اور ہمیں عرفانِ ذات کے ذایقے سے روشناس کرتا ہے وہ جو عرفانِ ذات کے نظریاتی اور عملی دونوں طرح کے علم سے بہرہ ور ہے وہ ست گورو کہلانے کا مستحق ہے۔ وہ جو عرفانِ ذات سے خود عاری ہے وہ اپنے کسی شاگرد یا بھگت کو اس سے کیسے روشناس کرا سکتا ہے۔ ست گورو کبھی اپنے شاگرد یا بھگت سے کسی فائدے یا خدمت کی امید نہیں کرتا۔ اس کے برعکس وہ خود ان کی خدمت کرنا چاہتا ہے۔ وہ یہ نہیں سوچتا کہ وہ اعلا یا بڑا ہے

نے اس سے کہا کہ وہ اصل زر کو اپنے پاس رکھے اور سود کا آدھا روپیہ چین بسپا کو دے۔
ویر بھد رپا کو اس معاملہ سے کچھ لینا دینا نہ تھا ہم جب یہ باتیں کر رہے تھے تو ویر بھد رپا اور چین بسپا آپس میں لڑتے ہوئے وہاں پہنچے۔ میں نے ان کو اطمینان دلانے کی ہر ممکن کوشش کی اور گوری کے خواب کے بارے میں بھی ان کو بتایا۔ ویر بھد رپا آپے سے باہر ہو گیا۔ اور اس نے چین بسپا کو قتل کر کے ٹکڑے ٹکڑے کر دینے کی دھمکی دہ۔ آخر الذکر ڈر جانے والا تھا۔ اس لیے اس نے میرے پاؤں پکڑ کے اپنی حفاظت کی درخواست کی۔ میں نے اسے اس کے دشمن سے بچانے کا وعدہ کیا۔ کچھ وقت کے بعد ویر بھد رپا مر گیا اور اس نے سانپ کی صورت میں جنم لیا۔ چین بسپا نے مرنے کے بعد مینڈک کی صورت میں جنم لیا۔ چین بسپا کے ٹرانے کی آواز سن کر مجھے اپنا وعدہ یاد آیا۔ اور میں نے یہاں آکر اسے بچاتے ہوئے اپنا وعدہ پورا کیا۔ بھگوان خطرے کی صورت میں اپنے بھگتوں کی مدد کرنے کے لیے دوڑا آتا ہے۔ اس نے مجھے یہاں بھیج کر چین بسپا (مینڈک) کو بچایا۔ یہ ساری خدائی کرامات یا اس کا کھیل ہے۔

اخلاقی سبق:۔

اس کہانی سے ہمیں یہ سبق حاصل ہوتا ہے کہ انسان جو بوتا ہے وہ اسے کاٹنا پڑتا ہے۔ اور جب تک انسان اپنے کیے کی تلافی نہیں کر لیتا اور اپنے قرض کو چکا نہیں دیتا۔ اس کے بچاؤ کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ اور یہ بھی کہ روپے کا لالچ انسان کو گراوٹ کی نچلی سطح تک کھینچ لاتا ہے۔ بالآخر اس کے لیے اور دوسروں کے لیے تباہی کا سبب ہوتا ہے۔

بھاگ رہا تھا۔ اور اسے حاصل کرنے کے لیے مجھ سے مدد کرنے کے لیے کہتا رہتا۔ کیوں کہ وہ اب ایک شادی شدہ انسان تھا۔

بڑی عجیب وغریب باتیں ہوئیں۔ قیمتوں میں اضافہ ہوا۔ گوری کی خوش قسمتی کی وجہ سے زمین کی مانگ بہت بڑھ گئی۔ اور عطیے کے طور پر دی گئی زمین ایک لاکھ روپے (100 گنا قیمت پر) کی قیمت پر فروخت ہو گئی۔ آدھی قیمت نقد ادا کی گئی۔ باقی کی رقم 2000 روپے فی قسط کے حساب سے پچیس قسطوں میں ادا کرنا مقصود تھی۔ اس سودے پر سب نے اتفاق کیا۔ لیکن روپے کے معاملے میں سب نے جھگڑنا شروع کیا۔ وہ مشورے کے لیے میرے پاس آئے۔ میں نے انھیں بتایا کہ جائیداد خدا کی ہے اور وہ پجاری کی تحویل میں دی گئی ہے جس کی واحد وارث گوری ہے۔ اس لیے یہ پیسہ بھی اس کی مرضی کے بغیر خرچ نہیں ہونا چاہیے۔ اور اس کے خاوند کا اس جائیداد پر کوئی حق نہیں ہے۔ میری رائے سن کر ویر بھدر پا مجھ سے ناراض ہو کر کہنے لگا کہ میں گوری کے حق میں اس کی حمایت کر رہا ہوں کہ اس کی جائیداد ہڑپ کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے الفاظ سن کر میں نے خدا کو یاد کیا اور خاموش رہا۔ ویر بھدر پا نے اپنی بیوی سے گالی گلوچ کیا جس کی وجہ وہ دوپہر کے وقت میرے پاس آئی اور التجا کرتے ہوئے کہنے لگی کہ میں اس کے الفاظ کا برانہ مناؤں اور اس وجہ سے اس کو چھوڑ نہ دوں کیوں کہ وہ میری بیٹی ہے۔ اس نے چوں کہ میری حفاظت چاہی اس لیے میں نے اس سے عہد کیا کہ میں اس کی مدد کے لیے سات سمندر پار جاؤں گا۔ اس رات کو گوری نے ایک خواب دیکھا۔ مہادیو نے اس کے خواب میں نمودار ہو کر کہا سارا روپیہ تمہارا ہے۔ اس میں سے کسی کو کچھ نہ دو۔ اس میں کچھ روپیہ چین بسپا کے مشورے سے مندر کی تعمیر پر خرچ کرو اور اگر تم اس کو کسی اور مقصد کے لیے صرف کرنا چاہتی ہو تو مسجد میں جا کر بابا سے مشورہ کرو۔ گوری نے مجھے اپنے خواب کے بارے میں بتایا۔ اور میں نے اس سے مناسب مشورہ کیا میں

دینے کا فیصلہ کیا۔ اس کی کم قیمت لگاتے ہوئے زیورات کو ایک ہزار روپے میں خود خرید کر اس کے عوض میں بنجر زمین کا ایک ٹکڑا مندر کے نام کر دیا۔ بیوی نے اس بات کو مان لیا۔ یہ میدان یا زمین بھی اس کی اپنی نہیں تھی۔ یہ ایک غریب عورت جس کا نام دُبکی تھا کی ملکیت تھی۔ چناں چہ چالاک کنجوس نے سب کو دھوکہ دیا۔ یہ زمین بنجر، بے کاشت اور بے کار تھی جس سے اچھے موسم میں بھی کچھ حاصل نہ ہوتا تھا۔ چناں چہ یہ سودا ختم ہوا اور وہ زمین غریب پجاری کی تحویل میں دی گئی جو اس عطیے کو پا کر بہت خوش تھا۔ کچھ عرصہ بعد عجیب و غریب بات ہوئی۔ ایک شدید نوعیت کا طوفان باد و باراں نمودار ہوا۔ اس کنجوس کے گھر پر بجلی گری جس میں وہ اور اس کی بیوی دونوں مارے گئے دُبکی کی بھی موت ہو گئی۔

دوسرے جنم میں وہ کنجوس امیر متھرا کے ایک برہمن خاندان میں پیدا ہوا اور اس کا نام ویر بھدر رپا رکھا گیا۔ اس کی بیوی مندر کے پجاری کے ہاں بیٹی کے طور پر پیدا ہوئی اور اس کا نام گوری رکھا گیا۔ دُبکی جس نے زمین رہن رکھی تھی مرد کے روپ میں مندر کے ایک خدمت گار گورو کے ہاں پیدا ہوئی اور اس کا نام چین بسپا رکھا گیا۔ وہ پجاری میرا دوست تھا اور وہ اکثر میرے پاس آ کر گپ شپ کرتا اور تمباکو پیتا۔ اس کی بیٹی گوری بھی میری بھگت تھی۔ وہ بڑی جلدی جوان ہوتی جا رہی تھی اور اس کا باپ اس کے لیے ایک اچھے خاوند کی تلاش میں تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ وہ پریشان نہ ہو دولہا خود اسے تلاش کرتا ہوا آئے گا۔ تب ایک غریب نوجوان جس کا نام دیر بھدر رپا تھا اور انھیں کی ذات سے تعلق رکھتا تھا بھٹکتا اور بھیک مانگتا ہوا پجاری کے گھر پہنچا۔ میری مرضی کے مطابق گوری کی شادی اس نوجوان سے کرا دی گئی۔ اس نئی زندگی میں بھی وہ روپے کے پیچھے ہی بھاگ رہا تھا۔ پہلے وہ بھی میرا ہی بھگت تھا۔ کیوں کہ میں نے ہی اس کی شادی گوری سے کرائی تھی۔ اس نئی زندگی میں بھی وہ روپے کے پیچھے ہی

بھی خرچ نہ کیا۔ اس کی زبان بہت میٹھی تھی اور وہ کام کی دھیمی اور سست رفتاری کے بارے میں مناسب جواز گھڑنے میں بڑا ہوشیار تھا۔ لوگوں نے ایک بار پھر اس کے پاس جا کر کہا کہ جب تک وہ خود مدد نہیں کرے گا اور ہر طرح کی کوشش کرے گا، کام مکمل نہیں ہوگا۔ انھوں نے اس سے کوئی منصوبہ بنانے کی درخواست کی اور مزید چندہ جمع کر کے اسے بھیجا۔ اس نے اسے قبول کر لیا لیکن اسی طرح خاموش بیٹھا رہا، جس طرح پہلے سے خاموش بیٹھا تھا۔ کام میں بھی کوئی بہتری نہ ہوئی۔ کچھ دنوں کے بعد بھگوان "مہادیو" نے اس کی بیوی کے خواب میں نمودار ہو کر اس سے کہا "تم کھڑی ہو جاؤ اور مندر کا گنبد تعمیر کرو میں تم کو اس سے 100 گنا دوں گا جتنا تم خرچ کرو گی"۔ اس نے یہ خواب اپنے خاوند سے بیان کیا۔ وہ ڈر گیا کہ اسے اس کے لیے کچھ خرچ کرنا پڑے گا۔ اس نے اس بات کو یہ کہہ کر مذاق میں اُڑا دیا کہ یہ محض ایک خواب تھا جس پر نہ تو یقین کرنا چاہیے اور نہ عمل ورنہ بھگوان نے اس کے خواب میں نمودار ہو کر اس سے یہ بات کیوں نہ کی۔ کیا وہ اس (بیوی) سے دور تھا یہ ایک برا خواب لگتا ہے۔ جس کا مقصد اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان دراڑ پیدا کرنا ہے بیوی کو خاموش رہنا پڑا۔

خدا لوگوں کی مرضی کے خلاف ان سے لیے گئے بھاری عطیات کو پسند نہیں کرتا وہ ان چھوٹی چھوٹی رقومات کو زیادہ پسند کرتا ہے جو خوشی، محبت پوری لگن کے ساتھ دی جاتی ہیں۔ کچھ دن کے بعد بھگوان نے ایک بار پھر بیوی کے خواب میں نمودار ہو کر کہا: "تم اپنے خاوند کی اور اس کے پاس جمع رقومات کی پرواہ مت کرو۔ مندر کے لیے کچھ بھی خرچ کرنے کے لیے اس پر زور مت ڈالو۔ میں صرف احساس اور لگن چاہتا ہوں۔ اس لیے اگر تم چاہتی ہو تو اس میں سے کچھ بھی دے دو جو تمہارا اپنا ہے" اس نے اپنے خاوند سے مشورہ کیا اور بھگوان کو وہ زیورات دینے کا فیصلہ کیا جو اسے اس کے باپ کی طرف سے ملے تھے۔ کنجوس پریشان ہو گیا اور اس نے اس مد میں بھگوان کو بھی دھوکہ

دوبارہ چلم پینے کے بعد ہم وہاں گئے۔ وہ گھبرایا ہوا تھا اس لیے مجھے جانے سے منع کرنے لگا۔ کہیں سانپ ہم پر حملہ نہ کردے۔ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے میں نے آگے بڑھ کر ان کو یوں مخاطب کیا:-

"اودیر بھدرپا کیا تمہارے دشمن بسپا نے ابھی تک اپنے گناہوں پر اظہار افسوس نہیں کیا ہے۔ گو وہ اب مینڈک کے طور پر پیدا ہوا ہے اور تم بھی جواب سانپ کے طور پر پیدا ہوئے ہو اب بھی اس سے شدید دشمنی کا جذبہ رکھتے ہو۔ تمہیں شرم آنی چاہئے۔ اب اس دشمنی کو ختم کر کے امن سے رہو"۔

یہ الفاظ سن کے سانپ نے مینڈک کو چھوڑا۔ مینڈک نے دریا میں ڈبکی لگائی اور غائب ہو گیا۔ سانپ نے بھی چھلانگ لگائی اور جھاڑیوں میں چھپ گیا۔

مسافر بہت حیران تھا اس نے کہا کہ اسے سمجھ میں نہیں آتا کہ کس طرح سانپ نے مینڈک کو آزاد کر دیا اور خود غائب ہو گیا۔ یہ ویر بھدرپا کون تھا؟ اور بسپا بھی کون تھا؟ اور ان کی دشمنی کی کیا وجہ تھی۔ میں اس کے ساتھ پیڑ کے تنے کے پاس لوٹ آیا اور دو چار کش اور لینے کے بعد میں نے اس ساری کہانی کا راز اس پر اس طرح عیاں کیا:-

جہاں میں رہتا تھا وہاں سے کوئی چار پانچ میل دور ایک قدیم مقدس جگہ تھی، جس کی تقدیس کا باعث مہادیو کا ایک مندر تھا۔ مندر قدیم اور ٹوٹا ہوا تھا۔ وہاں رہنے والے لوگوں نے اس مندر کی مرمت کے لیے روپیہ جمع کیا۔ بہت سارو پیہ جمع ہونے کے بعد پوجا کے انتظامات کیے گئے اور مرمت کے تخمینہ جات بھی تیار کیے گئے۔ ایک مقامی امیر آدمی کو خزانچی مقرر کر کے مرمت کا کام اس کے سپرد کیا گیا۔ اسے روزانہ خرچے کا حساب کتاب رکھنے کے ساتھ ہی ساتھ ہر کام بڑی ایمانداری سے کرنا تھا۔ وہ ایک نمبر کا کنجوس تھا اور مرمت کے کام پر بہت کم خرچ کرتا جس سے کام کی رفتار بہت دھیمی تھی۔ اس نے سارا روپیہ خرچ کر دیا کچھ خود ہڑپ کر گیا اور اپنی جیب سے کچھ

سانپ اور مینڈک

"ایک صبح ناشتہ کرنے کے بعد میں چہل قدمی کرتے ہوئے ایک چھوٹے دریا کے کنارے پہنچ گیا چوں کہ میں تھکا ہوا تھا اس لیے میں نے وہاں بیٹھ کر اپنے ہاتھ پاؤں دھوئے، اشنان کیا جس سے میں تروتازہ محسوس کرنے لگا۔ وہاں ایک پگڈنڈی اور بیل گاڑی کا راستہ بھی تھا جس پر گھنے سایہ دار پیڑوں کا سایہ تھا۔ نسیم صبح بھی دھیرے دھیرے چل رہی تھی۔ جیسے ہی میں چلم پینے کی تیاری کر رہا تھا میں نے مینڈک کے ٹرانے کی آواز سنی۔ میں پتھر کو رگڑ کر آگ جلانے کی کوشش کر رہا تھا جب ایک مسافر وہاں پہنچ گیا۔ میرے قریب بیٹھ کر اس نے مجھے سلام کرتے ہوئے بڑے نرم لہجے میں اپنے گھر چل کر کھانا کھانے اور آرام کرنے کی دعوت دی۔ اس نے چلم جلا کر مجھے دی۔ مینڈک کے ٹرانے کی آواز پھر سنائی دی اور اس نے جاننا چاہا کہ یہ کیا ہے۔ میں نے اسے بتایا کہ ایک مینڈک مشکل میں تھا اور وہ اپنے کرم کا کڑوا پھل دیکھ رہا تھا۔ ہمیں اپنے پچھلے جنموں کا پھل بھوگنا ہی پڑتا ہے اور اس کے لیے چلانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ اس نے بھی چلم کا کش لیا ار پھر اسے میرے حوالے کرتے ہوئے بولا کہ میں خود جا کر اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نے اسے بتایا کہ مینڈک کو بڑے سانپ نے پکڑا ہوا ہے جس کی وجہ سے چلا رہا ہے۔ اپنے پچھلے جنموں میں یہ دونوں بہت بڑے اور خراب تھے اور اب ان اعمال کا پھل اپنے موجودہ جسموں کی صورت میں کاٹ رہے ہیں۔ اس نے جا کر خود دیکھا کہ ایک بڑے سانپ نے ایک بڑے مینڈک کو منہ میں پکڑ رکھا تھا۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ دس بارہ منٹ میں وہ سانپ اس مینڈک کو نگل جائے گا۔ میں نے کہا" نہیں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ میں اس کا باپ (محافظ) ہوں اور اب میں یہاں پہنچ گیا ہوں۔ میں سانپ کو کیسے نگلنے کی اجازت دے سکتا ہوں۔ کیا میں ایسے ہی آیا ہوں۔ دیکھتے رہو میں اسے کس طرح آزاد کراتا ہوں"۔

انتالیسواں باب

بابا کی یادداشت

[ویر بھدریپا کی کہانی اور چین بسپا (سانپ اور مینڈک]

پچھلے باب میں دو بکریوں سے متعلق بابا کی یادداشتوں کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے جن میں سے ایک کا تعلق ویر بھدرپا اور چین باسپا کی کہانی سے ہے۔

ابتدائیہ

سائی کی مورت بہت مقدس و مبارک ہے۔ اگر ہم اس پر ایک نظر ڈالیں تو پچھلے کئی جنموں کے دکھ ختم ہو جائیں گے۔ اور ہمیں انتہائی خوشی عطا کرے گی۔ اور اگر بابا ہمارے کرم کے مطابق ہم پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہماری کرم کی زنجیر یکدم ٹوٹ جاتی ہے جو ہمیں مسرت و شادمانی تک لے جاتی ہے۔ گنگا ان لوگوں کے گناہوں اور گندگی کو دھوڈالتی ہے جو اس میں اشنان کرنے کے لیے جاتے ہیں۔ لیکن وہ بڑی شدت سے یہ خواہش کرتی ہے کہ سنت اور صوفی اس کے پاس آئیں تاکہ ان کے قدموں کو چھو کر اس کے اندر جمع گندگی دور ہو جائے۔ وہ جانتی ہے کہ گناہوں کی یہ گندگی صرف کسی سنت یا صوفی کے مقدس قدموں سے ہی دور ہو سکتی ہے۔ سائی بابا سارے سنتوں اور صوفیوں کا سر تاج ہیں۔

کوششیں ناکام ہو گئیں۔ چناں چہ اس طرح وہ دونوں ایک دوسرے کے جانی دشمن بن گئے اور ایک دن موقع دیکھ کر بڑے نے چھوٹے کے سر پر ایک بڑی لاٹھی سے جان لیوا وار کیا جب کہ چھوٹے نے بھی بڑے کو کلہاڑی کا ایسا مہلک وار کیا کہ دونوں بے جان ہو کر زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ ان دونوں کے اعمال کی وجہ سے بکریوں کی شکل میں دوسرا جنم ملا۔ جیسے ہی وہ میرے قریب سے گزریں میں نے فوراً ان دونوں کو پہچان لیا۔ مجھے ان کی پچھلی کہانی یاد آ گئی۔ ان پر رحم کرنے کی وجہ سے میں نے انہیں کچھ کھلانا اور آرام و سکون پہنچانا چاہا۔ اسی لیے میں نے سارا روپیہ خرچ کیا جس کے لیے تم مجھے الزام دے رہے ہو۔ چوں کہ تم کو میرا سودا پسند نہیں آیا اس لیے میں نے انھیں گڈریے کو لوٹا دیا۔

دو بکریوں کی کہانی

بابا ایک بار لینڈی باغ سے لوٹ رہے تھے کہ انھوں نے بکریوں کا ایک جھنڈ دیکھا۔ ان میں سے دو نے ان کی توجہ کو اپنی طرف مبذول کرائی۔ انہوں نے اس کے پاس جا کر ان پر ہاتھ پھیرا اور انھیں تھپکا اور 32 روپے ادا کر کے انھیں خرید لیا۔ بابا کے اس برتاؤ پر بھگت بہت حیران تھے ان کا خیال تھا کہ بابا بیوقوف بن گئے ہیں کیوں کہ ان سے دو دو یا زیادہ سے زیادہ تین یا چار روپے فی بکری سے زیادہ ہاتھ آنے والے نہ تھے یعنی کل آٹھ روپے دونوں کے۔ انھوں نے اس کے لیے بابا سے باز پرس کرنا شروع کی لیکن بابا خاموش اور پر سکون رہے۔ شاما اور تاتیا کوتے نے بابا سے جوابدہی چاہی۔ بابا نے جواب دیا کہ "مجھے کسی کے لیے پیسا جمع کرنا ہے۔ میرا تو کوئی گھر ہے اور نہ ہی کنبہ جس کا خیال رکھنا ہے" انھوں نے انھیں چار سیر دال خرید کر بکریوں کو کھلانے کے لیے کہا۔ اس کے بعد بابا نے بکریاں مالک کو لوٹا دیں۔ اور بکریوں کے بارے میں حسبِ ذیل کہانی سنائی:-

"شاما اور تاتیا تم سمجھتے ہو کہ مجھے اس سودے میں دھوکہ دیا گیا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اب اس کہانی کو سنو۔ اپنے پہلے جنم میں یہ دونوں بکریاں انسان تھیں اور خوش قسمتی سے میرے ساتھیوں میں سے تھیں اور میرے پہلو میں بیٹھا کرتی تھیں۔ یہ دونوں بھائی تھیں اور ابتداء میں ایک دوسرے سے بہت محبت بھی کرتی تھیں لیکن پھر بعد میں یہ دونوں ایک دوسرے کی دشمن ہو گئیں بڑا بھائی بیکار تھا جب کہ چھوٹا بھائی بڑا ہوشیار تھا جس کی وجہ سے اس نے بہت سارو پیہ کمایا اول الذکر نے لالچی بن کر حسد کرنا شروع کیا اس نے چاہا کہ چھوٹے بھائی کو قتل کر کے اس کا سارا روپیہ ہتھیا لے۔ انھوں نے اپنے پدرانہ رشتوں کو فراموش کر کے ایک دوسرے سے لڑانا شروع کیا۔ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کو قتل کرنے کی بہت سی ترکیبیں آزمائیں لیکن اس کی ساری

کے گھر میں قیام کیا جو ایک وسیع اور کھلا ہوا اڈا تھا۔ شاما اس کو فراہم کی گئی جگہ سے بہت خوش تھا لیکن جس بات نے سب سے زیادہ مسرت حاصل کی وہ تھی بابا کی خوبصورت تصویر جو عمارت کی مرکزی اور سامنے والی جگہ پر نصب کی گئی تھی۔ اس تصویر کو دیکھ کر شاما پر شدید جذباتی کیفیت طاری ہو گئی۔ بابا کے یہ الفاظ یاد کر کے کاشی اور پریاگ کے بعد ہم شاما سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے"۔ اس کی آنکھوں سے آنسو روانہ ہو گئے۔ رونگٹے کھڑے ہونے کے ساتھ ہی ساتھ اس کی آواز بھی رندھ گئی اور اس نے رونا شروع کر دیا۔ گیاوالے نے سوچا کہ وہ وہاں پھیلی ہوئی طاعون کی وبا کی خبر کی وجہ سے رو رہا تھا۔ شاما نے اس سے پوچھا کہ اس نے بابا کی وہ تصویر کہاں سے حاصل کی تھی۔ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ میرے دو سو تین سو تک اشخاص من ماڑ اور پن تانبے میں کام کر رہے ہیں جو گیا آنے والے یاتریوں کے آرام و آسائش کا انتظام کرتے ہیں میں نے انھیں سے بابا کی شہرت کے بارے میں سنا ہے۔ پھر کوئی بارہ برس قبل میں شرڈی گیا اور بابا کے درشن کیے۔ وہاں شاما کے گھر میں لٹکی ہوئی بابا کی تصویر مجھے بہت اچھی لگی بابا کی اجازت سے شاما نے وہ مجھے دی۔ یہ وہی تصویر ہے۔ تب شاما کو یہ واقعہ یاد آگیا۔ گیاوالے کی خوشی کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ وہی شاما جس نے مجھ پر احسان کیا تھا آج اس کے ہاں مہمان تھا۔ دونوں ایک دوسرے کی محبت سے بہت خوش ہوئے۔ گیاوالے نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔ وہ بہت ہی امیر آدمی تھا۔ وہ خود ایک پالکی پر سوار ہوا اور شاما کو ہاتھی پر بٹھایا اور اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھا۔

اس کہانی سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ بابا کے الفاظ سچ ثابت ہوئے بابا اپنے بھگتوں سے لامحدود محبت کرتے تھے۔ اس کے ساتھ ہی وہ تمام جانداروں سے برابر کا پیار کرتے تھے۔ کیوں کہ انھیں محسوس ہوتا تھا کہ وہ بھی ان جیسے ہی ہیں۔ نیچے دی گئی کہانی اس کی وضاحت کرے گی۔

بیٹے باپو کو ناگپور میں جینو پہنانے کی رسم ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اسی زمانے میں ناناصاحب چندور کرنے بھی اپنے بڑے بیٹے کی شادی گوالیار میں کرنے کا فیصلہ کیا۔ دونوں یکشت اور چندور کرنے شرڈی آکر بابا کو بڑے پیار سے دونوں تقریبات میں شرکت کرنے کی دعوت دی۔ بابا نے انھیں شاما کو اپنے نمائندے کے طور پر لے جانے کے لیے کہا۔ جب ان پر خود آنے کے لیے زور ڈالا گیا تو انھوں نے کہا کہ وہ خود بنارس اور پریاگ سے ہوتے ہوئے ان سے پہلے وہاں پہنچ جائیں گے۔ اب ان الفاظ پر غور کیجئے یہ بابا کی ہر جگہ موجودگی کو ظاہر کرتے ہیں۔

بابا کی اجازت لینے کے بعد شامانے دونوں تقریبات میں شریک ہونے کے لیے ناگپور اور گوالیار کاشی، پریاگ اور گیا جانے کا فیصلہ کیا۔ وہ دونوں پہلے ناگپور جینو کی رسم کی ادائیگی کے لیے پہنچے۔ کاکا دیکشت نے سفر خرچ کے طور پر شاما کو 200 روپے دیے۔ پھر وہ شادی میں شرکت کے لیے گوالیار گئے۔ وہاں ناناصاحب چندور کرنے شاما کو 100 روپے اور ان کے رشتے دار مسٹر جٹھار نے بھی 100 روپے دیے۔ اس کے بعد شاما کاشی اور پھر ایودھیا گیا۔ کاشی (بنارس) میں جٹھار کے لکشمی نارائن مندر اور ایودھیا کے رام مندر میں ٹھہرے۔ شامااور کوٹے ایودھیا میں 21 دن اور کاشی بنارس میں دو ماہ تک مقیم رہے۔ اس کے بعد وہ گیا کے لیے روانہ ہوئے۔ گاڑی میں یہ سن کے کہ گیا میں طاعون کی بیماری پھیلی ہوئی ہے وہ کچھ پریشان ہوئے۔ رات کو گیا کے اسٹیشن پر اتر کر وہ ایک سرائے میں ٹھہرے۔ صبح گیاوالا (جو پنڈا وہاں سے یاتریوں کے ٹھہرنے اور کھانے پینے کا انتظام کرتا تھا) ان کے پاس آکر کہنے لگا: "یاتری یہاں سے چل چکے ہیں۔ بہتر ہے کہ آپ بھی جلدی کرو" شامانے یونہی اس سے دریافت کیا کہ کیا گیا میں طاعون کی وبا پھیلی ہے؟ گیاوالے نے نفی میں جواب دیتے ہوئے مزید کہا کہ مہربانی کر کے بغیر کسی خوف و پریشانی کے خود آکر دیکھ لیں۔ انھوں نے اس کے ساتھ جاکر اس

ہے اپنی قوت سے بچالیتے ہیں۔ اندرونی طور پر اور دکھائی نہ دیتے ہوئے آپ سارا کھیل کھیلتے ہیں لیکن بظاہر جیسے آپ کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ آپ ہی سب کچھ کرتے ہیں لیکن ظاہر کرتے ہیں کہ آپ کرنے والے نہیں ہیں۔ کوئی کبھی بھی آپ کی زندگی کے بارے میں سب کچھ نہیں جان سکتا۔ اس لیے ہمارے لیے سب سے بہتر راستہ یہ ہے کہ ہم اپنے تن، من اور زبان کو آپ کے قدموں پر نچھاور کردیں اور اپنے گناہوں کے ازالے کے لیے ہمیشہ آپ کے نام کا جاپ کرتے ہیں۔ آپ اپنے بھگتوں کی خواہشات پورا کرتے ہیں اور وہ جن کی کوئی خواہش نہیں ہے انھیں مسرت کامل عطا کرتے ہیں۔ آپ کے نام کا ورد کرنا بھگتوں کے لیے سب سے آسان ذریعہ ہے۔ اس سادھن سے ہمارے گناہ ختم ہو جائیں گے۔ حق کی خوبیاں اور صداقت کے عناصر فوقیت حاصل کریں گے اور ان کے پیچھے امتیاز کی قوت، بے تعلقی اور علم بھی ہمارے پاس کھنچا چلا آئے گا۔ تب ہم ذات جو ہمارا گورو بھی ہے کی ہدایات کے مطابق عمل کریں گے۔ یہی گورو کے تئیں مکمل سپردگی ہے۔ اس کا واحد ثبوت یہ ہے کہ ہمیں امن وسکون حاصل ہوتا ہے۔ یہ سپردگی اور علم لامثال چیز ہے کیوں کہ ان کے تعاقب میں امن، بے تعلقی، شہرت اور نجات دوڑی چلی آتی ہے۔ جب بابا کسی بھگت کو قبول کرتے ہیں تو وہ اس کا تعاقب کرتے ہوئے صبح وشام، گھر میں یا باہر اس کی مدد کرتے ہیں۔ بھگت اپنی خواہش کے مطابق جہاں چاہے جائے بابا اس سے پہلے ہی وہاں کسی ایسے بھیس میں پہنچ چکے ہوتے ہیں جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ حسبِ ذیل کہانی اس کو بیان کرتی ہے:

(گیا) کا دورہ

سائی بابا سے کاکا صاحب دیکشت کے تعارف کے کچھ عرصے بعد اس نے اپنے

اڑتیسواں باب

عناصروں اور موضوعات کی پرورش

[(1) بابا کا گیا کا دورہ (2) دو بکریوں کی کہانی]

اس باب میں شاما کے کاشی، پریاگ اور گیا کے دورے کا بیان دیا گیا ہے اور یہ بھی کہ کس طرح بابا اپنی تصویر کی شکل میں اس سے پہلے ہی وہاں پہنچ چکتے تھے۔ اس میں دو بکریوں کے پچھلے جنم سے متعلق بابا کی یاداشتوں کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

ابتدائیہ

مبارک ہیں، او سائی بابا آپ کے قدم، مبارک ہے آپ کی یادداشت اور مبارک ہیں آپ کے درشن جو ہمیں کرم کے بندھن سے آزاد کرتے ہیں۔ آپ اگرچہ اب ہمیں دکھائی نہیں دیتے پھر بھی اگر بھگت آپ پر یقین رکھتے ہوں تو انھیں آپ سے جیتے جاگتے تجربات حاصل ہو سکتے ہیں۔ آپ ایک مضبوط اور دکھائی نہ دینے والے دھاگے سے اپنے بھگتوں کو دور اور نزدیک سے اپنے قدموں میں کھینچ لاتے ہیں اور ایک مہربان ماں کی طرح انھیں اپنی چھاتی سے لگاتے ہیں۔ بھگت یہ نہیں جانتے کہ آپ کہاں ہیں لیکن آپ بڑی مہارت سے تار ہلا کر انھیں بالآخر یہ محسوس کراتے ہیں کہ آپ ان کی حمایت اور مدد کرنے کے لیے ان کی پشت پر موجود ہیں۔ ذہین عقلمند اور پڑھے لکھے اس سنسار کے جال میں اپنی انا کی وجہ سے پھنس جاتے ہیں لیکن آپ غریب، سادہ اور ایسے لوگوں کو جنھوں نے خود کو پوری طرح آپ کے لیے وقف کر دیا

جواب دیا" میں مہالا سپتی کو زمین پر چھوڑ کر خود جھولے پر سونا پسند نہیں کروں گا"۔اس پر کاکا صاحب نے پھر کہا:"میں ایک اور تخت مہالا سپتی کے لیے بھی فراہم کردوں گا"۔بابا نے کہا:وہ کس طرح تخت پر سو سکتا ہے کیوں کہ جھولتے تخت پر سونا آسان نہیں ہے۔صرف وہی آدمی ایسا کر سکتا ہے جس میں بہت سی خوبیاں ہوں وہ جو آنکھیں کھلی رکھ کر سو سکتا ہے وہی ایسا کر سکتا ہے۔جب میں سونے لگتا ہوں تو میں اکثر مہالا سپتی کو پاس بٹھا کر اس کو اپنا ہاتھ میرے دل پر رکھنے کے لیے کہتا ہوں تاکہ وہاں ورد کیے جارہے خدا کے نام کو سنتا رہے۔اس لیے میں کہتا ہوں کہ اگر وہ مجھے سوتے ہوئے پائے تو جگا دے۔مگر وہ تو یہ بھی نہیں کر سکتا۔جب وہ خود نیند محسوس کر کے اونگھنے لگتا ہے تو میں اس کا ہاتھ پتھر کی طرح بھاری محسوس کرتا ہوں۔میں چلا کر کہتا ہوں:"او بھگت"اس پر وہ جاگ کر اپنی آنکھیں کھولتا ہے۔ایسا شخص جو ٹھیک طرح سے زمین پر بیٹھ کر سو نہیں سکتا۔وہ کیسے ایک اونچے جھولتے ہوئے تخت پر سو سکتا ہے"۔دوسرے کئی موقعوں پر بیٹھ کر بابا نے اپنے بھگتوں سے محبت کی وجہ سے کہا"جو (اچھا یا برا) ہمارا ہے وہ ہمارے ساتھ ہے اور جو دوسرے کا ہے وہ اس کے ساتھ ہے"۔

ڈال دی گئی جن میں سے ایک پر "منظور کرو" اور دوسری پر "رد کرو" لکھا تھا۔ ایک بچے سے کہا گیا کہ ان میں سے ایک کو اٹھائے۔ بچے نے منظور کرو والی پرچی اٹھائی۔ چناں چہ دھوتی مادھو راؤ کو دے دی گئی جس کو اس نے قبول کر لیا۔ اس طرح آنند راؤ اور مادھو راؤ دونوں کو تسلی ہو گئی اور کاکا صاحب کی مشکل بھی حل ہو گئی۔

یہ کہانی اس بات پر زور دیتی ہے کہ ہمیں دوسرے سنتوں کے الفاظ کا بھی احترام کرنا چاہیے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ہمیں اپنی ماں یعنی گورو پر پورا یقین اور ان کی ہدایات پر عمل کرنا چاہیے کیوں کہ وہی سب سے بہتر جانتے ہیں کہ ہماری بھلائی کس میں ہے۔ اس لیے بابا کے الفاظ اپنے دل پر کندہ کر لیجیے۔ اس دنیا میں لاتعداد سنت ہیں لیکن ہمارے گورو ہی سچے والد ہیں دوسرے چاہے بہت سے اچھے الفاظ کہیں پر ہمیں اپنے گورو کے الفاظ کو نہیں بھولنا چاہیے۔ مختصراً یہ کہ اپنے گورو کو دل کی گہرائیوں سے پیار کیجیے۔ خود کو پوری طرح ان کے لیے وقف کر دیجیے اور بڑے ادب و احترام سے ان کے سامنے سر بسجود ہو جائیے۔ پھر آپ کو پتا چلے گا کہ آپ کو اس دنیا کا کوئی سمندر پار نہیں کرنا ہے جیسے سورج کے لیے کوئی اندھیرا نہیں ہوتا۔

لکڑی کا تخت بابا کا پلنگ نہ کہ بھگت کا

اپنے ابتدائی دنوں میں بابا لکڑی کے تخت پر سوتے تھے جس کی لمبائی 4 چار ہاتھ کے برابر اور چوڑائی ایک بالشت بھر، جس کے چاروں کونوں پر چار دیے روشن رہتے تھے۔ بعد میں انھوں نے اس تخت کے ٹکڑے کر کے اسے پھینک دیا (بحوالہ باب دس 10) ایک بار بابا اس تخت کی بڑائی اور اہمیت کاکا صاحب کو بتا رہے تھے جس کو سن کر آخرالذکر نے بابا سے کہا "اگر آپ اب بھی لکڑی کے تخت کو پسند کرتے ہیں تو میں ایک مسجد میں جھولے کی طرح لٹکا سکتا ہوں تاکہ آپ آرام سے سو سکیں۔" بابا نے

قدموں میں جھکنایاان کی پوجا کرنا خود کو وقف کرنے کے لیے کافی ہے اور یہی نجات کا راستہ ہے" سب لوگ کاکا صاحب اس خواب کے بیان کو سننے کے لیے بے تاب تھے۔
ان کی تجویز پر مسٹر پاکھاڑے نے اپنے خواب کو یوں بیان کرنا شروع کیا:۔

"میں ایک گہرے سمندر میں چھاتی تک پانی میں ڈوبا کھڑا تھا۔وہاں اچانک میں نے سائی بابا کو دیکھا۔ وہاں وہ ایک خوبصورت تخت پر جس میں ہیرے جواہرات جڑے ہوئے تھے پانی میں پاؤں لٹکائے بیٹھے تھے۔ میں بابا کو دیکھ کر بہت خوش ہوا۔ یہ خواب اتنا حقیقی تھا کہ مجھے یہ خیال ہی نہ رہا کہ یہ خواب ہے عجیب بات یہ ہے کہ مادھوراؤ بھی وہاں کھڑا تھا۔اس نے مجھے بڑے حساس انداز میں کہا" آنند راؤ بابا کے قدموں پر گر پڑو" میں نے جواب دیتے ہوئے کہا:۔

میں بھی یہی کرنا چاہتا ہوں لیکن ان کے پاؤں پانی میں ہیں، میں ان پر اپنا سر کیسے رکھ سکتا ہوں، میں مجبور ہوں" یہ سن کر اس نے بابا سے کہا:"اودیوا اپنے پاؤں پانی سے باہر نکالو" پھر بابا نے فوراً اپنے پاؤں پانی سے باہر نکال لیے۔ میں نے بغیر دیر کیے انھیں پکڑ لیا اور ان پر جھک گیا۔ یہ دیکھ کر بابا نے مجھے دعا دیتے ہوئے کہا: جاؤ اب تمہارا بھلا ہوگا اور اب ڈرنے یا پریشان ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے" انھوں نے مزید کہا"میرے شاما کو ایک ریشمی بارڈر والی دھوتی دینا اس سے تمہیں فائدہ ہوگا"۔

بابا کے حکم کی تعمیل میں مسٹر پاکھاڑے نے دھوتی لائی اور کاکا صاحب سے درخواست کی کہ وہ اسے مادھوراؤ کو دیں۔ لیکن آخر الذکر نے یہ کہہ کر کر لینے سے انکار کر دیا کہ جب تک بابا خود اسے قبول فرمانے کا اشارہ نہ کریں گے وہ اسے نہیں لے گا"۔ پھر کچھ بحث کے بعد کاکا صاحب نے پانسہ ڈالنے کا فیصلہ کیا۔کاکا صاحب کا یہ معمول تھا کہ وہ تمام مشکوک معاملات میں پانسے کی مدد سے فیصلہ کرتے تھے جو بھی نتیجہ سامنے آتا اس پر سختی سے عمل کرتے۔اس خاص معاملے میں دو پرچیاں بابا کی تصویر کے قدموں میں

جواب کتنے شاندار ہیں، لیکن انھیں عمل میں لانا بھی کتنا مشکل ہے۔ ناتھ تو مکمل انسان تھے لیکن ہم جیسے بے وقوفوں کے لیے کیا یہ ممکن ہے کہ خود کو اس حد تک وقف کر سکیں جس کی حدود انھوں نے متعین کی ہیں۔ ہم اسے کئی جنم پانے کے بعد بھی حاصل نہ کر سکیں گے تو پھر ہمیں کس طرح نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ہمارے لیے کوئی امید نہیں ہے۔ مادھوراؤ کو کاکا صاحب کا یہ قنوطی رویہ پسند نہ آیا۔ اس نے کہا: یہ بڑی قابل رحم بات ہے کہ جس شخص کو بابا جیسے لامثال گورو کی رشد و ہدایت نصیب ہوئی ہو وہ اس قدر تحقیر کی باتیں کرے۔ اگر تمھیں بابا میں پورا یقین ہے تو تم اس قدر پریشان کیوں ہو، ناتھوں کی بھگتی چاہے مضبوط اور قوی ہو پر کیا ہماری پیاری اور محبت بھری نہیں ہے۔ اور کیا بابا نے ہمیں پورے استناد کے ساتھ یہ نہیں کہا ہے کہ ہری اور گورو کو یاد کرنے اور ان کے بھجن گانے سے ہی مکتی ملتی ہے۔ پھر خوف اور پریشانی کی کہاں کوئی وجہ ہے؟ مادھوراؤ کی وضاحت سے کاکا کی تسلی نہ ہوئی۔ وہ سارا دن یہ سوچتے ہی رہے کہ کس طرح ناتھوں کی قوی بھگتی حاصل کرے۔ دوسری صبح حسبِ ذیل کرشمہ واقع ہوا:-

ایک آدمی جس کا نام آنند راؤ پاکھاڈے تھا مادھو کی تلاش میں آیا۔ اس وقت بھاگوت کا مطالعہ چل رہا تھا۔ مسٹر پاکھاڑے، مادھوراؤ کے قریب بیٹھ کر اس کے کان میں کچھ کہنے لگا۔ وہ اسے اپنے خواب کے بارے میں دھیمی آواز میں کچھ بتا رہا تھا۔ اس سے چونکہ بھاگوت کے مطالعے میں کچھ رکاوٹ پیدا ہوئی اس لیے اس نے اسے پڑھنا بند کر کے مادھوراؤ سے پوچھا۔

"کیا بات ہے؟"

آخر الذکر نے کہا: "کل تم نے ایک شک کا اظہار کیا تھا آج اس کا جواب یہ ہے کہ مسٹر پاکھاڈے کے خواب کے بیان کو سنو۔ اس بیان میں یہ بتایا گیا ہے کہ گورو کے

کاکا صاحب کا شبہ اور آنند راؤ کا خواب

یہ بات ہمیں معلوم ہے کہ سائی بابا نے کاکا صاحب دکشت کو روزانہ شری ایکنا تھ کی دو کتابیں پڑھنے کی ہدایت کی تھی۔ یہ دو کتابیں تھیں (1) بھاگوت اور (2) بھاوار تھ رامائن۔ بابا کی زندگی کے دوران کاکا صاحب یہ دونوں کتابیں روزانہ پڑھتے تھے۔ یہ سلسلہ انھوں نے باباؒ کے انتقال کے بعد بھی جاری رکھا۔ ایک بار چوپاٹی بمبئی واقعہ کاکا مہاجنی کے گھر میں ہوا۔ کاکا صاحب صبح کے وقت ایکنا تھی بھاگوت پڑھ رہے تھے۔ مادھو راؤ دیش پانڈے عرف شاما اور کاکا مہاجنی موقع پر موجود کتاب کے دوسرے باب کے گیارہویں سکندھ کو بڑی توجہ سے سن رہے تھے۔ اس حصے میں رشبھ کنبے کے نو ناتھ یا سدھوں کا ذکر تھا جن میں کوی، ہری، انتر کش پر بھدھ۔ پپلاین آور ہوتر، درومل، چمس اور کربھاجن شامل ہیں انہوں نے بھاگوت دھرم کے اصولوں سے راجا جنک کو روشناس کرایا تھا۔ آخرالذکر (راجا جنک) نے سارے نو ناتھوں سے اہم سوالات پوچھے اور ان میں سے ہر ایک نے ان کو تسلی بخش جواب دے دیا۔ پہلے ناتھ یعنی کوی نے وضاحت کی کہ بھاگوت دھرم کیا ہے۔ ہری نے بھگت کی خصوصیات بیان کیں۔ انتر کش، نرملا کیا ہے یہ بیان کیا۔ مایا کو کس طرح عبور کیا جا سکتا ہے اس کا جواب پر بھدھ نے دیا۔ پر برہم کیا ہے اس کی وضاحت پپلاین نے کی۔ آور ہوتر نے کرم کیا ہے اس کا جواب دیا۔ بھگوان کے اوتار لینے اور اس کے نیک اعمال کا ذکر درومل نے کیا۔ جو ناخدا ہے اس پر موت کے بعد کیا بیتتی ہے اس کا ذکر چمس نے کیا۔ مختلف زمانوں میں خدا کی عبادت کے مختلف طریقوں کے بارے میں کربھاجن نے بتایا۔ ان سب جوابات کا لب لباب یہ تھا کہ اس کل یگ میں نجات کا واحد ذریعہ ہری کی یاد یا گورو کے قدم ہیں۔ کتاب کو پڑھنے کا سلسلہ جب ختم ہوا تو کاکا صاحب مایوس لہجے میں مادھو راؤ اور دوسروں سے یوں گویا ہوئے: بھگتی یا لگن کے موضوع پر نو ناتھوں کے سوال د

والا نہیں ہے۔ اگر پوجا یا گیان دھیان کا کوئی کام کرنا ہے تو اسے پورے من اور روح سے کرنا چاہیئے۔

ایک عورت جو محبت اپنے خاوند سے کرتی ہے اس کا کبھی کبھی اس محبت سے تقابل کیا جاتا ہے جو بھگت اپنے گورو سے کرتا ہے۔ اس کے باوجود اول الذکر ثانی الذکر سے بہت چھوٹی اور کمتر ثابت ہوتی ہے جس سے اس کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ ماں باپ، بھائی بہن یا رشتے دار کوئی بھی ہمیں زندگی کے مقصد کو حاصل کرنے میں مدد نہیں دیتا۔ ہمیں عرفانِ ذات کی راہ کو خود متعین کر کے یاد کرنا پڑتا ہے۔ ہمیں اصل اور نقل میں فرق کرنے کے ساتھ ساتھ اس دنیا کی خوشیوں اور دوسری اشیاء کو ترک کرنا پڑتا ہے اور اپنے حواس اور من کو قابو میں رکھنے کے ساتھ ہی صرف نجات کی خواہش کرنی پڑتی ہے۔ دوسروں پر دار و مدار رکھنے کی بجائے ہمیں خود پر پورا اعتماد کرنا پڑتا ہے۔ جب ہم امتیاز کرنے لگتے ہیں تو ہمیں پتہ چلتا ہے کہ یہ دنیا عارضی اور غیر حقیقی ہے تو دنیاوی چیزوں کے لیے ہماری چاہت کم ہونے لگتی ہے جو بالآخر ان سے بے تعلقی اور دوری کا باعث ہوتا ہے۔ جب ہم کو معلوم ہوتا ہے کہ برہم گورو کے سوائے اور کوئی نہیں ہے اور وہی واحد حقیقت ہے اور وہی ساری کائینات کو محیط اور گھیرے ہوئے ہے تو ہم اس کو ہر جاندار میں پا کر اس کی پوجا کرنے لگتے ہیں۔ یہی واحد بھجن یا پوجا ہے۔ جب ہم اس طرح برہم یا گورو کی پورے دل سے پوجا کرتے ہیں تو ہم اس سے مل کر ایک ہوتے ہوئے عرفانِ ذات تک پہنچتے ہیں۔ مختصراً یہ کہ گورو کا نام ہر وقت لینے یا اس کے بارے میں دھیان لگانے سے ہر وقت اس کے درشن کرنے کے قابل ہو جاتے ہیں جس سے ہمیں دائمی راحت مسرت حاصل ہوتی ہے۔ حسبِ ذیل کہانی اس کی وضاحت کرے گی:-

سینتیسواں باب

بابا کی نظر آشکارا اور نمودار

[کاکا صاحب کا شبہ اور آنند راؤ کا خواب ،
لکڑی کا تختہ ، بابا کا پلنگ نہ کہ بھگت کا۔]

ابتدائیہ

ہم نے پچھلے ابواب میں بابا کی رحلت کے بارے میں بیان کیا ہے۔ ان کا جسمانی روپ بے شک ہماری نظروں سے اوجھل ہو گیا ہے لیکن بابا کا لامحدود اور روحانی وجود ہمیشہ زندہ ہے۔ ان کی زندگی کے دوران جو لیلائیں اور کرشمے واقع ہوئے ان کے بارے میں اس وقت تک تفصیل سے لکھا گیا ہے جب ان کا انتقال ہوا۔ اور بھی لیلائیں واقع ہوتی ہیں اور ہو رہی ہیں۔ اس سے صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ بابا اب بھی زندہ ہیں اور پہلے کی طرح اپنے بھگتوں کی مدد کر رہے ہیں۔ وہ لوگ جو بابا کی زندگی کے دوران ان سے ملے وہ یقیناً بہت خوش نصیب تھے لیکن ایسے لوگ بھی ہیں جن کو اس دنیا کی خوشیوں کا حصہ منصفانہ طور پر نہ حاصل ہو سکا اور ان کے من کی عظمت کو تسلیم کرنے سے قاصر رہے تھے تو یہ ان کی بد قسمتی تھی۔ چناں چہ جس چیز کی اس وقت ضرورت تھی اور اب بھی ہے وہ پوری طرح بابا کے لیے خود کو وقف کرنا ہے۔ ہمارے سارے حواس اجزاء اور من سب کو مل کر بابا کی خدمت اور پوجا کرنی چاہیے۔ کچھ اجزا سے پجاری کا کام لینے اور کچھ کو دوسری طرف لگانے سے کوئی فائدہ ہونے

چناں چہ ہیماڈ پنت قارئین کو سلام کرتے ہوئے ان سے بڑی انکساری اور پیار سے درخواست کرتا ہے کہ وہ تمام دیوتاؤں کا احترام کرنے کے ساتھ ساتھ ان سے محبت کریں۔ کیا بابا نے ہمیشہ یہ نہیں کہا ہے:-

"جو دوسروں کی نکتہ چینی اور ان پر خواہ مخواہ کا اعتراض کرتا ہے وہ میرے دل کو چھید کر مجھے زخمی کرتا ہے لیکن وہ جو دکھ اٹھاتا اور برداشت کرتا ہے مجھے سب سے زیادہ خوش کرتا ہے" چناں چہ بابا سب جانداروں اور انسانوں میں رہتا ہے اور سب اطراف سے ان کا محاصرہ کیے رہتا ہے۔ اُسے کچھ نہیں چاہتے سوائے سب سے محبت کرنے کے۔ ایسا امرت، پاک، سعید، آب حیات ہمیشہ بابا کے ہونٹوں پر رہتا ہے۔ آخر میں کہتا ہے کہ جو محبت سے بابا کی شہرت کے گیت گاتے ہیں اور وہ جو ان گیتوں کو پوری توجہ سے سنتے ہیں دونوں سائی سے مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔

باباکی امرت جیسی وانی

دیالو اور مہربان بابا نے کئی بار مسجد میں اس طرح کے لطیف الفاظ میں گفتگو کرتے ہوئے کہا:-

جو مجھ سے سب سے زیادہ پیار کرتا ہے اس کو میرا جلوہ دیکھنا نصیب ہوتا ہے۔ اس کے لیے میرے بغیر ساری دنیا ویران ہوتی ہے۔ جو صرف میری کہانیاں بیان کرتا ہے لگاتار میرے بارے میں ہی سوچتا ہے اور ہمیشہ میرا نام جپتا ہے جو پوری طرح خود کو میرے لیے وقف کر دیتا ہے اور مجھے ہمیشہ یاد رکھتا ہے ، میں اس کا احسان مند ہوتا ہوں۔ میں اس کو نجات عطا کر کے اس کے احسان کا بدلہ چکاتا ہوں۔ وہ جو پہلے مجھے بھینٹ چڑھائے بغیر خود کچھ نہیں کھاتا اور میرے ہی بارے میں سوچتا اور فاقے کرتا ہے میں اور میرا دارومدار اسی پر ہے۔ جو بھی کوئی اس طرح مجھ تک رسائی حاصل کرتا ہے وہ مجھ سے اسی طرح ایک ہو جاتا ہے جس طرح دریا سمندر سے مل کر اس میں خود کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی طرح غرور اور انا کو ترک کر کے تمہیں پوری طرح خود کو میرے لیے وقف کر دینا چاہئے جو تمہارے دل میں بسا ہوا ہے۔

یہ 'میں' کون ہے؟

بابا نے کئی بار اس کے بارے میں بتایا کہ یہ 'میں' کون ہے؟ ان کا کہنا تھا "تمہیں میری تلاش میں کہیں دور یا نزدیک جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تمہارے نام اور ساخت یعنی شکل و صورت سے قطع نظر، تم میں اور سب جانداروں میں وجود کا شعور موجود ہے یہی میں ہوں۔ یہ جانتے ہوئے تم مجھے اپنے اندر اور جاندار میں دیکھتے ہو۔ اگر تم اس پر عمل کرو گے تو تمہیں ہر شے میں نفوذ پذیری کی قوت حاصل ہو گی اور تم میرے وجود کا حصہ بن کر مجھ سے ایک ہو جاؤ گے"۔

باپو صاحب جوگ کا سنیاس

ہیماڈ پنت اس باب کو جوگ کے سنیاس اختیار کرنے کے واقعے پر ختم کرتا ہے۔ سکھا ہری عرف باپو صاحب جوگ پونا کے رہنے والے مشہور وار کری وشنو بوا جوگ کے ماموں تھے۔ اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ سرکاری نوکری سے سبکدوش ہونے پر (وہ محکمہ پی، ڈبلو ڈی میں سپر وائزر تھے) 1909ء میں وہ اپنی بیوی سمیت شرڈی آکر رہنے لگے۔ میاں بیوی دونوں بابا سے بہت پیار کرتے تھے اور وہ سارا وقت بابا کی پوجا اور خدمت کرنے میں صرف کرتے۔ میگھا کے انتقال کے بعد جب تک بابا زندہ رہے باپو صاحب ہر روز مسجد اور چاوڑی دونوں جگہوں پر آرتی کی رسم ادا کرتے رہے۔ اس کے ذمے یہ کام بھی تھا کہ وہ ساٹھے کے واڑا میں گیانیشوری اور ایکناتھی بھاگوت سامعین کو پڑھ کر سناتے اور اس کی تفسیر بھی پیش کرتے۔ سالوں تک یہ خدمت انجام دینے کے بعد ایک بار انھوں نے بابا سے پوچھا: "میں نے آپ کی اتنے سال تک خدمت کی ہے لیکن میرا من اب بھی شانت اور پر سکون نہیں ہے۔ کیا وجہ ہے کہ سنتوں سے روابط ہونے کے باوجود میری حالت بہتر نہیں ہوئی ہے۔ آپ کب مجھ پر نظر عنایت کریں گے"۔ بھگت کی استدعا سن کر بابا یوں گویا ہوئے "تمہارے برے اعمال کا اثر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ختم ہو گا۔ تمہاری کمزوریاں اور مضبوطیاں جل کر راکھ ہو جائیں گی۔ اور میں تمہیں اس وقت نجات یافتہ تصور کروں گا جب تم سارے دنیاوی رشتوں اور تعلقات کو ترک کر دو گے، ہوس اور ذائقے کے احساس پر فتح پالو گے اور ساری دقتوں یا رکاوٹوں کو دور کر کے پوری دل جمعی کے ساتھ خدا کی خدمت کرتے ہوئے سنیاس اختیار کرو گے"۔ کچھ وقت کے بعد بابا کے الفاظ سچ ثابت ہوئے۔ اس کی بیوی کا انتقال ہو گیا اور چوں کہ اسے کسی اور شے سے کوئی وابستگی نہ تھی اس نے آزاد ہو کر موت سے پہلے سنیاس اختیار کر لیا اور اس طرح اپنی زندگی کا مقصد حاصل کر لیا۔

رہے اور اس کے بعد انھوں نے اسے ترک کر دیا یا وہ اس کے اندر ایک ابدی وجود کی صورت میں مقیم تھے۔ پانچ عناصر سے بنا ہوا جسم ختم ہونے والا اور عارضی ہے لیکن اس کے اندر جو وجود یا ذات ہے وہ ابدی حقیقت ہے جو لافانی اور مستقل یا ہمیشہ رہنے والی ہے۔ یہ مقدس وجود، شعور یا برہم، حاکم ہے اور اس کائینات کی کوئی شے اس کے بغیر نہیں ہے۔ اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لیے انھوں نے جسم اختیار کیا اور وہ پورا ہونے کے بعد انھوں نے پھینک دیا اور محدود وجود کی جگہ لا محدود وجود اختیار کیا۔ سائی ہمیشہ کے لیے زندہ ہے جس طرح بھگوان دتاتریہ، گنگاپور کے شری نرسمہا سرسوتی زندہ ہیں۔ ان کا رحلت فرمانا محض خارجی پہلو ہے لیکن حقیقت میں وہ سب جاندار اور بے جان اشیاء میں موجود ہیں اور ان کے باطنی حاکم اور کنٹرولر ہیں۔ یہ درست ہے آج بھی اس کا تجربہ ان لوگوں کو حاصل ہو رہا ہے جو خود کو پوری طرح ان کے لیے وقف کر دیتے ہیں اور پوری دل جمعی سے ان کی پوجا کرتے ہیں۔

بابا کو اب یا بعد میں دیکھنا ہمارے لیے اگرچہ ممکن نہیں ہے پھر بھی اگر ہم شرڈی جائیں تو وہاں ہم بابا کی خوبصورت اور قدِ آدم تصویر مسجد میں لگی ہوئی دیکھیں گے۔ یہ تصویر بابا کے بھگت اور مشہور فن کار شامارا ؤجے کرنے بنائی ہے۔ خیال پرست اور پوری طرح بابا کے تئیں وقف بھگت کو یہ تصویر آج بھی اسی طرح تسکین پہنچا سکتی ہے جس طرح بابا کو دیکھنے سے انھیں ملتی تھی۔ اب بابا کا اگرچہ جسم نہیں ہے پھر بھی وہ وہاں اور ہر جگہ بستے ہیں اور اپنے بھگتوں کی بہتری کا اب بھی وہ اسی طرح خیال رکھتے ہیں جیسے زندگی کے دوران رکھتے تھے۔ بابا جیسے سنت یا صوفی کبھی نہیں مرتے۔ اگرچہ وہ انسانوں کی طرح نظر آتے ہیں لیکن حقیقت میں خود بھگوان ہوتے ہیں۔

انسانوں میں رونما ہوتے ہیں اور ان سے ملتے اور ان کے درمیان رہتے ہیں تو وہ انھیں کی طرح عمل کرتے ہیں یعنی بظاہر وہ دوسروں کی طرح ہنستے کھیلتے اور روتے دھوتے ہیں لیکن باطن میں وہ اپنے مقاصد کے تئیں پوری طرح بیدار ہوتے ہیں۔

72 گھنٹے کی سمادھی

اس سے بتیس سال پہلے یعنی 1886ء میں بابا نے ایک بار اس دنیا کی سرحد کو پار کرنے کی کوشش کی۔ پورے چاند کی ایک رات کو بابا پر استھما کا شدید حملہ ہوا۔ اس سے نجات حاصل کرنے کے لیے بابا نے اپنی روح کو اوپر لے جا کر سمادھی اختیار کرنے کا فیصلہ کیا۔ انھوں نے بھگت مہالا سپتی سے کہا:

"تین دن تک میرے جسم کی حفاظت کرو۔ اگر میں واپس آگیا تو ٹھیک ہے ورنہ میرے جسم کو سامنے کی کھلی (جگہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) دفن کر دینا اور نشان کے طور پر میرے پر دو جھنڈے گاڑ دینا"۔ یہ کہنے کے بعد بابا تقریباً دس بجے رات نیچے گر پڑے۔ ان کی سانس اور نبض دونوں نے چلنا بند کر دیا اور ایسا نظر آنے لگا جیسے ان کی روح پرواز کر گئی ہو۔ سبھی لوگ معہ گاؤں میں رہنے والوں کے وہاں جمع ہو گئے اور انھوں نے موت کی تفتیش کرا کے بابا کی میت کو بابا کی بتائی ہوئی جگہ پر دفن کرنے کی خواہش کا اظہار کیا۔ لیکن مہالا سپتی نے ایسا کرنے نہیں دیا۔ بابا کے جسم کو گود میں لے کر وہ پورے تین دن اس کی حفاظت کرتا رہا۔ تین دن گزرنے کے بعد 3 بجے صبح بابا میں زندگی کے آثار پھر نمودار ہونے لگے۔ سانس شروع ہو گیا اور پیٹ ہلنے لگا۔ ان کی آنکھیں کھل گئیں اور جماہی لیتے ہوئے اپنے اعضاء کو پھیلا کر وہ پھر پوری طرح بیدار ہو گئے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے بیانات سے آیئے ہم قارئین کو یہ طے کرنے دیں کہ آیا بابا جو ساڑھے تین ہاتھ کے برابر جسم رکھتے تھے جس میں وہ کچھ وقت تک بستے

سی نے جو بابا کے بڑے بھگت تھے ادا کیں۔

یہاں اس بات کو نوٹ کیا جائے کہ بابا کا جسد خاکی بقول پروفیسر نر کے 36 گھنٹے تک باہر رہنے کے باوجود اکڑن کا شکار نہیں ہوا۔ اس میں ویسی ہی لچک باقی تھی جو زندہ ہوتے ہوئے جسم میں ہوتی ہے جس کی وجہ سے ان کی کفنی کو بغیر پھاڑے آسانی سے اتارا جاسکا)۔

اینٹ کا ٹوٹ جانا

بابا کی رحلت سے چند دن پہلے بدشگونی کی ایک نشانی ظاہر ہوئی، جو کسی واقعے کے ہونے کے بارے میں پیشن گوئی کر رہی تھی۔ مسجد میں ایک پرانی اینٹ تھی جس پر ہاتھ رکھ کر بابا وہاں بیٹھتے تھے۔ رات کے وقت وہ اس پر جھک کر آسن کرتے۔ ایسا کئی برس تک ہوتا رہا۔ ایک دن بابا کی غیر موجودگی میں ایک لڑکے نے وہاں کی صفائی کرتے ہوئے اسے اپنے ہاتھوں سے اٹھایا لیکن وہ پھسل کر زمین پر آرہی اور دو ٹکڑے ہو گئی۔ جب بابا کو اس کے بارے میں معلوم ہوا تو انھوں نے اس کے نقصان پر افسوس کرتے ہوئے یوں کہا:

"یہ صرف اینٹ نہیں ہے بلکہ میری تقدیر ہے جو ٹکڑے ٹکڑے ہو گئی ہے۔ یہ میری زندگی بھر کی ہمدم تھی۔ اس سے میں ہمیشہ وجود کے بارے میں غور و خوض کرتا رہا۔ یہ مجھے اپنی زندگی کی طرح عزیز تھی۔ آج اس نے میرا ساتھ چھوڑ دیا ہے"۔ یہاں کوئی یہ سوال اٹھا سکتا ہے "بابا اس طرح اپنے غم کا اظہار کیوں کریں، خصوصاً اینٹ جیسی بے جاں چیز کے لیے"

اس کے جواب میں ہیماڈ پنت کہتا ہے کہ سنت یا ولی اس دنیا میں غریب اور بے یار و مددگار لوگوں کو بچانے کے مقصد سے اوتار لیتے ہیں۔ جب وہ جسم کی صورت میں

باباکی روح کا عکس سمادھی مندر کے آس پاس

سمادھی مندر کی بنیاد بابا نے شریمان باپو صاحب پھاٹے کی نگرانی میں خود رکھی تھی۔ شریمان پھاٹے نے دراصل اس میں مرلی دھر کی مورتی رکھنے کے لیے اسے تعمیر کیا تھا۔ لیکن جب بابا نے خود ہی مرلی دھر کا روپ دکھایا تو پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسے بابا کا سمادھی مندر بنادیا جائے اس مندر کی مرمت بعد میں سکندر حیات کاریگر نے انجام دی۔

ہوئے کہنے لگے: "جلدی اٹھ جاؤ باپو صاحب کا خیال ہے کہ میں مر گیا ہوں اس لیے وہ نہیں آئے گا، تم پوجا اور صبح کی آرتی کی رسومات ادا کرو۔" لکشمن ماما گاؤں کا جوتشی تھا اور شاما کا ماما بھی۔ وہ صبح اٹھ کر پہلے سائی بابا کی پوجا کرتا پھر گاؤں کے دوسرے دیوی دیوتاؤں کی۔ اسے بابا میں پورا یقین تھا۔ چناں چہ خواب کے بعد وہ پوجا کا سارا ساز و سامان لے کر آیا اور مولویوں کے احتجاجات کی پرواہ کیے بغیر پوجا آرتی دونوں کی رسمیں پورے لوازم کے ساتھ ادا کرنے کے بعد چلا گیا۔ دوپہر کے وقت باپو صاحب جوگ آیا اور اس نے دوپہر کی آرتی کی رسم معمول کے مطابق ادا کی۔ بابا کے الفاظ کا پورا پورا احترام کرتے ہوئے ان کے جسد خاکی کو واڑا میں رکھنے کے لیے وہاں کی درمیانی جگہ کو کھودنا شروع کیا گیا۔ منگلوار کی شام کو راہتا سے سب انسپکٹر اور دوسری جگہوں سے دوسرے لوگ آئے اور ان سب نے متعلقہ تجویز کو منظور کر لیا۔ دوسرے دن بمبئی سے امیر بھائی اور کوپر گاؤں سے معاملت دار پہنچے۔ لوگ اپنی رائے کے اعتبار سے منقسم لگتے تھے۔ کچھ لوگ بابا کے جسد خاکی کو کسی بھی جگہ پر دفن کرنے کے حق میں تھے۔ چناں چہ معاملت دار نے سب کی رائے لی اور دیکھا کہ واڑا کی تجویز کو دوگنے ووٹ ملے۔ تاہم وہ اس معاملے کو کلکٹر کو بھیجنے کے حق میں تھا اس لیے کاکا دیکشت احمد نگر جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ اسی دوران بابا صاحب کی تحریک کی وجہ سے مخالف رائے رکھنے والوں میں تبدیلی رونما ہوئی اور سبھی نے ایک ہی تجویز کو متفقہ طور پر منظور کر لیا۔ بدھوار کی شام کو بابا کی میت کو ایک جلوس کی شکل میں واڑا لا کر وہاں کی مرکزی جگہ پر جو مرلی دھر کے لیے مخصوص تھی ساری رسومات کے ساتھ سپردِ خاک کر دیا گیا۔ حقیقت میں بابا نے اس طرح خود مرلی دھر کی جگہ لے لی اور واڑا ایک مندر یا مقدس زیارت گاہ بن گیا جہاں اس دن سے لے کر آج تک لوگ من کی شانتی حاصل کرنے کے لیے آتے ہیں۔ بابا کی تجہیز و تکفین کی ساری رسومات بھی بابا صاحب پھاٹے اور اپا

بین کرنے لگے۔ کچھ چیخ چیخ کر رونے لگے گلیوں میں لوٹنے لگے اور کچھ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ سب کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور ہر ایک غم واندوہ کا نشانہ بنا ہوا تھا۔

کچھ لوگوں کو سائی بابا کے الفاظ یاد آنے لگے۔ کسی نے کہا کہ بابا نے اپنے بھگتوں کو بتادیا تھا کہ کچھ وقت کے بعد وہ آٹھ سال کے بچے کی شکل میں پھر نمودار ہوں گے۔ یہ ایک ولی کے الفاظ ہیں اس لیے ان کے بارے میں کسی کو شک وہ شبہ نہ ہونا چاہیئے کیوں کہ کرشن اوتار کے سلسلے میں بھگوان وشنو یہ کام ایک بار کر چکے ہیں۔ بھگوان کرشن دیوکی کے سامنے جیل میں ایک آٹھ سالا بچے کے روپ میں ہی رونما ہوئے تھے جس کا رنگ گورا اور چمکیلا تھا اور جس کے چاروں ہاتھوں میں ہتھیار تھے۔ اس اوتار کے دوران بھگوان کرشن نے زمین پر پاپ کے بوجھ کو کم کیا۔ یہ (سائی بابا کا) اوتار بھی انھوں نے اپنے بھگتوں کی حالت کو بہتر بنانے کے لیے لیا۔ چناں چہ شک کرنے کی کہاں کوئی وجہ باقی ہے۔ اولیا کے اعمال کی تہہ تک پہنچنا کسی کے بس کی بات نہیں۔ سائی بابا کا اپنے بھگتوں سے یہ تعلق صرف ایک نسل کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ پچھلی نسلوں سے چلا آرہا ہے۔ محبت کے ان رشتوں کی وجہ سے ایسا لگتا ہے کہ جیسے سائی بابا سیر کرنے کے لیے گئے ہوں اور ان کے بھگتون کو پورا یقین ہو گیا کہ وہ لوٹیں گے۔

پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ بابا کے جسم کو کیا کیا جائے؟ کچھ مسلمانوں کا خیال یہ تھا کہ میت کو دفن کیا جائے اور اس پر مقبرہ تعمیر کیا جائے۔ خوشحال چند اور امیر شکر کا بھی یہی خیال تھا۔ لیکن چند رپاٹل جو گاؤں کا آفیسر تھا اس نے گاؤں والوں سے پر اعتماد انداز میں کہا۔

"آپ کا خیال ہمیں منظور نہیں ہے۔ بابا کی میت کو سوائے واڈا کے اور کہیں نہ رکھا جائے" اس نکتے پر لوگ بٹے ہوئے تھے اور 36 گھنٹے تک اس سلسلے میں بحث مباحثہ ہوتا رہا۔

بدھوار کی صبح کو بابا لکشمن ماما جوشی کے خواب میں آکر اسے اپنے ہاتھ سے کھینچتے

ایک بار رام وجے کتاب پڑھ کر سنانے کو کہا۔ بابا نے اسے دن رات اسے سنانے کا حکم دیا۔اس نے دوسری بار اسے تین دن میں ختم کر دیا۔اس طرح گیارہ دن گزر گئے۔ایک بار پھر اس نے اسے تین دن تک پڑھا جس سے وہ تھک گیا۔چناں چہ بابا نے اسے جانے کی اجازت دے دی اور خود پر خاموشی طاری کر دی۔چنانچہ اپنے احکامات کی خود پیروی کرتے ہوئے آخری لمحے کا انتظار کرتے رہے۔

دو تین دن پہلے سے بابا نے صبح باہر جا کر بھیک مانگنا ترک کر دیا تھا۔وہ مسجد میں ہی بیٹھے رہتے۔وہ آخر وقت تک اپنے ہوش و حواس میں رہے اور بھگتوں کو دل چھوٹا نہ کرنے کی تلقین کرتے رہے۔انھوں نے اپنے انتقال کے وقت کا کسی کو بھی پتا نہ چلنے دیا۔ کاکا صاحب دیکشت اور شریمان بوٹی روزانہ بابا کے ساتھ مسجد میں کھانا کھاتے رہے۔15/اکتوبر کے دن آرتی کے بعد بابا نے انھیں اپنے گھر جا کر کھانا کھانے کے لیے کہا پھر بھی لکشمی بائی شنڈے، بھاگوجی شنڈے بیاجی، لکشمن بالا شمپی اور نانا صاحب نمونکر وہاں موجود رہے۔شاما سیڑھیوں پر بیٹھا ہوا تھا۔ لکشمی بائی شنڈے کو 9روپے دینے کے بعد بابا نے اسے کہا کہ ”مسجد میں آرام نہیں مل رہا ہے“ اس لیے وہ انھیں بوٹی کے واڑا میں لے جائے وہاں ان کی حالت بہتر ہو جائے گی۔ یہ آخری الفاظ کہتے ہوئے وہ بیاجی کی طرف جھکے اور انتقال کر گئے۔ بھاگوجی نے دیکھا کہ ان کے سانس کی رفتار رُک گئی تھی۔اس نے فوراً یہ بات نانا صاحب نمونکر کو بتائی جو نیچے بیٹھا ہوا تھا۔نانا صاحب نے کچھ پانی لے کر بابا کے منہ میں ڈالا لیکن وہ باہر نکل آیا۔تب وہ زور سے چیخا” اودیوا“ ایسا لگا جیسے آنکھیں کھول کر بابا نے دھیمی آواز میں صرف ”آہ“ کہا ہو لیکن جلد ہی یہ واضح ہو گیا کہ بابا نے اپنے جسم کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا ہے۔

بابا کے انتقال کی خبر آگ کی طرح شرڈی گاؤں اور ارد گرد کے علاقوں میں پھیل گئی اور عورتیں، مرد اور بچے مسجد کی طرف دوڑ پڑے۔وہاں طرح طرح سے بابا کی رحلت پر

چھتیسواں باب

باباکی ارتھی کی تیاری ان کی شفاعت اور آخری راہ و رسم

[(1)سمادھی مندر کی تیاری(2) اینٹ کا ٹوٹنا(3) بابا کی رحلت (جاری)
(4)72 گھنٹے کی سمادھی(5) جوگ کا سنیاس (6)بابا کے لفظوں کا امرت.]

اس باب میں بابا کے انتقال فرمانے کی کہانی جاری رکھی جارہی ہے۔

پیشتر تیاری

ہندوؤں کے ہاں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی انسان قریب المرگ ہوتا ہے تو کوئی مذہبی کتاب اس کو پڑھ کر سنائی جاتی ہے تاکہ اس کے من کو دنیا کی اشیا سے ہٹا کر روحانی باتوں کی طرف لگادیا جائے تاکہ اس کا انجام بخیر ہو اور مستقبل کی کارکردگی فطری اور آسان ہو۔ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ جب راجا پریکشت کو برہمرشی کے بیٹے نے بددعادی اور ایک ہفتے میں ہی اس کا وقت انتقال قریب تھا تو عظیم ولی شک دیو نے ایک ہفتے تک اس کو بھاگوت پران اور دوسری مقدس کتابیں پڑھ کر سنائیں گئیں۔ بابا کو بھگوان کا اوتار ہونے کی وجہ سے ان میں سے کسی کی ضرورت نہ تھی۔ لیکن دوسروں کے لیے مثال قائم کرنے کو وہ اس پر عمل کرتے رہے۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ اس جہاں سے جانے والے ہیں، تو انھوں نے اپنے ایک بھگت مسٹر وجھے کو ہفتے میں

دسویں باب کے چھٹے شعر میں ہوا ہے۔ پہلے اور دوسرے شعر میں پہلے پانچ اور پھر چار عناصر کا ذکر ہے۔ بابا نے اسی ترتیب کو ملحوظ رکھا، پہلے پانچ روپے دیے اور پھر 4، کل نو روپے۔ لکشمی بائی کے ہاتھ سے نہ جانے کتنے 9 روپے گزرے ہوں گے لیکن اس نو روپیوں کو جو بابا کا تحفہ تھا وہ ہمیشہ یاد رکھے گی۔ ہمیشہ خبر دار اور ہوشیار ہونے کی وجہ سے بابا نے اپنے آخری وقت میں کچھ اور پیش بندیوں کا بھی خیال رکھا۔ اس خیال سے یا مقصد سے کہ ان پر اپنے بھگتوں سے محبت کرنے کاالزام نہ لگایا جائے انھوں نے انھیں وہاں سے چلے جانے کا حکم دیا۔ کاکا صاحب دیکشت باپو صاحب بوٹی اور دوسروں نے بڑے شوق سے مسجد میں ان کی خدمت میں حاضر رہنے کی کوشش کی، لیکن انھوں نے انھیں واڈا چلے جانے اور کھانا کھا کر آنے کے لیے کہا۔ وہ نہ تو بابا کو چھوڑ سکتے تھے اور نہ ان کی حکم عدولی کر سکتے تھے۔ چناں چہ وہ بوجھل دل اور بوجھل قدموں سے واڈا گئے۔ وہ جانتے تھے کہ بابا کی حالت بڑی نازک ہے اس لیے وہ انھیں بھلا نہیں سکتے تھے۔ وہ کھانے کے لیے تو بیٹھے پر ان کا دل کہیں اور تھا یعنی وہ بابا کے پاس تھا۔ کھانا ختم کرنے سے پہلے ہی انھیں خبر ملی کہ بابا نے اس جہاں فانی سے کوچ کر لیا وہ کھانا چھوڑ کر مسجد کی طرف بھاگے اور انھوں نے دیکھا کہ بابا بیاجی آپا کی گود میں تھے۔ وہ نہ تو زمین پر گرے اور نہ ہی بستر پر پڑے رہے بلکہ خاموشی سے اپنی سیٹ پر بیٹھے تھے۔ وہ اپنے ہاتھ سے سخاوت کرتے ہوئے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے۔ صوفی یا سنت لوگ جسم کا روپ اختیا کر کے اس دنیا میں کسی خاص مقصد سے آتے ہیں اور جب وہ مکمل ہو جاتا ہے تو وہ بڑی خاموشی اور آسانی کے ساتھ اسی طرح یہاں سے چلے جاتے ہیں جیسے آئے ہوتے ہیں۔

کہ میری بھوک کو مٹانے کی ہے۔ کتا بھی روح رکھتا ہے۔ جاندار چاہے الگ الگ ہوں پر ان کی بھوک تو ایک ہے۔ چاہے کچھ اس کا اظہار کر سکتے ہوں اور کچھ نہ کر سکتے ہیں۔ یاد رکھو جو بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے وہ حقیقت میں میری خدمت کرتا ہے اس کی ایک بدیہی صداقت سمجھو"۔

یہ ایک عام سا واقعہ ہے، لیکن بابا نے اس کے ذریعے ایک بڑی روحانی صداقت کو پیش کیا اور بغیر کسی دوسرے کے جذبات کو مجروح کیے اس کی روزانہ زندگی میں برتنے کا طریقہ بتایا۔ اس دن کے بعد لکشمی بائی نے پیار و محبت کے ساتھ ہر روز انھیں دودھ روٹی کھلانے کا سلسلہ شروع کیا۔ بابا اسے قبول کر کے تعریفی انداز میں کھانے لگے۔ وہ اس میں سے ایک حصہ لے کر باقی لکشمی بائی کے ذریعے رادھا کرشنا مائی کو بھیجتے جو ہمیشہ بابا کی چھوڑی ہوئی غذا کو لطف لے لے کر پرساد کے طور پر کھاجاتی۔ روٹی سے متعلق اس کہانی کو موضوع سے ہٹنا قرار نہ دینا چاہیے کیوں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بابا جانداروں میں رہتے ہوئے بھی ان سے ماورا تھے۔ وہ ہر جگہ موجود، جنم اور مرن سے عاری اور لافانی تھے۔

بابا نے لکشمی بائی کی خدمت کو یاد رکھا۔ وہ اسے کس طرح فراموش کر سکتے تھے۔ اپنے جسم کو ترک کرنے سے پہلے انھوں نے اپنا ہاتھ جیب میں ڈال کر پہلے اسے 5روپے دیے اور پھر 4دیے یعنی کل نو روپے عطا کیے۔ نو کا ہندسہ دراصل جاں نثاری او روفاداری کی ان نو قسموں کی علامت تھا جن کا بیان سترہویں باب میں ہے۔ یہ سیمولنگھ (سرحد پار کرنے کی رسم) کے موقع پر پیش کی گئی دکشنا کی علامت بھی ہو سکتا ہے۔ لکشمی بائی ایک اچھے کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی اسے کسی روپے کی ضرورت نہیں تھی۔ اس لیے ہو سکتا ہے کہ بابا نے اس کی توجہ اچھے بھگت کے ان نو گنوں کی طرف مبذول کرائی ہو جن کا ذکر بھگوت گیتا کے گیارہویں "کھنڈ" کے

لکشمی بائی کو سخاوت

سبھی ہندو وجے دشمی کو بہت ہی متبرک دن قرار دیتے ہیں اور یہ بہت ہی مناسب ہے کہ بابا اسی دن کو زندگی کی سرحد کو عبور کرنے کے لیے منتخب کریں۔ وہ اس دن سے قبل کچھ علیل تھے۔ لیکن اندر سے وہ ہمیشہ سے بیدار ذہن تھے۔ چناں چہ انتقال سے قبل وہ بغیر کسی کی مدد کے وہ اٹھ کر سیدھے بیٹھ گئے اور ان کی حالت اچھی نظر آرہی تھی۔ لوگوں نے سوچا کہ خطرہ ٹل گیا ہے اور ان کی حالت بہتر ہو رہی ہے لیکن وہ جانتے تھے کہ انھیں جلد ہی دوسری دنیا کی طرف سفر کرنا ہے اس لیے وہ کچھ پیسا سخاوت کے طور پر لکشمی بائی شنڈے کو دینا چاہتے تھے۔

تمام جانداروں میں بابا کی موجودگی

لکشمی بائی کا ذکر اوپر ہوا ہے۔ وہ ایک کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ وہ دن رات دوارکا مسجد میں کام کرتی تھی۔ بھگت مہالا سپتی، تاتیا اور لکشمی بائی کے سوائے اور کسی کو رات کے وقت دوارکا مسجد میں داخل ہونے کی اجازت نہیں تھی۔ ایک بار شام کے وقت جب بابا تاتیا کے ساتھ مسجد میں بیٹھے تھے لکشمی بائی نے آکر بابا کو سلام کیا۔ بابا نے اس سے کہا۔ "لکشمی مجھے سخت بھوک لگی ہے" واپس جاتے ہوئے اس نے کہا" بابا تھوڑی دیر انتظار کرو میں روٹی لے کر آتی ہوں"۔ وہ روٹی اور سبزیاں لے کر آئی اور انھیں بابا کے سامنے رکھ دیا۔ بابا نے انھیں اٹھا کر کتے کے سامنے ڈال دیا۔ اس پر لکشمی بائی نے دریافت کیا: "بابا یہ کیا ہے؟ میں نے یہاں سے بھاگتے ہوئے جا کر اپنے ہاتھ سے روٹی بنائی اور آپ نے اسے ایک ٹکڑا کھائے بغیر کتے کو ڈال دیا۔ آپ نے مجھے خواہ مخواہ یہ سب کرنے کے لیے کہا" بابا نے جواب دیا:-

"تم بے کار افسوس کر رہی ہو۔ کتے کی بھوک کو مٹانے کی اتنی ہی اہمیت ہے جتنی

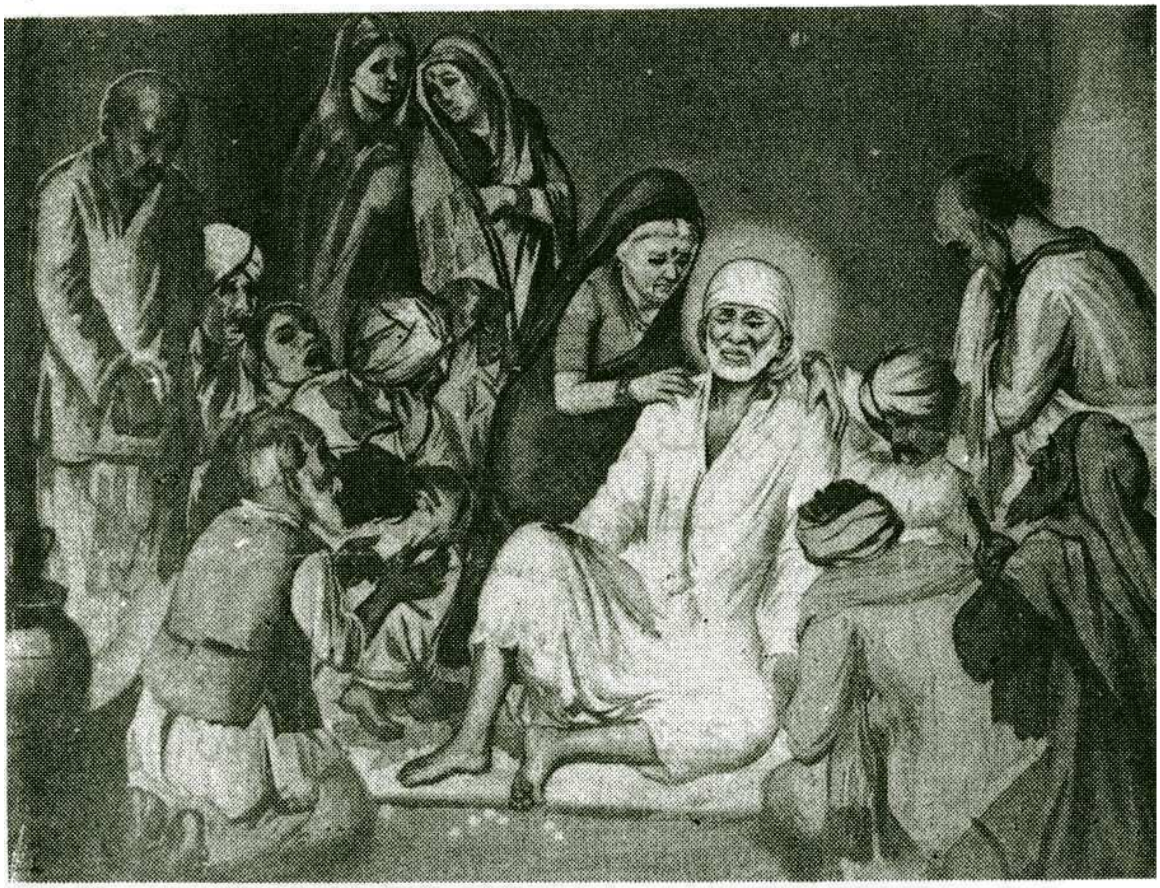

بابا اپنا خاکی شریر ۱۵؍اکتوبر ۱۹۱۸ء دسہرہ کے دن چھوڑ کر شدھ روپ میں داخل ہو گئے۔ اس غمگین اور سرنوشت قضا کو دیکھ کر شرڈی گاؤں میں سناٹا چھا گیا۔ بابا نے آخری سانس اپنے اس بھگت کے کندھے پر تیاگ دیا جس نے عمر بھر ان کی خدمت انجام دی تھی۔ ان کے جانے کے باوجود بابا کا پریم ان بھگتوں اور شرڈی نواسیوں میں زیادہ بڑھ گیا کیوں کہ ان کو ایسے افشا اور مثالیں اب بھی مل رہی ہیں جو بابا نے زندہ جاوید اور رہبری کے طور پر قائم کی ہیں۔

"اگر تم میری طرف دیکھو گے، میں تمہاری طرف دیکھوں گا"

حال بھی اسی طرح بگڑتی گئی۔ جس دن کی پیشن گوئی کی گئی تھی یعنی وجے دشمی وہ بہت قریب آگیا تھا رام چندر داد ااور بالا شمپی تاتیا کے بارے میں بہت ہی متفکر تھے اور خوف سے کانپتے ہوئے پسینے میں بھیگتے ہوئے انھوں نے سوچا کہ بابا کی پیشن گوئی کے عین مطابق تاتیا کا خاتمہ بہت قریب ہے۔ چناں چہ وجے دشمی کا دن طلوع ہوا اور تاتیا کی نبض بہت آہستہ سے چلنے لگی۔

لیکن اس دوران ایک بڑا ہی عجیب واقع رونما ہوا۔ تاتیا بچ گیا۔ اس کی موت ٹل گئی اور اس کے بدلے بابا فوت ہوگئے۔ ایسا دکھائی دیا کہ جیسے ادلا بدلی کا واقعہ ہوا ہو۔ لوگوں نے کہا کہ بابا نے تاتیا کو بچانے کے لیے اپنی جان دی ہے۔ انھوں نے ایسا کیوں کیا؟ یہ بات صرف وہی جانتے ہیں کیوں کہ بابا کی باتیں پر اسرار ہوتی ہیں۔ البتہ اس واقعے سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ بابا نے تاتیا کا نام لے کر در اصل اپنے انتقال کی پیشن گوئی کی تھی۔

دوسری صبح پنڈھر پور میں بابا نے داس گنو کے خواب میں نمودار ہو کر اس سے کہا: ”مسجد گر گئی ہے۔ شرڈی کے سبھی تیل بیچنے والوں اور پنساریوں نے مجھے بہت پریشان کیا اس لیے میں نے وہ جگہ چھوڑ دی۔ اس لیے میں یہاں تمھیں یہ بتانے کے لیے آیا ہوں کہ وہاں جلد جا کر میرے جسد خاکی کو بکل پھولوں سے ڈھانپ دو۔ داس گنو کو یہ اطلاع شرڈی سے آنیوالے خطوط سے بھی ملی۔ چناں چہ وہ اپنے بھگتوں کے ساتھ شرڈی آیا اور بابا کے سمادھی اختیار کرنے سے ایک روز قبل سارا دن بھجن کیرتین کرنے کے ساتھ ہی ساتھ خدا کے نام کا ورد بھی کرتا رہا ہے۔ اس نے اپنے ہاتھ سے ہار بنا کر جس میں بھگوان ہری کا نام بھی لکھ کر شامل کیا گیا تھا، بابا کی سمادھی پر چڑھایا اور سب کو بابا کے نام کا کھانا بھی کھلایا۔

نہ آیا۔ بابا نے اس کے بارے میں ایک اشارہ یوں دیا۔

رام چندر اور تاتیا پاٹل کی موت کو ٹالنا

کچھ وقت گذرنے کے بعد رام چندر پاٹل بہت بیمار ہو گیا۔ اسے بہت تکلیف اٹھانی پڑی۔ اس نے ہر طرح کا علاج کرایا جب کوئی افاقہ نہ ہوا تو زندگی سے مایوس ہو کر وہ موت کا انتظار کرنے لگا۔ ایک دن آدھی رات کو اچانک بابا اس کے سرہانے کھڑے تھے کہ پاٹل نے ان قدموں میں گر کر گڑگڑاتے ہوئے ان سے پوچھا: میں زندگی سے مایوس ہو چکا ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے قطعیت کے ساتھ بتا دیجئے کہ میں کب اس دار فانی سے رخصت ہوں گا۔ مہربان بابا نے اسے جواب دیتے ہوئے کہا:

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں تمہاری موت کا پروانہ واپس لے لیا گیا ہے اور تم جلد ہی صحت یاب ہو جاؤ گے۔ لیکن مجھے تاتیا پاٹل کی فکر ہے۔ وہ شاکا سموت **1840** مطابق **1918**ء کو وجے دشمی کے دن اس جہاں سے رخصت ہو گا۔" رام چندر دادا صحت یاب ہو گیا لیکن تاتیا کی زندگی کے بارے میں پریشان ہو گیا کیوں کہ اسے معلوم تھا کہ بابا کے الفاظ بدلے نہیں جاسکتے اور یہ کہ تاتیا دو سال کے اندر اندر اس جہاں فانی سے کوچ کر جائے گا۔ اس نے اس راز کو راز ہی رکھا اور سوائے بالا شمپی کسی کو نہیں بتایا اس لیے تاتیا کی زندگی کے بارے میں یہ ہی دو اشخاص فکر مند یا پر تشویش تھے۔

رام چندر دادا جلد ہی بستر کو چھوڑ کر اپنے قدموں پر کھڑے ہو گیا۔ وقت تیزی سے گزرتا گیا۔ شاکا **1840** کا بھادوں کا مہینہ ختم ہو رہا تھا اور **10** اسوج کی آمد تھی۔ بابا کے الفاظ کے عین مطابق تاتیا بیمار پڑ گئے بستر سے لگ گیا۔ تاتیا کو بابا میں پورا یقین تھا اور بابا کو ہری میں جو ان کا محافظ تھا۔ تاتیا کی حالت بد سے بدتر ہوتی چلی گئی۔ یہاں تک کہ اس کے لیے ہلنا جلنا بھی مشکل ہو گیا لیکن وہ ہمیشہ بابا کو یاد کرتا رہا۔ بابا کی صورت

بخار دو تین روز تک رہا لیکن اس کے بعد بابا نے کھانا ترک کر دیا جس سے وہ دن بدن کمزور ہوتے چلے گئے۔ سترویں دن یعنی 15/اکتوبر 1918ء بروز منگل وار بابا کی روح نے کوئی ڈھائی بجے دوپہر کو اپنے جسدِ خاکی کو چھوڑ دیا (بحوالہ مکتوب از جی۔جی نار کے مورخہ 5/ نومبر 1918ء بنام دادا صاحب کھاپرڈے مطبوعہ "سائی لیلا" میگزین صفحہ 78 پہلا سال) اس سے دو سال قبل یعنی 1916ء کو بابا نے خود اپنے انتقال کے اشارے دیئے تھے۔ لیکن اس وقت کسی کو یہ بات سمجھ میں نہ آئی تھی۔ قصہ اس طرح تھا:

دسہرے کے روز شام کے وقت جب لوگ "سیما اُلنگھن" (یعنی حدود پار کرنے) کی رسم سے لوٹ رہے تھے بابا غصے سے آپے سے باہر ہو گئے۔ انھوں نے اپنے سر کا کپڑا، کفنی اور لنگوٹ اُتار کر اپنے سامنے جل رہی دھونی میں پھینک دیا۔ ان کپڑوں کی وجہ سے دھونی روشن ہو کر تیز جلنے لگی۔ بابا کا وجود اس سے بھی زیادہ چمک دار نظر آرہا تھا۔ وہ وہاں اپنی جلتی ہوئی سرخ آنکھوں کے ساتھ مادر زاد عریاں کھڑے یوں چیخ اُٹھے "اے لوگو! اب تم دیکھ کر بتاؤ کہ میں مسلمان ہوں یا ہندو" ہر آدمی خوف سے کانپ رہا تھا۔ اور کسی میں حوصلہ نہ تھا کہ وہ بابا کے قریب پہنچے۔ کچھ دیر کے بعد بھاگو جی شنڈے نے جو بابا کا جزام زدہ بھگت تھا، بڑی ہمت سے بابا کے قریب جا کر انھیں لنگوٹ پہناتے ہوئے ان سے پوچھا: "بابا یہ سب کیا ہے آج تو دسہرا یعنی (سیما اُلنگھن کا تہوار) ہے" بابا کا غصہ گیارہ بجے رات تک ٹھنڈا نہ ہوا اُنہوں نے کہا کہ یہ میرے لیے بھی حد سے گزرنے کا دن ہے۔ لوگوں کو یقین نہیں تھا کہ اس رات چاوڑی کا جلوس نکل بھی پائے گا یا نہیں۔ ایک گھنٹے میں بابا اپنی معمول کی حالت میں لوٹ آئے اور لباس پہن کر معمول کی طرح کے جلوس میں اسی طرح شامل ہوئے جیسا پہلے بیان ہوا ہے۔ اس واقعے کے ذریعے بابا نے یہ ظاہر کیا کہ دسہرے کا دن ان کے لیے زندگی کی ہر سرحد کو عبور کرنے کے لیے سب سے مناسب دن تھا۔ لیکن کسی کو بھی اس کا مفہوم سمجھ میں

پینتیسواں باب

باباکاانتقال

[گذشته اشارے ، رام چندر دادا پاٹل اور تاتیه کوتے پاٹل کی موت کا ازاله ، لکشمی بائی شنڈے کی سخاوت ، آخری وقت]

ابتدائیہ

پچھلے باب میں بیان کی گئی کہانیاں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ گورو کا کرم اس دنیا کی عارضی زندگی کے خوف کو دور کرتا ہے، نجات کی راہ کھولتا ہے اور ہمارے دکھ کو خوشی میں مبدل کرتا ہے۔ اگر ہم اپنے گورو کے قدموں کو ہمیشہ یاد رکھیں تو ہمارے مصائب کا سد باب ہوتا ہے۔ موت اپنے ڈنک سے محروم ہو جاتی ہے اور اس دنیا کی عارضی زندگی کا دکھ مٹ جاتا ہے۔ اس لیے جو لوگ اپنی بھلائی کی فکر کرتے ہیں انھیں سائی سمرتھ کی ان کہانیوں کو توجہ سے سننا چاہیئے جو ان کے من کو پاک کردیں گی۔

ہیماڈپنت ڈاکٹر پنڈت کی عبادت اور اس کے بابا کے ماتھے پر تین سیدھی لکیریں کھینچنے کے بارے میں ذکر چوں کہ پچھلے باب میں ہو چکا ہے اس لیے یہاں اس کو حذف کردیا گیا ہے۔

مستقبل کی آگہی

قارئین نے اس وقت تک بابا کی زندگی سے متعلق کہانیاں سنیں۔ اب بابا کے انتقال کا ذکر توجہ سے سنیں۔ 28/ ستمبر 1918ء کو بابا کو معمولی سے بخار کا حملہ ہوا۔ یہ

" پڑھتے ہوئے تم بہت جلد ی کرتے ہو ۔بابا نے کہا۔ دیو نے پوچھا
"میں کیاپڑھوں"۔

"روحانیت کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھو" بابا نے وضاحت کی۔ دیو کتاب لانے کے لیے گیااسی دوران اس کی آنکھ کھل گئی اس خواب کے بعد دیو کو کس قدر خوشی اور سکون واطمینان حاصل ہوا ہو گا۔یہ ہم قارئین کی سوچ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

چرانے کے لیے کیوں جاتے ہو اور تم کیوں چوری کی عادت خود کو ڈالتے ہو؟"

دیو بابا کے الفاظ سن کے بہت خوش ہوا کیوں کہ انھوں نے ہی اسے پوتھی (گیانیشوری) کا مطالعہ کرنے کے لیے کہا تھا۔ اس نے سوچا کہ اس نے جو کچھ چاہا تھا وہ اسے مل گیا۔ اور یہ کہ اس کے بعد وہ اسے آرام سے پڑھ سکتا تھا۔ چناں چہ ایک بار پھر بابا کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے اس نے خود کو ان کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا تھا کہ وہ اسے ایک بچہ سمجھ کر اس سے برتاؤ کریں اور کتاب کو پڑھنے میں اس کی مدد کریں۔ اب اس کی سمجھ میں یہ بات آئی کہ بابا نے جب چیتھڑے چرانے کی بات کی تھی تو اس سے ان کی مراد کیا تھی۔ جو کچھ دیو نے بالک رام سے کہا تھا حقیقتاً وہ چیتھڑے کی مانند تھا۔ بابا کو اس سلسلے میں اس کا برتاؤ بالکل پسند نہ آیا تھا۔ بابا خود ہی ہر طرح کے سوالات کا جواب دینے کے لیے تیار رہتے تھے۔ انھیں چناں چہ یہ پسند نہ تھا کہ کوئی دوسروں سے پوچھے اور غیر ضروری پوچھ گچھ کرے۔ چناں چہ انھوں نے دیو کو جھڑکا اور ہراساں کیا۔ دیو نے سوچا کہ بابا نے اسے یہ سکھایا کہ وہ اس کی خواہشات پوری کرنے کے لیے خود ہی تیار تھے۔ اس لیے دوسروں کو کہنے کی ضرورت نہ تھی۔ دیو نے ان جھڑکیوں کو دعاؤں اور پھولوں کے طور پر قبول کیا اور اطمینان و تسلی کے ساتھ گھر لوٹا۔

بات یہیں پر ختم نہیں ہوئی۔ بابا نے صرف پڑھنے کا حکم دینے پر اکتفا نہیں کیا۔ ایک سال کے اندر ہی انھوں نے دیو کے ہاں جا کر یہ دریافت کیا کہ اس نے کتنی پڑھ لی تھی۔ 12 اکتوبر 1914ء جمعرات کی صبح کو بابا دیو کے خواب میں آئے۔ انھوں نے اوپر کی چھت پر بیٹھ کر اس سے دریافت کیا کہ کیا تم نے پوتھی کو سمجھ لیا۔ دیو نے نفی میں جواب دیا پھر تم کب اس کو سمجھو گے" بابا نے پوچھا۔ دیو نے پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بابا سے کہا "جب تک آپ مجھے اپنے کرم سے نہ نوازیں گے۔ میں پورے وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ پڑھنا محض فکر و پریشانی ہے اور سمجھنا تو اس سے بھی مشکل کام"۔

اسے بتانے ہی والا تھا کہ بابا نے ایک کوڑھی بھگت چندرو کو بھیجا تاکہ وہ دیو کو اس کے پاس بلالائے۔ جب دیو بابا کے پاس گیا تو بابا نے اس سے پوچھا کہ وہ کس کے ساتھ کیا باتیں کر رہا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ بالک رام کے ساتھ باتیں کر رہا تھا جس نے ان (بابا) کی شہرت کے بارے میں بتایا تھا۔ بابا نے اس کے بعد پھر 25 روپے دکشنا کا تقاضا کیا جو اس نے بخوشی ادا کر دیا پھر بابا اس کو اندر لے گئے اور چوکی کے قریب بیٹھتے ہوئے اس پر اس طرح سے الزام تراشی کی:۔

"تم نے میرے چھتروں کو میرے اجازت کے بغیر چرالیا"۔ دیو نے چھتروں سے قطعی لاعلمی کا اظہار کیا۔ لیکن بابا نے اسے تلاش کرنے کے لیے کہا۔ اس نے تلاش کیا لیکن کہیں کچھ نہ ملا۔ پھر بابا نے غصے ہوتے ہوئے کہا:۔

"یہاں اور کوئی نہیں ہے، تم ہی صرف چور ہو، اتنے بوڑھے اور سفید بال ہوتے ہوئے بھی تم یہاں صرف چوری کرنے کے لیے آئے۔ اس کے بعد بابا آپ سے باہر ہو گئے بالکل وحشی کی طرح، اور ہر طرح کی گالیاں اور جھڑکیاں دیتے رہے۔ دیو خاموش دیکھتا رہا، اس نے سوچا کہ شاید اسے بابا سے مار بھی پڑے گی۔ کوئی ایک گھنٹے کے بعد بابا نے اس سے کہا کہ وہ واڈا چلا جائے۔ اس نے واڈا جا کر جوگ اور بالک رام کو وہ سب کچھ بتادیا جو اس پر بیتا تھا۔ بعد دوپہر کے وقت بابا نے ان سب کو دیو سمیت بلالیا اور یوں کہنے لگے:۔ "میرے الفاظ نے بوڑھے دیو کو ضرور تکلیف پہنچائی ہو گی پر چوں کہ اسنے چوری کی تھی اس لیے وہ میں خاموش نہ رہ سکا۔ بابا نے اس پر ایک بار پھر 12 روپے طلب کیے۔ دیو نے پیسے جمع کر کے دے دیئے اور پھر بابا کے سامنے سر بسجود ہو گیا۔ اس پر بابا نے اس سے کہا "پوتھی روزانہ پڑھتے جاؤ (گیانیشوری کو) واڈا میں بیٹھ کر ہر روز کچھ نہ کچھ حصہ پڑھ کر دوسروں کے سامنے پیار سے اس کی وضاحت کرتے رہو۔ میں یہاں بیٹھا ہوا تمہیں سارا قیمتی کپڑا دینے کے لیے موجود ہوں۔ پھر تم دوسروں کے پاس چھیتڑے

267-1

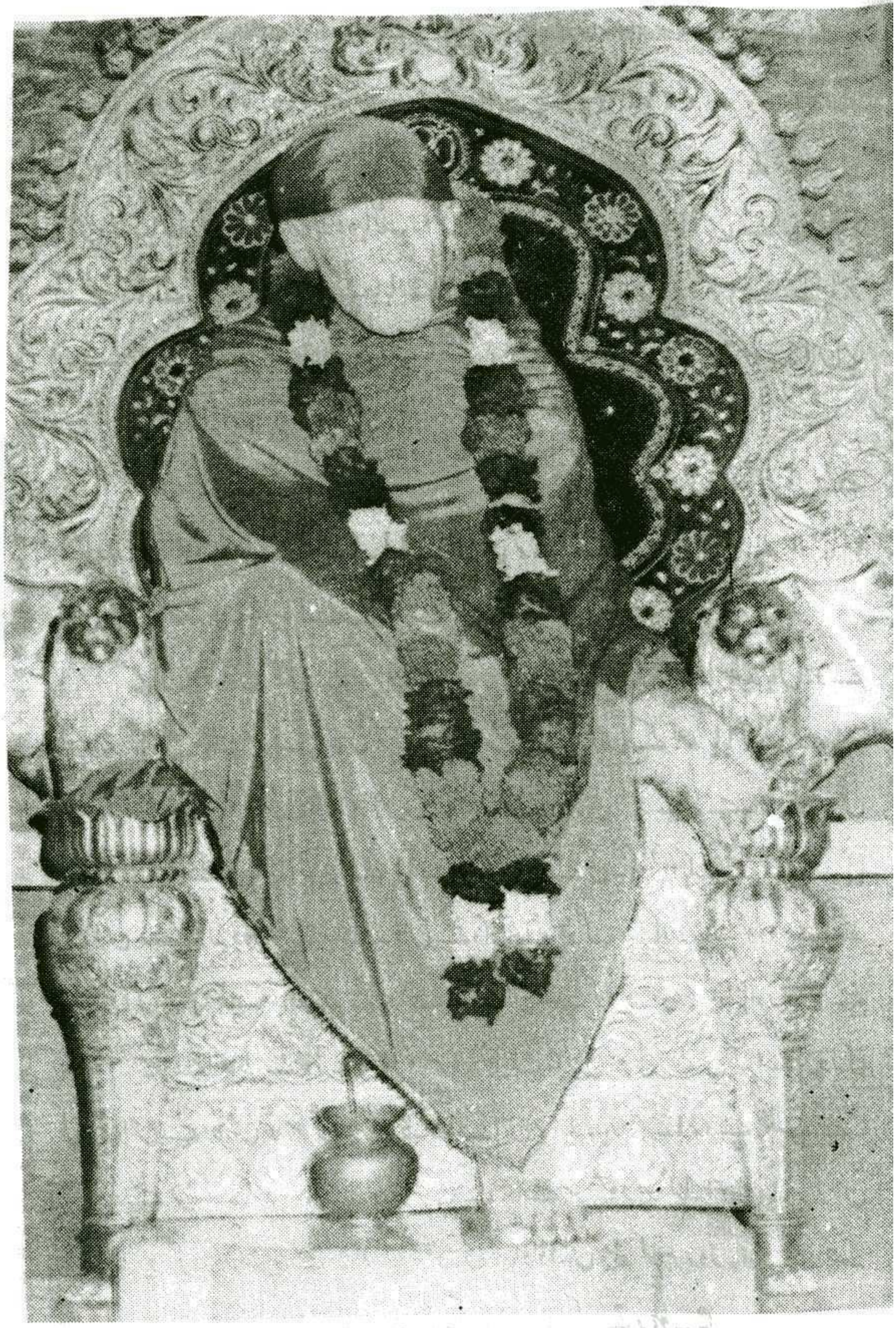

بابا کی یہ تصویر دوارکا مسجد میں اس پتھر پہ لٹکی ہوئی ہے۔ جہاں بابا ہمیشہ بیٹھا کرتے تھے۔ اس تصویر میں ایک روحانی طاقت اور خاصیت یہ ہے کہ اگر تم بابا کی طرف دیکھو گے تو بابا آپ کی طرف دیکھیں گے۔

پڑھ پاتا۔ چناں چہ اس نے دل میں یہ طے کر لیا کہ وہ اسے اس وقت تک نہ پڑھے گا جب تک کہ بابا اس کی محبت اس کے دل میں پیدا نہ کریں گے اور اسے حکم نہ دیں گے کہ وہ اسے پڑھے۔ چناں چہ 1914ء کے فروری مہینے میں وہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ شرڈی گیا وہاں جوگ نے اس سے دریافت کیا کہ وہ روز گیا نیشوری پڑھتا تھا؟ دیو نے جواب میں کہا کہ وہ اسے پڑھنا تو چاہتا تھا لیکن اسے اس میں کامیابی نہ ہوئی اس لیے اب وہ اسے اسی وقت پڑھے گا جب بابا اس کو پڑھنے کا حکم دیں گے۔ چناں چہ جوگ نے اسے مشورہ دیا کہ وہ اس کی ایک جلد لے جا کر بابا کو پیش کرے اور جب بابا اس کو پاک کر کے اسے لوٹا دیں تو وہ اس کو پڑھنا شروع کر دے۔ دیو نے اس پر جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ اسی طریقے کو برتنا نہیں چاہتا کیوں کہ بابا اس کے دل کی حالت کو جانتے ہیں۔ اس لیے کیا وہ اس کی خواہش پوری کرنے کے لیے اسے پڑھنے کا واضح حکم نہیں دیں گے۔

چناں چہ دیو بابا کو ملنے کے لیے گیا اور انھیں ایک روپیہ دکشنا کے طور پر پیش کیا۔ بابا نے 20 روپے کا تقاضا کیا جو اس نے ادا کر دیئے۔ رات کو اس نے بالک رام سے مل کر اس سے دریافت کیا کہ اس نے کس طرح بابا کی محبت اور ان کا آشیر واد حاصل کیا تھا۔ بالک رام نے اس سے کہا کہ وہ اس کو اگلے دن آرتی کے بعد سب کچھ بتا دے گا۔ دوسرے دن جب دیو درشنوں کے لیے گیا تو بابا نے 20 روپے کا تقاضا کیا جو اس نے خوشی سے دے دیئے۔ مسجد چوں کہ کھچا کچھ بھری ہوئی تھی اس لیے دیو اندر جا کر ایک کونے میں بیٹھ گیا۔ بابا نے اسے قریب آ کر سکون قلب کے ساتھ بیٹھنے کے لیے کہا دیو نے جس کی تکمیل کی۔ دوپہر کو جب آرتی ختم ہوئی اور لوگ گھروں کو چلے گئے تو دیو بالک رام سے پھر ملا اور اس گذشتہ زندگی کے بارے میں دریافت کیا۔ اور یہ بھی کہ بابا نے اس سے کیا بتایا تھا اور کس طرح اس کو دھیان لگانے کی تربیت دی تھی۔ بالک رام

جواس کی اچھی حفاظت کر سکے۔ سائی بابا نے اس کو خود یہ کہا کہ وہ اس سلسلے میں مولانا اسمو مجاور سے مشورہ کرے اور وہ جو کچھ کہے اس پر عمل پیرا ہو۔ اس نے مولانا سے مل کر اسے سب کچھ بتایا۔ دونوں نے بہت غور و خوض کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ تصویر انا صاحب (ہیماڈ پنت) کو پیش کی جائے کیوں کہ وہی اس کو اچھی طرح رکھ سکیں گے۔ چناں چہ ان دونون نے ہیماڈ پنت کے پاس جاکر اس کو تصویر عین موقعے پر پیش کر دی۔ اس کہانی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کس طرح بابا ماضی، حال، مستقبل کے بارے میں سب کچھ جانتے تھے اور کتنی مہارت سے وہ کام کرتے ہوئے اپنے بھگتوں کی خواہشات کو پورا کرتے تھے۔ مندرجہ ذیل کہانی اس بات کو بخوبی واضح کرتی ہے کہ بابا ان لوگوں کو بہت پسند کرتے تھے جو روحانی باتوں میں دلچسپی لیتے تھے اور وہ ان کی ساری مشکلات دور کر کے انھیں مسرت عطا کرتے تھے۔

چیتھڑوں کی چوری اور گیانیشوری کا مطالعہ

شری بی۔ وی دیوڈھانو (ضلع تھانے) کے معاملت دار تھے ان کی خواہش تھی کہ وہ گیانیشوری (گیانیشور کی تیار کردہ بھگوت گیتا کی تفسیر) اور دوسری مذہبی کتب کا مطالعہ کریں۔ وہ ہر روز بھگوت گیتا کے ایک باب اور دوسری کتب کا کچھ حصہ پڑھ سکتا تھا۔ لیکن جب اس نے گیانیشوری کا مطالعہ شروع کیا تو کچھ دقتیں پیدا ہو گئیں جس کی وجہ سے اسے گیانیشوری پڑھنے سے منع کر دیا گیا۔ تین مہینے کی چھٹی لے کر شرڈی آیا اور وہاں سے اپنے گھر جو پوڈ میں واقع تھا آرام کرنے کے لیے چلا گیا۔ وہ وہاں دوسری کتابیں تو پڑھتا رہا لیکن جب بھی گیانیشوری کو ہاتھ میں لیتا تو طرح طرح کے شیطانی خیالات اس کے ذہن پر ہجوم کرتے جو اسے گیانیشوری کا مطالعہ کرنے سے روک دیتے۔ وہ چاہے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرتا پر کتاب کی کچھ سطریں بھی وہ آرام سے نہ

سے حاصل کی تھی۔ وہ اس نے اپنے سالے نور محمد پیر بھائی کو دی جو آٹھ سال تک اس کی میز میں پڑی رہی۔ ایک بار آخر الذکر نے اسے دیکھا اور فوٹو گرافر کے پاس لے جا کر اسے قد آدم کے برابر بڑا کروا کے اس کی کاپیاں اپنے دوستوں اور رشتے داروں میں تقسیم کیں جن میں علی محمد بھی شامل تھا جس نے اسے اپنے باندرا کے مکان میں دیوار پر لٹکوا دیا۔ نور محمد سائی عبدالرحمٰن کا بھگت تھا چناں چہ وہ جب اس کو لے کر اپنے گورو کو بھرے دربار میں پیش کرنے کے لیے لے گیا تو وہ غصے میں آ کر اسے پیٹنے کے لیے اس کے پیچھے بھاگے اور اسے وہاں سے باہر نکال دیا۔ اس پر افسوس ہونے کے ساتھ وہ بہت مایوس بھی ہوا اس نے سوچا کہ ایک تو اس نے اتنا سارا خرچ کیا اس پر گورو کی ناراضگی بھی مول لی۔ اس کا گورو چوں کہ مورتی پوجا پسند نہیں کرتا تھا اس لیے وہ اس تصویر کو لے کر اپالو نامی بندرگاہ پر چلا گیا جہاں ایک کشتی کرائے پر لے کر اس نے اس تصویر کو سمندر میں ڈبو دیا۔ اس نے اپنے دوستوں اور رشتے داروں کو دی ہوئی چھ تصویریں بھی واپس لے کر ایک ملاح کے ذریعے انھیں باندرہ کے سمندر میں پھنکوا دیا۔ اس موقع پر علی محمد اپنے سالے کے گھر میں تھا۔ اس نے اسے بتایا کہ اس کی ساری تکلیف دور ہو جائے گی اگر وہ بھی جلد ہی سنتوں کی تصویریں سمندر میں ڈبو دے گا۔ یہ سن کر علی محمد نے اپنے مینجر کو اپنے باندرہ والے مکان کو روانہ کر کے ساری تصاویر سمندر میں پھنکوا دیں۔

جب علی محمد گھر واپس آیا تو وہ بابا کی تصویر کو دیوار پر پہلے کی طرح ٹنگے ہوئے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ وہ نہیں سمجھ سکا کہ اس کے مینجر نے کس طرح بابا کی تصویر کے سوائے باقی ساری تصویریں وہاں سے ہٹا دیں تھیں۔ اس نے فوراً اسے لے کر الماری میں چھپا دیا کیوں کہ اسے یہ ڈر تھا کہ اگر اس کے سالے صاحب نے اسے دیکھ لیا تو وہ اسے بھی پھنکوا دے گا۔ وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ اس تصویر کا کیا کرے اور کس کو دے

چونتیسواں باب

تصویر کی کہانی چیتھڑوں کی چوری اور گیا نیشوری

جیسا کہ پچھلے باب میں بیان کیا گیا ہے ہم یہاں پر تصویر کی کہانی کو جاری رکھتے ہیں۔ علی محمد ایک بار پھر ہیماڈ پنت سے ملا اور اس نے مندرجہ ذیل کہانی بیان کی۔

"ایک بار بمبئی کی گلیوں میں آوارہ گردی کرتے ہوئے علی محمد نے وہ تصویر خریدی اور اس کو فریم کرا کے اپنے باندرہ کے گھر کی دیوار پر لٹکا دیا۔ چوں کہ وہ بابا سے محبت کرتا تھا اس لیے وہ ہر روز بابا کی تصویر کے درشن کرتا۔ اس تصویر کو ہیماڈ پنت کو دینے سے تین ماہ پہلے اس کی ٹانگ میں سوزش ہوئی تھی اپریشن کرانے کے بعد وہ اپنے سالے نور محمد پیر بھائی کے گھر بمبئی میں روبصحت ہونے کے لیے رکا ہوا تھا۔ باندرہ میں اس کا گھر تین ماہ تک بند رہا کیونکہ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ صرف بابا عبد الرحمن، مولانا صاحب محمد حسین، بابا سائی، بابا تاج الدین اور کچھ دوسرے زندہ فقیروں یا سنتوں کی تصویریں وہاں تھیں۔ زمانہ کے چکر نے ان کو بھی نہیں بخشا تھا۔ وہ خود بمبئی میں بیمار پڑا ہوا تھا۔ تصویریں باندرہ میں کیوں تکلیف کا شکار ہوتیں۔ ایسا لگتا ہے کہ ان کا بھی جنم اور مرن ہوتا ہے۔ سب تصاویر اپنے اپنے انجام کو پہنچی تھیں لیکن بابا کی تصویر اس طرح کے انجام سے کس طرح بچ گئی تھی اس کی وضاحت اب تک کوئی بھی مجھ سے نہ کر سکا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ بابا علم کا منبع تھے اور ہر شے میں موجود تھے۔ ان کی قوت کی تہہ تک پہنچنا کس کے بس کی بات تھی؟

علی محمد نے بہت عرصہ پہلے بابا عبد الرحمن کی ایک چھوٹی تصویر محمد حسین ٹوپن

"سائیں بابا کی عنایت اس کے لیے ہمیشہ موجود ہے جو اس کے دروازہ کو کھٹکھٹاتا ہے"۔

تھے۔ان دونوں نے جب دیکھا کہ کھانا لگ چکا ہے اور اسے کھانا شروع کرنے ہی والے ہیں تو انھوں نے اس بے موقع مداخلت پر ہیماڈ پنت سے معذرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا:-

"تم اپنی سیٹ چھوڑ کر بھاگے بھاگے آئے، دوسرے تمہارے انتظار کر رہے ہیں اس لیے مہربانی کر کے یہ اپنی چیز لے لیجیے۔ میں اس کے بارے میں ساری کہانی تمھیں بعد میں آکر بتاؤں گا"۔ یہ کہتے ہوئے اس نے پرانے اخبار میں لپٹا ہوا ایک پیکٹ اپنی بغل سے نکال کر میز پر رکھ دیا۔ ہیماڈ پنت نے پیکٹ کھول کر جب دیکھا تو اس کی حیرانی کی حد نہ رہی کہ اس میں سائی بابا کی ایک بہت ہی خوبصورت تصویر تھی۔ اسے دیکھ کر اس کا دل بھر آیا اور آنسو اس کی آنکھوں سے بہنا شروع ہو گئے۔ ساتھ ہی اس کے رونگٹے بھی کھڑے ہو گئے اور اس نے اپنا سر تصویر میں بابا کے قدموں پر رکھ دیا۔ اس نے سوچا بابا نے اسے اس کرامات کے ذریعے اپنی نیک دعاؤں سے نواز دیا تھا۔ اپنے تجسس کی تسکین کے لیے اس نے علی محمد سے پوچھا کہ اس نے یہ تصویر کہاں سے پائی جواب میں اس نے بتایا کہ اس نے اسے دکان سے خریدا تھا۔ باقی تفصیلات وہ اسے بعد میں آکر بتائے گا۔ پھر اس نے اسے کہا کہ وہ جا کر کھانا کھائے کیوں کہ سب لوگ اس کا انتظار کر رہے تھے۔ ہیماڈ پنت نے اس کا شکریہ ادا کیا اور دونوں کو خدا حافظ کہتے ہوئے کھانے کے کمرے میں لوٹ آیا۔ بابا کی تصویر اس مرکزی جگہ پر رکھ دی گئی جو مہمان کے لیے مخصوص کر دی گئی تھی اور اس پر نوید چڑھانے کے بعد سب لوگ کھانا کھانے لگے۔ جس کو انھوں نے وقت پر ختم کیا۔ تصویر میں بابا کی خوبصورت شبیہ کو دیکھ کر ہر فرد بہت خوش ہوا اور حیران تھا کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔

یہ ہے وہ طریقہ جس طرح سے بابا نے ہیماڈ پنت کے خواب میں کہے ہوا اپنے الفاظ کو پورا کیا۔ تصویر سے متعلق ساری کہانی کہ محمد علی نے اسے کس طرح پایا، اسے اس نے کیوں خرید کر ہیماڈ پنت کو دیا یہ سب تفصیلات اگلے باب میں دی گئی ہیں۔

وہ اکثر بابا کا دھیان کرتا تھا لیکن اس نے یہ کبھی نہ سوچا کہ بابا اس کے ہاں کھانا کھانے آئیں گے۔ تاہم بابا کے الفاظ سے بہت خوش ہو کر اس نے اپنی بیوی کے پاس جا کر کہا کہ چوں کہ آج ہولی کا دن ہے اس لیے ایک سنیاسی کھانا کھانے کے لیے آنے والا ہے، جس کے لیے چاول اور بنائے جائیں۔ بیوی نے جب مہمان کے بارے میں دریافت کرتے ہوئے پوچھا کہ وہ کون سنیاسی تھا اور کہاں سے آنے والا تھا تو اس نے اسے بہکانے کی بجائے یا اس لیے بھی کہ غلط فہمی پیدا نہ ہو، وہ سب کچھ سچ سچ کہہ دیا جو اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ بیوی نے شکوک کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ بابا وہاں کے مزیدار پکوان چھوڑ کر اتنی دور باندرا ان کی روکھی سوکھی روٹی کھانے آسکتے ہیں۔ ہیماڈ پنت نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا کہ ہو سکتا ہے بابا ان کے ہاں بذاتِ خود تشریف نہ لائیں بلکہ کسی مہمان کی صورت میں آجائیں اس لیے تھوڑے سے چاول اور بنانے سے ان کا کچھ بھی نہ جائے گا۔

اس کے بعد کھانے کی تیاری ہوتی رہی جو دوپہر تک تیار ہو گیا۔ پوجا کرنے کے بعد مورتیوں کو رنگوں کے نقش و نگار بنانے کے بعد سجادیا گیا۔ دو قطاروں کے بیچ میں ایک جگہ مہمان کے لیے چھوڑ دی گئی ہے۔ خاندان کے سبھی افراد جن میں بیٹے، پوتے، بیٹیاں اور داماد تھے آکر اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور کھانے کی اشیاء کو پیش کرنے کا کام شروع ہو گیا۔ جب یہ سب کچھ ہو رہا تھا تو سبھی لوگ مہمان کا انتظار کر رہے تھے لیکن بعد دوپہر ہو جانے پر بھی کوئی وارد نہ ہوا۔ تب دروازے کو بند کر کے اس کی زنجیر لگادی گئی۔ گھی پروسا گیا۔ یہ اشارہ تھا کہ کھانا شروع کیا جائے۔ اگنی دیوتا کو رسوماتی بھینٹ چڑھانے کے ساتھ ہی شری کرشن کو بھی نویدیہ چڑھادیا گیا اور اب سب لوگ کھانا شروع کرنے ہی والے تھے کہ سیڑھیوں پر سے قدموں کی آہٹ واضح طور پر سنائی دینے لگی۔ ہیماڈ پنت نے جلد ہی جا کر دروازہ کھولا اور دیکھا کہ وہاں دو آدمی علی محمد اور مولانا اسماجاور

ساتھ آؤں گا اور کیا وہ تینوں وقت پر نہیں آئے تھے؟ دیکھو اپنے قول کو رکھنے کے لیے میں اپنی جان بھی دے سکتا ہوں۔ میں اپنے الفاظ کے لیے جھوٹا نہیں ہو سکتا"۔ اس جواب نے جوگ کے دل کو مسرت عطا کی اور اس نے یہ سارا جواب دیو کو لکھ بھیجا۔ جیسے ہی دیو نے یہ خط پا کر پڑھا خوشی سے اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ لیکن اس نے بابا کو خواہ مخواہ الزام دینے کے لیے ذہنی طور پر خود کو سزا بھی دی۔ اس نے حیرانی سے سوچا کہ کس طرح چندے کے لیے سنیاسی کے پہلے دور نے اس کو دھوکہ دیا تھا اور کس طرح وہ سنیاسی کے الفاظ کی اہمیت کو نہ سمجھ پایا تھا کہ وہ دو اور لوگوں کے ساتھ کھانا کھانے آئے گا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جب بھگت خود کو پوری طرح ست گورو کے لیے وقف کر دیتے ہیں تو پھر گورو اس کا خیال رکھتا ہے کہ ان کے بھگتوں کے ہاں ہونے والی ساری مذہبی تقریبات پورے لوازمات کے ساتھ ادا کی جائیں۔

ہیماڈ پنت کا ہولی کا تہوار اور دعوت کی تقریب

آیئے اب ہم ایک اور کہانی کو لیں جو یہ ظاہر کرتی ہے کہ کس طرح بابا نے اپنی تصویر کی صورت میں ظاہر ہو کر اپنے بھگت کی خواہش کو پورا کیا۔

1917 ء میں پورے چاند والی رات کی ایک صبح کو ہیماڈ پنت(1) نے ایک خواب دیکھا کہ بابا نے ایک سنیاسی کی طرح لباس پہنے ہوئے نمودار ہو کر اسے جگایا اور کہا کہ وہ اس دن اس کے گھر کھانا کھانے کے لیے آئے گا۔ اس کا بیدار ہونا بھی خواب ہی کا حصہ تھا۔ مگر جب وہ خواب سے پوری طرح بیدار ہوا تو اس نے وہاں نہ تو سائی بابا کو اور نہ کسی سنیاسی کو دیکھا پھر جب اس نے خواب کو یاد کرنا شروع کیا تو اسے ایک ایک لفظ یاد آ گیا جو سنیاسی نے اس سے کہا تھا۔ اس کا پچھلے سات سال سے اگرچہ بابا سے رابطہ تھا اور

(1) ہیماڈ پنٹ اس کتاب کے اصلی مصنف ہیں۔ یہ واقع اُن کی اپنی زندگی کا ہے جب کہ دوسرے واقعات بابا کے دوسرے ہم عصر لوگوں نے اُنہیں بتائے یا کتابوں یا رسالوں میں بیان کئے ہیں۔

اس سے تعارف کرایا۔ دونوں پلیٹ فارم پر بیٹھ کر گفتگو کرنے لگے۔ مسٹر دیو نے اسے بتایا کہ حال ہی میں ایک اور سلسلے میں چندہ جمع کرنے کی فہرست تیار کی گئی تھی اس لیے ایک دوسری فہرست دوسرے چندے کے لیے اس وقت بنانا مناسب نہ ہوگا اس لیے بہتر ہوگا کہ اگر وہ دو یا چار ماہ کے بعد وہاں آئے یہ سن کر سنیاسی وہاں سے چلا گیا۔

کوئی ایک ماہ کے بعد سنیاسی ایک بار پھر وہاں ٹانگے میں آیا اور 10 بجے صبح دیو کے گھر کے سامنے آکر رکا۔ دیو نے سوچا کہ شاید چندے کے لیے آیا ہے۔ چناں چہ اسے رسومات کی تیاری میں مصروف پا کر سنیاسی نے کہا کہ وہ چندے کے لیے نہیں بلکہ کھانا کھانے کے لیے آیا ہے۔ دیو نے کہا: ''بہت اچھا، یہ سن کر خوشی ہوئی میں آپ کا خیر مقدم کرتا ہوں۔ یہ گھر آپ کا ہی ہے''سنیاسی نے کہا:

''میرے ساتھ دو لڑکے بھی ہیں'' ٹھیک ہے انھیں بھی لے آیئے'' دیو نے جواب دیا چوں کہ ابھی کھانے میں دو گھنٹے کا وقت تھا دیو نے اس سے پوچھا کہ اسے انھیں کہاں سے بلوانا ہوگا۔ جواب میں سنیاسی نے کہا کہ اس کی ضرورت نہیں وہ خود مقررہ وقت پر پہنچ جائے گا۔ دیو نے اسے دوپہر کے وقت آنے کے لیے کہا۔ چناں چہ پورے 12 بجے وہ تینوں آگئے اور کھانے میں شریک ہوگئے اور کھانا کھانے کے بعد وہ وہاں سے چلے گئے۔ جب رسومات ختم ہو گئیں تو دیو نے باپو صاحب جوگ کو بابا کے تشریف نہ لانے پر شکایت بھرا خط لکھا لیکن اس سے پہلے کہ وہ کھولا جاتا بابا نے یوں کہنا شروع کیا: ''افسوس ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ میں نے آنے کا وعدہ کر کے اسے دھوکہ دیا۔ اسے مطلع کرو کہ میں نے دو اور لوگوں کے ساتھ اس کے کھانے میں شرکت کی لیکن وہ مجھے پہنچاننے میں ناکام ہو گیا۔ اگر اس نے ایسا ہی کرنا تھا تو پھر اس نے مجھے بلایا ہی کیوں تھا۔''

''اس نے سوچا تھا کہ سنیاسی اس سے چندہ لینے آیا ہے۔ کیا میں نے اس سلسلے میں اس کے شکوک دور نہیں کیے اور کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں دو اور لوگوں کے

شریمتی دیو کی رسمِ ادیاپن

شری بی۔ وی۔ دیو ضلع تھانے کے ڈھانو کا معالمت دار تھا۔ اس کی والدہ نے 25 یا 30 منتیں ماننے کے ساتھ ہی ساتھ ادیا پن کی ایک رسم ادا کرنے کا بھی عہد کیا تھا۔ چناں چہ اس سلسلے میں ایک رسم ادا کرنا مقصود تھی۔ اس رسم میں 100 سے 200 براہمنوں کو کھانا کھلانا بھی شامل تھا۔ مسٹر دیو نے ایک تاریخ طے کر کے باپو صاحب جوگ کو خط لکھ کر اس سے درخواست کی کہ وہ اس کی طرف سے بابا کو رات کے کھانے میں شریک ہونے کی درخواست کریں اور یہ بھی کہیں کہ ان کے بغیر یہ تقریب مناسب طور پر مکمل نہ ہو گی۔ باپو صاحب جوگ نے بابا کو خط پڑھ کے سنایا۔ بابا نے صدق دلی سے دی گئی دعوت کو نوٹ کرتے ہوئے کہا:۔

"مجھ کو جو بھی یاد کرتا ہے سب اس کے بارے میں ہر وقت سوچتا رہتا ہوں۔ مجھے کسی سواری، گاڑی، ٹانگے، ریل گاڑی یا جہاز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسے ایک اچھا سا جواب دیتے ہوئے لکھو کہ ہم تینوں یعنی میں تم اور تیسرا شخص وہاں جاکر تقریب میں شرکت کریں گے۔ جوگ نے دیو کو وہی اطلاع دی جو بابا نے فرمایا تھا۔ دیو کو یہ جان کر بہت خوشی ہوئی لیکن اسے معلوم تھا کہ بابا کہیں بھی شریری طور پر نہیں جاتے سوائے راہتا، روئی اور نیم گاؤں کے۔ اس نے یہ بھی سوچا کہ بابا کے لیے کوئی بات مشکل نہ تھی کیوں کہ وہ ہر چیز میں موجود تھے اور ممکن تھا کہ وہ اچانک کسی وقت بھی کسی شکل میں آجائیں اور اپنے کہے ہوئے الفاظ کو پورا کر دیں۔۔

اس سے کچھ دن پہلے بنگالی لباس میں ایک سنیاسی جس کا کہنا تھا کہ وہ گئو رکشا کا کام کر رہا ہے ڈانہو کے اسٹیشن ماسٹر کے پاس چندہ لینے کی غرض سے آیا۔ آخر الذکر نے اسے کہا کہ وہ قصبے میں جاکر معاملہ دار شری دیو سے مل کر چندہ جمع کرنے میں اس کی مدد حاصل کرے۔ عین اسی وقت معاملہ دار وہاں آگیا۔ چناں چہ اسٹیشن ماسٹر نے سنیاسی کا

تینتیسواں باب

بابا کی کہانی

[(1) شریمتی دیو اور دوسرے اشخاص کے ادیا پن کی تقریب میں سنیاسی کے طورپر بابا کی شرکت۔
(2) بابا کا تصویر کی شکل میں ہیماڈ پنت کے مکان میں ظاہر ہونا]

ابتدائیہ

جے ہو شری سائی سمرتھ کی جو دنیاوی اور روحانی دونوں طرح کے معاملات میں اپنے بھگتوں کو تعلیم دیتے ہیں اور زندگی کے مقاصد کو حاصل کرنے کے قابل بنا کر انھیں خوشی عطا کرتے ہیں۔ سائی بابا ان کے سر پر ہاتھ رکھ کر اپنی قوت ان میں منتقل کرتے اور ان کے اندر موجود تفریق کے احساسات کو ختم کر کے انھیں حاصل نہ ہو سکنے والی چیز کو حاصل کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ بابا بھگتوں کو گلے لگاتے ہیں، وہ جو خود کو ان کے سامنے جھکاتے اور تفریق یا دوئی کے احساس سے عاری ہو کر اس کے سامنے سجدہ کرتے ہیں۔ سائی بھگتوں کے ساتھ مل کر خود بھی بھگت بن جاتے ہیں، جس طرح برسات کے موسم میں دریا سمندر کے ساتھ مل کر ایک ہو جاتے ہیں اور سمندر اپنی طاقت ان میں منتقل کر دیتا ہے۔ جو خدا کے بھگتوں کی لیلاؤں کے گیت گاتا ہے خدا کو اتنا ہی یا اس سے زیادہ پیارا ہوتا ہے جتنا کہ صرف خدا کی قدرت کے گیت گانے والا ہوتا ہے۔

مورت بنانے کا بھی حکم دیا گیا۔ لیکن اس سے پہلے کہ وہ مکمل ہو ایک اور بات ہو گئی۔ بابا بہت بیمار ہو گئے اور انتقال کرنے ہی والے تھے۔ باپو صاحب یہ سوچتے ہوئے بہت مایوس و ناامید ہو گیا کہ اگر بابا انتقال کر جاتے ہیں تو بابا کے قدموں سے واڑا کو متبرک بنانے کا کام نہ ہو سکے گا اور تعمیر پر خرچ آنے والا سارا سرمایہ جو تقریباً ایک لاکھ روپے تھا ضائع ہو جائے گا۔ لیکن انتقال سے تھوڑی دیر پہلے بابا کے منہ سے نکلے ہوئے ان الفاظ نے کہ "مجھے واڑا میں رکھو یا لے چلو" نے نہ صرف باپو صاحب کی ڈھارس بندھائی بلکہ سب کو اطمینان دلا دیا۔ چناں چہ وقت آنے پر بابا کے جسم کو مرکزی کمرے میں رکھا گیا بابا ہی مرلی دھر بن گئے اور اس طرح واڑا سائی بابا کا سادھی مندر بن گیا۔ بابا کی شاندار زندگی ناقابلِ بیان ہے۔ اس کہ گہرائی کو کوئی ماپ نہیں سکتا۔

باپو صاحب بوٹی بہت خوش نصیب ہے جن کے واڑا میں بابا کا مقدس اور پاک جسم رکھا ہوا ہے (بابا کے سامنے جھکیے۔ سب کو شانتی ملے)

بھی ہو۔ شاما جو کہ ابھی وہاں سویا ہوا تھا۔ اسے بھی ایک ایسا ہی خواب آیا۔ جب وہ جاگا تو اس نے شاما کو چلاتے ہوئے دیکھ کر اس سے دریافت کیا کہ وہ کیوں چلا رہا تھا۔ آخر الذکر نے جواب دیا کہ اس کے خواب میں بابا نے آکر کہا کہ واڈا کے ساتھ مندر بناؤ۔ میں سب کی خواہشات پوری کروں گا۔ بابا کے یہ پیارے الفاظ سن کر میں جذباتی ہو گیا میری آواز گھٹ گئی۔ میری آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور میں چلانے لگا“ بابو صاحب حیران تھا کہ ان دونوں کے خواب کتنے ملتے تھے۔ امیر ہونے کی وجہ سے اس نے وہاں ایک واڈا تعمیر کرنے کا فیصلہ کیا اور شاما کے ساتھ مل کر اس کا ایک منصوبہ تیار کیا۔ کاکا صاحب دیکشت نے بھی اسے منظوری دے دی۔ چناں چہ پھر باقاعدہ تعمیر کا کام شروع ہوا اور شاما کی سرپرستی میں زمینی فرش تہہ خانہ اور ایک کنواں تعمیر کیے گئے۔ بابا بھی لینڈی کی طرف آتے جاتے کچھ نہ کچھ مشورے بہتری کے لیے دیتے رہتے۔ باقی کا کام باپو صاحب جوگ کے سپرد کیا گیا اور جب کام چل رہا تھا تو بابو صاحب بوٹی کے من میں ایک خیال آیا۔ وہاں ایک کھلا ہوا کمرہ یا پلیٹ فارم بھی ہونا چاہیے جس کے درمیان میں مرلی دھر (بھگوان کرشن) بھی نصب کیا جائے۔ اس نے شاما سے کہا کہ وہ بابا سے بات کر کے ان کی منظوری حاصل کر لے۔ آخر الذکر نے بابا سے یہ بات اس وقت کی جب کہ وہ ادھر سے گزر رہے تھے۔ شاما کی بات سن کر بابا نے یہ کہتے ہوئے منظوری دیدی۔:”مندر تعمیر ہونے کے بعد میں وہاں رہنے کے لیے آؤں گا“ اور واڈا کو گھورتے ہوئے مزید اضافہ کیا“ واڈا کی تکمیل کے بعد ہم اسے خود استعمال کریں گے“ ”ہم وہاں رہیں گے کھیلیں گے اور ایک دسرے کو گلے لگاتے ہوئے بہت خوش ہوں گے“ تب شاما نے دریافت کیا کہ کیا یہ مرکزی کمرے کی تکمیل کا کام شروع کرنے کا مبارک و مناسب وقت تھا۔ آخر الذکر نے اثبات میں جواب دیا۔ تب شاما نے ناریئل تڑوا کر کام شروع کیا۔ تعمیر کا کام وقت پر مکمل ہوا۔ اس کے بعد مرلی دھر کی

ہوئے ہیں اور آیا وہ ایک دوسرے سے مختلف یا ایک ہی ہیں۔ اس کو یہ بتانا اور اس کی جہالت کو ختم کرنا ہی گیان میں منتقل کرنے کی تعلیم ہے۔ جاندار کو گیان کیوں دیا جائے اگر وہ خود گیان کی مورتی ہے۔ دراصل اپدیش کا مقصد صرف اس کو اس کی غلطی دکھانا اور اس کی جہالت کو ختم کرنا ہے۔ بابا نے مزید اضافہ کرتے ہوئے کہا:-

"(1) "پرنپات" کا مطلب خود کو گورو کی پناہ میں کرنا ہے۔ (2) جسم، من اور دولت تینوں کو گورو کو وقف کرنا چاہیئے۔ (3) کرشن ارجن کو دوسرے گیانیوں سے ملنے کے لیے کیوں کہتے ہیں۔ سچا بھگت جو ہے وہ ہر چیز کو واسودیو سمجھتا ہے۔ (بھگت کے لیے ہر گورو بھگوان کرشن ہے) اور گورو اپنے شاگرد کو واسودیو سمجھتا ہے اور بھگوان کرشن ان دونوں کو اپنی جان یا آتما سمجھتے ہیں۔ (گیتا 17-18 پر گیان دیو کی شرح) چوں کہ بھگوان کرشن جانتے ہیں کہ ایسے گورو اور بھگت ہیں اس لیے وہ ارجن کو ان کی طرف بھیجتے ہیں تاکہ ان کی عظمت میں اضافہ ہو۔"

سمادھی مندر کی تعمیر

بابا جو کچھ بھی کرنا چاہتے اس کے بارے میں وہ کسی سے پہلے بات نہ کرتے بلکہ وہ حالات و واقعات کی ترتیب ایسے منجھے ہوئے انداز میں عمل میں لاتے کہ لوگ ان کی دھیمی رفتار میں حاصل ہونے والے یقینی نتائج کو دیکھ کر حیران ہو جاتے۔ اس سلسلے میں سمادھی مندر کی تعمیر کو مثال کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ شریمان بابا صاحب بوٹی جو ناگپور کا کروڑپتی تھا اپنے اہل و عیال کے ساتھ شرڈی میں رہتا تھا۔ ایک بار اس کے من میں خیال آیا کہ شرڈی میں اس کی اپنی ایک عمارت ہونی چاہیئے۔ اس کے کچھ وقت کے بعد ایک دن جب کہ وہ دیکشت کے واڑا میں سویا ہوا تھا اس نے ایک خواب دیکھا بابا نے اس کے خواب میں آکر اسے حکم دیا کہ وہ اپنا الگ واڑا تعمیر کرے جس کے ساتھ مندر

کو پوشیدہ رکھتے ہیں کہ وہ شدھ چیتن ہے (گیتا باب 5 کے اشلوک 15 کو دیکھیے) اس میں بیان ہوا ہے کہ آدمی کو دھوکہ ہوتا ہے کہ میں ایک جاندار ہوں جو بے سہارا اور غریب ہے "گورو جہالت کی جڑوں کو ہٹا کر تعلیم دیتا ہے۔ بھگت یا شاگرد کئی جنموں تک اس خیال کے زیر اثر رہتا ہے کہ وہ ہیچ اور غریب ہے۔ گورو اس کو سینکڑوں جنموں تک یہ تعلیم دیتا رہتا ہے کہ تم بھگوان ہو، تم سب سے زیادہ طاقتور اور قابل ہو" پھر وہ تھوڑا سا محسوس کرنے لگتا ہے کہ وہ واقعی تھے۔ کبھی نہ ختم ہونے والے دھوکے جس کے زیر اثر شاگرد جیتا ہے کہ وہ ایک جسم ہے ایک جاندار ہے۔ یہ خدا اور دنیا اس سے مختلف ہیں۔ ایسا وہم ہے جو اسے پچھلے جنموں سے ورثے میں ملا ہوتا ہے۔ اسی پر انحصار رکھنے والے اعمال سے اس نے خوشی، غم اور دونوں کی ملی جلی کیفیات حاصل کی ہوتی ہیں اس دھوکے، اس وہم اور بنیادی جہالت کو ختم کرنے کے لیے اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ تلاش و جستجو کا عمل شروع کرے کہ جہالت کیسے پیدا ہوئی؟ وہ کہاں ہے؟ اور اس کو یہ دکھانا یا ان سوالوں کے جواب تک پہنچانا ہی دراصل گورو کا اپدیش کہلاتا ہے۔ گیان کی مثالیں حسبِ ذیل ہیں:-

(1) میں ایک جاندار ہوں

(2) جسم ہی روح ہے (میں جسم ہوں)

(3) خدا، دنیا اور جاندار ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

(4) میں خدا کا ذرہ نہیں ہوں۔

(5) میں نہیں جانتا کہ جسم روح نہیں ہے۔

(6) نہیں جانتا کہ خدا، دنیا اور جاندار ایک ہیں۔

"جب تک ان غلطیوں کو شاگرد کے شعور میں نہ لایا جائے وہ یہ نہیں جان سکتا کہ خدا، جاندار، دنیا جسم کیا ہیں۔ وہ کس طرح سے ایک دوسرے سے رشتے میں بندھے

بابا:- گیان کی تعلیم کیا ہے؟ جہالت کو ختم کرنا عرفان (گیتا پر تبصرہ کرتے ہوئے گیانیشوری شرح کے 1396ویں اشلوک میں لکھا ہے اے ارجن جہالت کو دور کرنا ایسا ہی ہے جیسے نیند اور خواب کے غائب ہونے پر تمہارا خود کو پانا۔ یہ ویسا ہی ہے۔ گیتا پر تبصرے میں ایک جگہ اور لکھا ہے: ''جہالت کے خاتمے کے علاوہ گیان میں کیا کوئی اور منفرد بات بھی شامل ہے؟ اندھیرے کو دور کرنے کے معنی روشنی کے ہیں دوئی کو ختم کرنے کے معنی اکائی یا وحدت کے ہیں۔ ہم جب بھی دوئی کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں تو دراصل ہم دوئی نہ ہونے کی بات کرتے ہیں۔ ہم جب بھی اندھیرے کو ختم کرنے کی بات کرتے ہیں تو دراصل ہم روشنی کے بارے میں بات کر رہے ہوتے ہیں۔

''اگر ہم دوئی نہ ہونے کی حالت کو پانا ہے تو ہمارے اندر موجود دوئی کے احساس کو دور کرنا ضروری ہے۔ یہی دوئی نہ ہونے کی حالت کو پانا ہے۔ دوئی کی حالت میں رہتے ہوئے کون دوئی نہ ہونے کی حالت کا ذکر سکتا ہے۔ جب تک کوئی ویسی حالت میں داخل نہیں ہوتا۔ یعنی اس سے نہیں گزرتا تب تک وہ اسے کس طرح جان پایا سکتا ہے۔

شاگرد یا پیروکار بھی ست گورو کی طرح گیان کی تجسیم ہے

''ان دو کے درمیان فرق اعلا درجے کی معرفت، فوق بشری وجودیت اور لاثانی استطاعت اور روحانی قوت کا ہوتا ہے۔ ست گورو نرگن ست چت آنند ہے۔ اس نے انسانی روپ محض انسانیت کو بلند کرنے اور دنیا کو اوپر اٹھانے کے لیے اختیار کیا ہوتا ہے۔ لیکن اس سے اس کی نرگن ہونے کی فطرت کو ذرا بھی نقصان نہیں پہنچتا۔ اس کی حقیقت روحانی قوت اور دانش وری ذرا بھی کم ہوئے بغیر رہتی ہے۔ بھگت یا شاگرد بھی حقیقت میں اسی روپ کا حاصل ہوتا ہے لیکن اس پر بے شمار جنموں کے کرموں کے اثرات جہالت یا لاعلمی کی صورت میں چھائے رہتے ہیں، جو اس کی نظر سے اس حقیقت

نے پوچھا۔ ناتا۔

"مجھے نہیں سمجھ میں آتا کہ کس طرح اگیان کو استعمال کرنے سے بہتر معنی نکل سکتے ہیں" بابا نے جواب دیا۔ بابا نے پھر سوال کیا:-

"بھگوان کرشن نے کیوں ارجن کو "گیانیوں" یا عارفوں کے سامنے سر جھکانے ان سے سوال و جواب کرنے اور ان کی خدمت کرنے کے لیے بھیجا۔ کیا بھگوان کرشن خود "تتو درشی" یعنی مجسم عرفان نہیں تھے؟۔

"ہاں وہ تھے لیکن میری سمجھ میں نہیں آتا کہ انھوں نے ارجن کو گیانیوں کے پاس جانے کے لیے کیوں کہا" ناتا نے جواب دیا۔

بابا نے اب آخری سوال کرتے ہوئے کہا:- "کیا تم یہ نہیں سمجھ سکے ہو" ناتا کو بڑی سبکی محسوس ہوئی۔ اس کے غرور کا سر نیچا ہو چکا تھا۔ تب بابا نے وضاحت کرنا شروع کیا:

(1) گیانیوں کے سامنے سجدہ کرنا یا سر جھکانا کافی نہیں ہے۔ ہمیں خود کو پوری طرح ست گورو کی خدمت کے لیے وقف کر دینا چاہیے۔

(2) محض سوال کرنا کافی نہیں ہے۔ سوال کسی غلط مطلب یا نیت سے نہیں کرنا چاہیے یا گورو کو پھانسنے یا جواب دیتے ہوئے اس کی غلطیوں کو پکڑنے یا محض تجسس کی خاطر نہیں کرنا چاہیے۔ وہ لازمی طور پر سنجیدہ ہونا چاہیے اور موکش یا نجات حاصل کرنے کے لیے یا روحانی ترقی کی خاطر کیا جانا چاہیے۔

(3) انسان میں اگر یہ احساس ہو کہ اسے خدمت کرنے یا نہ کرنے کی آزادی حاصل ہے تو وہ خدمت نہیں کہلا سکتی۔ انسان کو یہ احساس ہونا چاہیے کہ وہ اپنے جسم کا مالک نہیں ہے۔ جسم کا مالک گورو ہے اور اس کے وجود کا مقصد صرف اس کی خدمت کرنا ہے۔ ست گورو تمہیں گیان حاصل کرائیں گے جس کا ذکر اشلوک میں ہوا ہے۔

ناتا کو یہ سمجھ میں نہ آسکا کہ گورو کیسے گیان سکھاتا ہے۔

نے بھگوت گیتا کے چوتھے باب کا 34واں اشلوک پڑھا۔ بابا نے دریافت کیا کہ کیا وہ اسے سمجھتا ہے۔ اس نے ہاں میں جواب دیا "اگر جانتے ہو تو مجھے بھی بتاؤ" بابا نے تقاضا کیا۔ نانا نے وضاحت کرتے ہوئے پورے اشلوک کا مجموعی مفہوم پیش کیا۔ بابا نے کہا: میں اس طرح کا مجموعی مفہوم نہیں جاننا چاہتا۔ مجھے ایک ایک لفظ کے معنی اور اس کی قواعدی قوت بتاؤ۔ تب نانا نے اس کے ایک ایک لفظ کے معنی بیان کیے۔ بابا نے سن کر کہا: کیا محض سجدہ کرنا کافی ہے؟ "مجھے پرنبات" لفظ کے سجدے کے علاوہ اور کوئی معنی نہیں آتے" اس نے جواب دیا۔ بابا نے پھر پوچھا۔ "پری پرشن لفظ کے معنی کیا ہیں؟۔

نانا:۔ "وہی سوال پوچھنا۔ بابا":۔ اگر "پری پرشن" کا مطلب وہی ہے جو پرشن کا ہے تو پھر ویاس نے اس لفظ کے ساتھ "پری" کا سابقہ کیوں لگایا۔ کیا ویاس ایسا کرتے ہوئے اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا" بابا نے سوال کیا جس کا جواب دیتے ہوئے نانا نے پھر کہا: "پری پرشن کے اور کوئی معنی میں نہیں جانتا"۔

بابا نے ایک بار پھر کہا "سیوا سے یہاں کس طرح کی سیوا مراد ہے" "بس وہی جو ہم ہمیشہ کرتے چلے آرہے ہیں" جواب ملا۔ کیا ایسی خدمت کرنا کافی ہے؟ بابا نے پوچھا۔

نانا نے کہا:۔ میں نہیں جانتا کہ سیوا لفظ میں اور کیا چیز اہم یا امتیازی ہے" بابا سے نہ رہا گیا انھوں نے کہا: اگلی سطر میں لفظ "اپدیشتی" میں گیانم کی جگہ کوئی بھی دوسرا لفظ پڑھ سکتے ہو؟ "ہاں" نانا نے اثبات میں جواب دیا۔

بابا مثلاً:۔ کون سا لفظ:۔ نانا اگیانم:۔ بابا کیا گیان کی جگہ اس لفظ کو استعمال کر کے اشلوک کے کوئی معنی نکل سکتے ہیں" نانا:۔ نہیں شنکر بھاشیہ شرح ایسی کسی ساخت کو پیش نہیں کرتا"۔

"پرواہ مت کرو اگر وہ کوئی ساخت پیش نہیں کرتا لیکن اگر اگیان کا لفظ استعمال کرنے سے بہتر معنی حاصل ہوتے ہوں تو کیا اس کے استعمال پر کوئی اعتراض ہے؟" بابا

کو سکون و طمانیت عطا کرتے رہے۔

بابا کی وضاحت

کسی کو بھی یقین نہ تھا کہ بابا کو سنسکرت آتی ہے۔ انھوں نے نانا صاحب چندور کر کو گیتا کے ایک شعر کی وضاحت کر کے سب کو حیران کر دیا۔ اس واقعے کی مختصر روداد مسٹر بی۔ وی۔ دیو ریٹائرڈ معاملہ دار نے مراٹھی زبان میں لکھ کر شری سائی لیلا میگزین کی جلد 4 کے صفحہ 562 پر شائع کرائی تھی۔ اس روداد کا خلاصہ ''بابا کے اصول و اقوال'' کے صفحہ 61 پر اور ''عجیب و غریب سائی بابا'' صفحہ 36 پر کیا گیا ہے۔ ان دونوں کتابوں کو بھی۔ وی نرسمہاراؤ سوامی نے لکھا ہے۔ بی۔ وی۔ دیو نے انگریزی میں 7/ستمبر 1936ء کو ایک بیان میں بھی کیا ہے جو ''بھگتوں کے تجربات حصہ سوئم'' نامی کتاب کے صفحہ 66 پر سوامی نے شائع کیا ہے۔ مسٹر دیو کو چوں کہ نانا صاحب سے اس موضوع پر براہِ راست معلومات حاصل ہیں اس لیے ہم یہاں پر اسی کے بیان کو پیش کرتے ہیں۔

نانا صاحب چندور کر ویدانت کا ایک اچھا طالب علم تھا۔ اس نے گیتا کو ساری تفسیروں کی مدد سے پڑھا تھا اور اسے اپنے علم پر بڑا فخر تھا۔ وہ سوچتا تھا کہ بابا سنسکرت کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ چناں چہ ایک دن بابا نے بلبلے کو چھو کر ساری ہوا نکال دی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے۔ جب ابھی لوگوں نے جوق در جوق بابا کے پاس آنا شروع نہیں کیا تھا۔ جب بابا اس طرح کے بھگتوں کے ساتھ مسجد میں تنہائی میں بات چیت کرتے تھے۔ نانا بابا کے پاس بیٹھ کر ان کی ٹانگوں کی مالش کرتے ہوئے منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ بابا نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کیا بڑبڑا رہا ہے۔ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ سنسکرت کا ایک اشلوک پڑھ رہا ہے۔ کون سا اشلوک؟ بابا نے پھر دریافت کیا۔

''بھگوت گیتا سے'' اس نے جواب دیا۔ ''ذرا زور سے پڑھو'' بابا نے کہا۔ اس پر نانا

تیسواں باب

باباکوسنسکرت کی معلومات

[(1) بابا کی گیتا کے ایک اشلوک کی وضاحت(2) سمادھی مندر کی تعمیر۔]

اس باب کا تعلق بھگوت گیتا کے ایک شعر کی بابا کی طرف سے کی گئی وضاحت سے ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ بابا کو سنسکرت زبان نہیں آتی اس لیے متذکرہ وضاحت، ناناصاحب چندورکر کی کی ہوئی ہے۔ ہیماڈپنت نے اس اعتراض کی تردید کے لیے اصلی مراٹھی کتاب میں یہ باب لکھا۔ وہ باب چوں کہ اسی موضوع سے تعلق رکھتا ہے اس لیے اسے اس باب کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔

ابتدائیہ

متبرک ہے شرڈی اور متبرک ہے دوارکامائی جہاں شری سائی اس وقت تک چلتے پھرتے رہے۔ جب تک کہ انہوں نے سمادھی اختیار نہ کی۔ شرڈی کے لوگ بھی متبرک ہیں جن پر احسان کرتے ہوئے بابا اتنے دور چلے آئے۔ شرڈی پہلے ایک چھوٹا گاؤں تھا لیکن ان کے تعلق و واسطے سے وہ ایک مقدس تیرتھ استھان بنتے ہوئے ایک اہم مقام کا درجہ حاصل کر گیا۔ اسی طرح شرڈی کی خواتین بھی مقدس ہیں اور مقدس ہے بابا میں ان کا غیر منقسم اور کلی اعتقاد۔ وہ نہاتے، اناج کو پیستے، کوٹتے اور گھر کے دوسرے کام کاج کرتے ہوئے بابا کی شان میں گیت گاتی رہیں۔ مقدس ہے ان کی بابا کے تئیں محبت جس کی وجہ سے وہ میٹھے گیت گاتی رہیں جو گانے اور سننے والوں کے من

اس کا انتقال ہو گیا۔

قارئین کرام ہمیں ہیماڈ پنت کا شکریہ ادا کرنا چاہیے۔ اس نے خود تو چھاچھ لسی کا پیالہ پیا لیکن ہمارے لیے بابا کی لیلاؤں کی شکل میں امرت کا خاصا ذخیرہ (یعنی بابا کی یہ سوانح حیات) چھوڑ گیا۔ آیئے ہم اس امرت کے پیالوں پر پیالے پئیں اور خوشی و اطمینان سے زندگی گزاریں۔

ایک طرف اور دوسری دوسری طرف ہوتی، کھانا کھانے بیٹھ جاتے۔ بھگت جو نوید لے کر آتے اپنی پلیٹوں کو جن میں طرح طرح کی کھانے کی چیزیں ہوتی جیسے پوریاں، مانڈے، باسندی، سانزا، اچھی قسم کے چاول وغیرہ اندر کی طرف بڑھادیتے اور باہر کھڑے انتظار کرتے رہتے تاکہ بابا انھیں پاک کرکے انھیں پرشاد سے نوازیں۔ ساری کھانے کی چیزوں کو ایک دوسرے میں ملاکر بابا کے سامنے رکھا جاتا۔ وہ ان سب کو خدا کو بھینٹ کرکے متبرک بناتے پھر اس کے حصے باہر انتظار کررہے لوگوں میں تقسیم کیے جاتے اور جو باقی بچ جاتا وہ اندر بیٹھے ہوئے حضرات جن کے مرکز میں بابا خود بیٹھے ہوتے کو کھلایا جاتا۔ بابا کے دونوں طرف بیٹھے ہوئے بھگت اس کو پیٹ بھر کر کھاتے۔ بابا شاما اور ناناصاحب نمونکر کو روزانہ یہ متبرک کھانا اندر بیٹھے سب لوگوں کو کھلانے اور ان کی انفرادی ضرورتوں کو پورا کرنے اور ان کے آرام و آسائش کا خیال رکھنے کے لیے کہتے۔ یہ کام وہ خوشی سے اور بڑے دھیان سے انجام دیتے۔ اس غذا کا کھایا ہوا ہر نوالہ انھیں طاقت اور اطمینان عطا کرتا۔ ایسی متبرک اور خوش ذائقہ یہ غذا تھی۔ ہمیشہ مبارک اور متبرک و مقدس۔

مٹھے کا پرشاد

ایک دن ہیماڈپنت نے اس غذا کو دوسروں کے ساتھ مل کر پیٹ بھر کے کھایا تھا کہ بابا نے اسے چھاچھ (مٹھا) کا پیالہ پینے کے لیے پیش کیا۔ اس کی سفیدی دیکھ کر پنت خوش تو ہوا لیکن اس کے پیٹ میں اب اس کے لیے جگہ نہ تھی۔ بہر حال اس نے ایک چسکی لی جو اسے بڑی مزیدار لگی۔ اس کے پس و پیش کو دیکھتے ہوئے بابا نے اس سے کہا:-

"اس سارے کو پی جاؤ اس کے بعد تمہیں اس کو پینے کا موقع نہیں ملے گا"۔ اس نے اسے پی لیا لیکن بابا کے یہ الفاظ ایک پیشن گوئی ثابت ہوئے کیوں کہ اس کے بعد جلد ہی

مسلمان ہوتے تو کانوں کو کیسے پڑوا سکتے اور ہندو مندروں کی مرمت پر اپنی جیب سے پیسا خرچ کرتے۔ اس کے برعکس وہ ہندو تیرتھ استھانوں اور دیوتاؤں کی بے احترامی ہرگز برداشت نہ کرتے تھے۔

ایک دفعہ نانا صاحب چندورکر اپنے ہم زلف مسٹر بنی والے کے ساتھ شرڈی آئے۔ جب وہ مسجد جا کر بابا کے سامنے بیٹھے گفتگو کر رہے تھے تو اچانک بابا نانا صاحب سے ناراض ہو کر ان سے یوں مخاطب ہوئے: "تم اتنے لمبے عرصے سے میری صحبت میں ہو پھر بھی کیسے تم ایسا کرتے ہو؟" پہلے تو نانا صاھب کو سمجھ ہی نہ آیا کہ کیا بات ہے اس لیے اس نے بڑے ادب سے بابا سے وضاحت کرنے کی درخواست کی۔ بابا نے اس سے پوچھا کہ وہ کب کوپر گاؤں آئے اور وہاں سے وہ کس طرح شرڈی پہنچے۔ تب نانا صاحب کو اپنی غلطی کا ایکدم احساس ہوا۔ وہ شرڈی آتے ہوئے اکثر کوپر گاؤں میں گوداوری کے کنارے واقع داتا کے تیرتھ استھان کی پوجا کرتا۔ اس بار دیر ہو جانے کے ڈر سے اس نے اپنے رشتہ دار کو جو داتا کا بھگت تھا اس تیرتھ استھان کی طرف نہ جانے دیا اور سیدھے چلے آئے۔ اس نے اس ساری بات کا بابا کے سامنے اقرار کرتے ہوئے کہا کہ گوداوری ندی میں نہاتے ہوئے ایک بڑا کانٹا اس کے پاؤں میں چبھ گیا جس سے اسے بڑی تکلیف ہوئی۔ بابا نے کہا کہ وہ صرف ذرا سی سزا تھی جو اسے اس غلطی کے لیے دی گئی۔ آئندہ اس بات کا خیال رکھنے کی بابا نے تنبیہ کی۔

نوید تبرک کی تقسیم

نوید کی تقسیم کی طرف لوٹتے ہوئے ہم آپ کو بتاتے ہیں کہ جب آرتی ختم ہو جاتی اور بابا سب کو اودی اور دعاؤں کے ساتھ واپس بھیج دیتے تو وہ اندر جا کر پردے کے پیچھے ممبر کی طرف بیٹھ کر بھگتوں کی دو قطاروں کے ساتھ جن میں سے ایک ان کی

پیدا ہوتی ہے تو وہ اپنے ہاتھ سے بچے کی چٹکی بھر لیتی ہے اور جب وہ چیخنے چلانے لگتا ہے تو وہ اسے بھینچ کر چھاتی سے لگا لیتی ہے۔ اسی طرح بابا، ماں کی سچی محبت کی طرح، دادا کیلکر کے چٹکی بھرتے۔ یقیناً کوئی ست گورو یا سنت اپنے کٹر بھگت کو ممنوعہ غذا کھانے پر مجبور نہیں کریں گے۔

ہانڈی کا یہ سلسلہ 1910 تک اسی طرح چلتا رہا۔ اس کے بعد بند کر دیا گیا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا داس گنو نے اپنے کیر تنوں کے ذریعے بابا کی شہرت بمبئی پریزنڈنسی میں دور دور تک پھیلا دی اور لوگ دور دور سے آ کر شرڈی میں جمع ہونے لگے جس نے چند دنوں کے لیے زیارت گاہ کا درجہ حاصل کر لیا۔ بھگت طرح طرح کی چیزیں بھینٹ چڑھانے کے لیے اپنے ساتھ لانے لگے اور بہت سے پکوان نوید کے طور پر چڑھانے لگے۔ اس نوید کی مقدار اتنی زیادہ ہوتی کہ بھکاری اور فقیروں کے پیٹ بھر کے کھانے کے بعد بھی بہت سی بچ جاتی۔ نوید کس طرح سے تقسیم کیا جاتا تھا یہ بتانے سے پہلے ہم ناناصاحب چندورکر کی کہانی پیش کریں گے جس سے یہ واضح ہو گا کہ بابا مقامی زیارت گاہوں اور دیوی دیوتاؤں کا کس قدر احترام کرتے تھے۔

ناناصاحب کا ایک زیارت کا احترام نہ کرنا

اندازہ لگا کر یا قیاس کرتے ہوئے کچھ لوگوں کا کہنا تھا کہ بابا برہمن ہیں اور کچھ کے مطابق مسلمان۔ حقیقت میں وہ کسی ذات سے تعلق نہ رکھتے تھے کسی کو یقینی طور پر معلوم نہ تھا کہ وہ کب پیدا ہوئے کس طبقے سے تعلق رکھتے تھے اور کون ان کے ماں باپ تھے۔ پھر وہ کس طرح مسلمان یا براہمن ہو سکتے تھے اور وہ مسلمان ہوتے تو وہ مسجد میں کس طرح دھونی کو ہر وقت جلائے رکھتے۔ وہاں کس طرح تلسی کا ورنداون ہوتا، کیسے شنکھ یا گھنٹیاں یا موسیقی بجاتے یا کس طرح ہندو پوجا پاٹھ کی رسمیں وہاں ادا کر سکتے۔ اگر وہ

جواب یہ ہے کہ جو لوگ گوشت کھانے کے عادی تھے ان کو گوشت والا کھانا ہانڈی سے پرساد کے طور پر دیا جاتا تھا اور جو اس کے عادی نہ تھے انھیں اس کو چھونے کی بھی اجازت نہ تھی۔ وہ ان میں ایسی خوراک کھانے کی چاہت یا خواہش بھی پیدا نہ ہونے دیتے۔ یہاں ایک تسلیم شدہ اصول یہ ہے کہ جب گورو کسی چیز کو پرشاد کے طور پر خود دیتا ہے تو وہ بھگت جو یہ شک کرتا ہے کہ کیا وہ قابل قبول ہے یا نہیں وہ تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کسی بھگت نے یہ اصول کس حد تک اپنے اندر جذب کر لیا ہے بابا کبھی کبھی اس کی آزمائش بھی کرتے۔ مثلاً ایک اکادشی کے دن انھوں نے دادا کیلکر کو کچھ روپے دے کر کہا کہ وہ رہالہ جا کر وہاں سے گوشت خرید لائے۔ دادا کیلکر ایک کٹر براہمن تھا اور وہ سارے آداب کی عمر بھر شدت سے پابندی کرتا رہا۔ اسے معلوم تھا کہ دولت، اناج اور کپڑوں کو ست گورو کی بھینٹ کرنا کافی نہ تھا بلکہ واضح طاعت شعاری اور فوری تعمیل حکم ہی دراصل دکشنا تھی جس سے خوشی حاصل ہوتی تھی۔ چنانچہ دادا کیلکر نے کپڑے پہنے اور جانے کے لیے چل پڑا۔ بابا نے جب اسے جاتے ہوئے دیکھا تو اسے واپس بلاتے ہوئے کہا "خود نہ جاؤ کسی اور کو بھیجو"۔ چنانچہ دادا نے اپنے نوکر پانڈو کو اس کام کے لیے روانہ کیا۔ اسے بھی جب بابا نے جاتے ہوئے دیکھا تو بابا کیلکر سے کہا کہ اسے واپس بلا لو اور اپنا پروگرام منسوخ کر دیا۔ ایکدوسرے موقع پر بابا نے دادا سے کہا کہ نمکین گوشت پلاؤ کو چکھ کر بتاؤ کہ کیسا بنا ہے؟ کیلکر نے ایک یونہی سا جواب دیتے ہوئے کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔ اس پر بابا نے اس سے پھر کہا: "تم نے نہ تو اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور نہ اپنی زبان سے چکھا ہے تو پھر تم یہ کیسے کہہ سکتے ہو کہ ٹھیک ہے۔ بس ذرا ڈھکن اٹھا کر دیکھو" یہ کہتے ہوئے بابا نے اس کا بازو پکڑ کر برتن میں ٹھونستے ہوئے پھر کہا: اپنا بازو نکالو اور اپنے دھرم کی پرواہ کیے بغیر اور بغیر زبان درازی کیے ڈوئی لے کر پلاؤ کی کچھ مقدار پلیٹ میں ڈالو"۔ جب ماں کے دل میں سچی محبت کی لہر

سب میں تقسیم کرنے کا ارادہ کرتے تو پھر شروع سے آخر تک کی سب تیاریاں خود کرتے۔ اس سلسلے میں وہ کسی پر بھروسا نہ کرتے اور نہ کسی کو تکلیف ہی دیتے۔ پہلے وہ بازار جا کر اناج آٹا، مسالے وغیرہ سب چیزیں نقد خریدتے۔ وہ پینے کا کام بھی کرتے اور پھر اس کے نیچے آگ جلا کر اوپر پانی کی مناسب مقدار سمیت ہانڈی چڑھاتے۔ ان کے پاس دو قسم کی ہانڈیاں تھیں ایک بڑی اور دوسری چھوٹی۔ ایک میں پچاس آدمیوں کا کھانا پکتا تھا اور دوسری میں سو آدمیوں کا۔ کبھی وہ میٹھے چاول بناتے اور کبھی پلاؤ گوشت۔ کبھی کبھی وہ ابلتے ہوئے سوپ یعنی شوربے میں گندم کے آٹے کے ٹھوس گیند جیسے یا چپٹے ٹکڑے ڈالتے۔ وہ مسالوں کو پتھر کی سل پر پیستے اور پھر اس پسے ہوئے مسالے کو ہانڈی میں ڈالتے۔ وہ کھانے کو ذائقہ دار بنانے کے لیے ہر طرح کی کوشش کرتے۔ وہ جوار کے آٹے کو پانی میں ابال کر اور پھر اس میں دودھ مکھن ملا کر اسے اکٹھا ابالتے ہوئے امبل تیار کرتے۔ کھانے کے ساتھ وہ اس امبل کو بھی سب میں تقسیم کرتے۔ یہ دیکھنے کے لیے کہ کھانا ٹھیک طرح بنا تھا کہ نہیں وہ اپنی قمیض کے بازو اوپر چڑھا کر ننگے بازو کو ابلتی ہوئی دیگ میں ڈالتے رتی بھر پرواہ کیے بغیر اور اس میں بن رہے کھانے کو اوپر نیچے یا دائیں بائیں ہلاتے۔ نہ تو ان کے بازو پر جلنے کا نشان ہوتا اور نہ ان کے چہرے پر کسی طرح کا کوئی کرب۔ جب کھانا تیار ہو جاتا تو بابا برتن مسجد میں منگواتے اور اس پر مسلمان مولوی سے دعا وغیرہ پڑھواتے۔ پہلے مہالا سپتی اور تاتیا پاٹل کو کچھ کھانا پرساد کے طور پر بھجواتے اور پھر باقی کا کھانا اپنے ہاتھوں سے غریب و مجبور لوگوں میں تقسیم کرتے جب تک کہ ان کی تشفی نہ ہو جاتی۔ وہ لوگ یقیناً بڑے خوش نصیب ہوں گے جن کو بابا کے ہاتھوں کا تیار کردہ اور انھیں سے تقسیم کردہ کھانا ملتا۔

کوئی شخص یہاں پر شک کرتے ہوئے یہ سوال کر سکتا ہے کہ کیا بابا سبزی والا اور گوشت والا کھانا یکساں طور پر سب بھگتوں میں تقسیم کرتے تھے؟ اس کا سیدھا اور سادہ

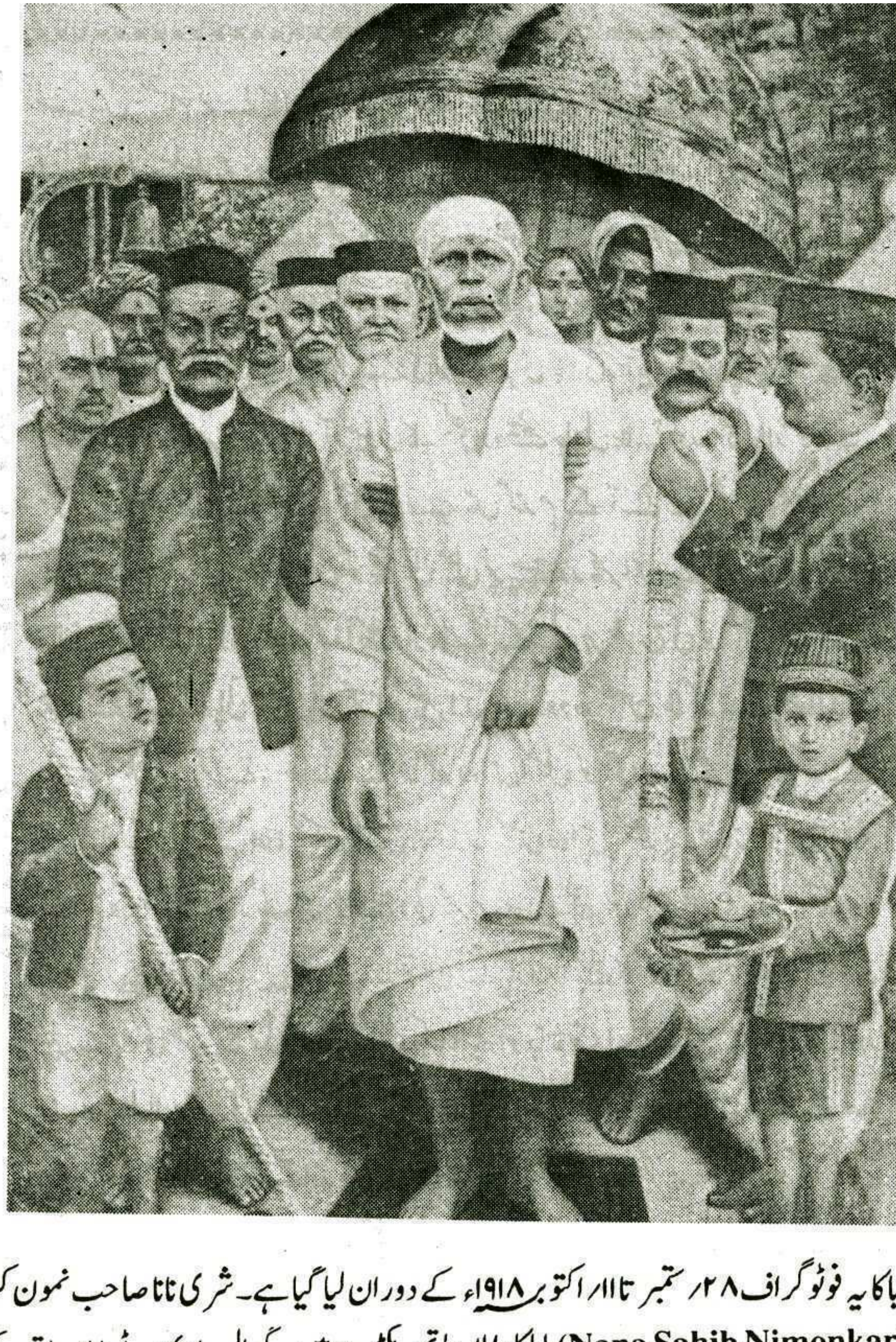

باباکا یہ فوٹوگراف ۲۸ر ستمبر تا ۱۱ر اکتوبر ۱۹۱۸ء کے دوران لیا گیا ہے۔ شری ناناصاحب نمون کر (Nana Sahib Nimonkar) باباکا دایاں ہاتھ پکڑے ہیں۔ گوپال راو بھوٹے بایاں ہاتھ پکڑے ہیں۔ بوگ جی شنڈے چھتری لے کر باباکے ساتھ ہیں۔ اس کے علاوہ وہ نصیب والے ہیں جو باباکے روبرو کھڑے ہیں۔

سائی باباکی عنایت ان کو ملتی ہے جو ان کو پانے کی جستجو کرتا ہے۔

سخاوتوں یا دانوں میں سے کھانا کھلانا سب سے بہتر تصور کیا گیا ہے۔ دوپہر کو جب ہمیں کھانا نہیں ملتا تو ہم بہت پریشان ہوتے ہیں۔ دوسرے لوگ بھی ان حالات میں ایسا ہی محسوس کرتے ہیں۔ یہ کو جان کر جو شخص غریب یا بھوکے کو کھانا کھلاتا ہے وہ سب سے بہتر دانی یا سخی یا دینے والا ہے۔ تیتریہ اپنشد کہتا ہے: غذا برہم ہے۔ غذا سے ہی سارے جاندار پیدا ہوتے ہیں اور پیدا ہونے کے بعد اسی سے زندہ رہتے ہیں اور پھر یہاں سے جانے کے بعد ہم پھر خوراک ہی کا حصہ بنتے ہیں"۔ جب کوئی بن بلائے مہمان دوپہر کے وقت ہمارے دروازے پر آتا ہے تو یہ ہمارا لازمی فرض بن جاتا ہے کہ ہم اس کا استقبال کرتے ہوئے اسے کھانا کھلائیں۔ دان کی دوسری قسمیں یعنی دولت، جائیداد یا کپڑے دینا وغیرہ ہے۔ اس کے لیے کچھ امتیاز کرنے کی ضرورت ہے لیکن جہاں تک خوراک کا تعلق ہے اس طرح کی کسی بات پر دھیان دینے کی ضروت نہیں چاہے کوئی بھی شخص دوپہر کو ہمارے دروازے پر آئے ہمیں فوراً اسے کھانا کھلانا چاہیے اور اگر لنگڑے، معذور، اندھے اور بیماری کے مارے کنگال آئیں انھیں پہلے کھانا کھلانا چاہیے اور ٹھیک ٹھاک جسم رکھنے والے یا ہمارے رشتے داروں کو بعد میں کھانا کھلانا چاہیے۔ آخر الذکر کے مقابلے میں اول الذکر کو پہلے کھانا کھلانے کے بہت زیادہ فائدے ہیں۔ جس طرح چاند کے بغیر ستارے مرکزی میڈل کے بغیر ہار، کنگرے کے بغیر تاج، کمل کے بغیر تالاب، محبت کے بغیر بھجن، کم کم کی بندی کے بغیر شادی شدہ عورت، میٹھی آواز کے بغیر گانا یا، مکھن نمک کے بغیر نامکمل ہیں جس طرح دال کا شوربا دوسری تمام چیزوں سے بہتر ہے۔ اسی طرح "ان دان" تمام خوبیوں سے بہتر ہے۔ آیئے اب دیکھیں کہ بابا کس طرح کھانا تیار کر کے دوسروں میں تقسیم کرتے تھے۔

یہ بات پہلے بھی کہی جا چکی ہے کہ بابا کو اپنے لیے بہت ہی کم خوراک درکار ہوتی تھی۔ اور اسے چند گھروں سے بھیک مانگ کر حاصل کیا جاتا تھا۔ لیکن جب وہ کھانے کو

اکتیسواں باب

[(1)بابا کی ہانڈی (2)زیارت کی بے ادبی(3) تبرک کی تقسیم4) مٹھے کا پرشاد۔]

پچھلے باب میں ہم نے بابا کے چاوڑی کے جلوس کو بیان کیا۔اس باب میں ہم بابا کی ہانڈی اور کچھ دیگر چیزوں کا ذکر کریں گے۔

ابتدائیہ

اے ست گورو سائی ہم تمہارے سامنے سر جھکاتے ہیں جس نے ساری دنیا کو خوشی عطا کی ہے، اپنے بھگتوں کی بہبودی کا خیال رکھا ہے اور ان لوگوں کے دکھوں کا سد باب کیا ہے، جنھوں نے خود کو آپ کے قدموں پر نچھاور کر دیا ہے۔ آپ نے لوگوں کی بھلائی کے لیے اس دنیا میں جنم لیا ہے۔جو برہم کے سانچے میں صاف و شفاف ذات کا سیال ڈھالا گیا ہے جس میں سے سائی نما کا موتی بر آمد ہوا۔ سائی بذاتِ خود آتمارام ہے وہ مکمل الوہی خوشی کا مسکن ہے۔ زندگی کی ساری چیزیں فانی جان لینے کے بعد اس نے اپنے بھگتوں کو آزاد کیا اور اُنہیں بھی خواہشات سے عاری کر دیا ہے۔

بابا کی ہانڈی

مختلف جگوں (زمانوں) کے لیے ہماری مقدس کتابوں میں مختلف سادھنائیں مخصوص کی گئی ہیں۔ ست جگ کے لیے تپ تریتا جگ کے لیے گیان، دواپر جگ کے لیے قربانی اور موجودہ جگ یعنی کل جگ کے لیے دان کی ہدایات دی گئی ہیں۔ تمام

240.1

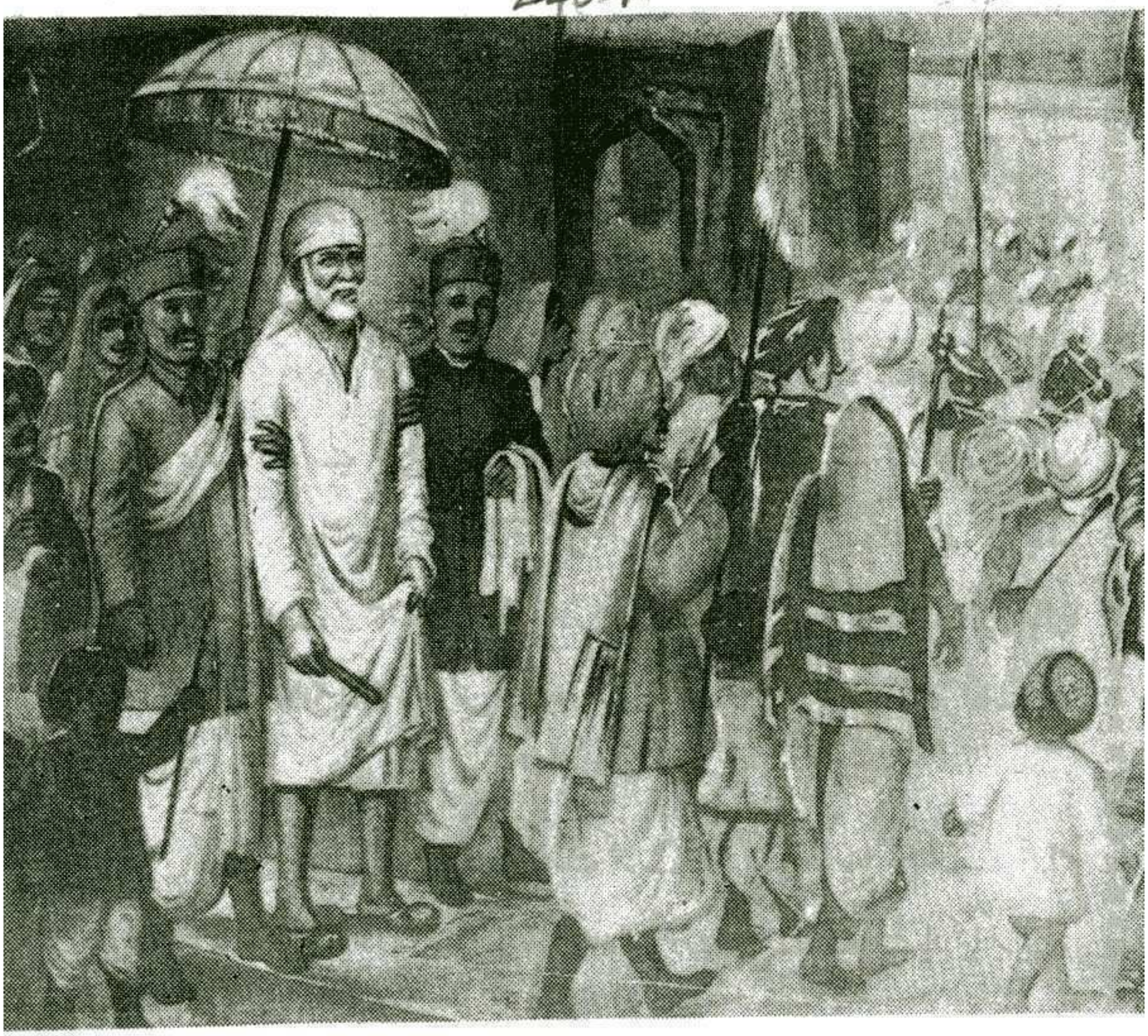

باباکی روانگی جلوس کی صورت میں بڑے احترام، آداب، اخلاق اور خاطر تواضع کے ساتھ ایک شہنشاہ کی طرح دوار کامائی مسجد سے چاوڑی تک ہوتی تھی۔

پھر بھگت ان کے گلے میں پھولوں کے ہار ڈالتے اور انھیں خوشبوئیں اور پھولوں کے گلدستے سونگھنے کے لیے دیتے۔ بابا تو غیر جانبداری یا بے تعلقی کی مجسم تھے۔ انھیں پھولوں اور جواہرات کے ان ہاروں کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی۔ ہاں اگر کوئی خیال تھا تو بھگتوں کی محبت کا جس کی وجہ سے وہ اس تزئین کاری کو بھی برداشت کرتے تھے۔ وہ انھیں ان کی خوشی کے لیے جو وہ چاہتے کرنے دیتے تھے۔ آخر میں باپو صاحب جوگ ساری رسومات کو ملحوظ رکھتے ہوئے بابا کی آرتی اتارتے۔ اس موقع پر موسیقی کے ساز مقدس دھنیں بجاتے رہتے۔ جب آرتی ختم ہوتی تو سارے بھگت ایک ایک کر کے بابا کی اجازت لے کر گھروں کو روانہ ہوتے۔ چلم، عطر اور گلاب دینے کے بعد جب تاتیا پاٹل بھی جانے کے لیے کھڑا ہو جاتا تو بابا اسے بڑے پیار سے کہتے: میری دیکھ بھال ٹھیک سے کرنا اگر تم جانا چاہتے ہو تو جاؤ لیکن رات کو کسی وقت آکر مجھے دیکھ بھی جانا۔ اثبات میں جواب دے کر تاتیا پاٹل بھی چاوڑی سے روانہ ہو کر گھر چلا جاتا۔ پھر بابا اپنا بستر خود لگاتے۔ وہ 50یا60 چادریں ایک دوسرے کے اوپر پھیلا کر اپنا بستر لگاتے اور آرام فرماتے۔

ہم بھی اس قارئین سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ یہ بابا ختم کر کے آرام کریں اور یہ کہ وہ سائی بابا اور اس کے چاوڑی جلوس کو روز سونے سے پہلے یاد کیا کریں۔

باباکو وہاں بیٹھایا۔ ایک اچھا انگر رکھا بھی انھیں پہنادیا۔ پھر بھگتوں نے ان کی طرح طرح سے پوجا کی۔ انھوں نے ان کے سر پر ایک کلغی والا تاج رکھا۔ انھیں ہیرے جواہرات اور پھولوں کے ہار پہنائے ماتھے پر کستوری کی خوشبو میں رچی ہوئی عمودی لکیریں (تلک) اور ایک بندی بناتے (جیسے کہ ویشنو کے بھگت کرتے ہیں) اور پھر دیر تک جب تک کہ اس ان کی تسکین نہ ہوئی وہ انھیں تکتے رہے۔ وہ ان کے تاج کو وقتا فوقتا بدلتے رہے اور اس خوف سے کہ کہیں بابا اسے پھینک نہ دیں وہ اسے اٹھاکر سر کے اوپر بلند کرتے رہے۔ بابا ان سب کے دل کی کیفیت جانتے تھے اور وہ ان کی خواہشات کے سامنے بغیر اعتراض کیے تسلیم کرتے رہے۔ اس سجاوٹ کے ساتھ وہ بہت ہی خوبصورت دکھائی دیتے۔ ناناصاحب نمونکر چھتر کو اس کے خوب صورت آویزاں کے ساتھ پکڑے رہتے جو اس سے ملحقہ چھتری پر دائرے کی شکل میں گھومتا۔ باپو صاحب جوگ بابا کے پاؤں چاندی کی طشتری میں دھوتے پھر وہ انھیں ارگھیہ (پھول پتی) پیش کرتے ہوئے پوری رسومات کے ساتھ ان کی پوجا کرتے۔ پھر ان کے بازوں پر صندل کی کریم ملتے اور تمبول یعنی پان پیش کرتے۔ بابا گدی پر براجمان رہتے جب کہ تاتیا اور دوسرے کھڑے رہتے یا ان کے قدموں پر سجدہ کرتے۔ جب بابا گاؤ تکیے کے سہارے اپنی گدی پر بیٹھے ہوتے تو دونوں طرف کھڑے بھگت چمر اور پنکھے جھلتے۔ شیاما پھر چلم تیار کر کے تاتیا پاٹل کو دیتا جو اسے پیتے ہوئے اس کے شعلے کو پوری طرح بھڑکا کر بابا کو دیتا۔ بابا جب کش لگا لیتے تو پھر وہ اسے بھگت مہالا سپتی کے حوالے کرتے اس کے بعد باری باری وہ سب تک پہنچتی۔ وہ بے جان چلم بہت خوش قسمت تھی۔ اسے پہلے تلافی کے بہت سے مشکل مرحلوں سے گزرنا پڑا۔ مثلاً کمہار کے قدموں تلے کچلا جانا کھلی چلچلاتی دھوپ میں اسے سکھانا پھر جلتی ہوئی آگ میں پکانا، تب کہیں جاکر اسے بابا کے ہاتھوں کا لمس اور ان کے ہونٹوں کا بوسہ نصیب ہوتا۔ یہ تقریب جب پوری ہو جاتی تو

قسم کی چمک ان سے پھوٹتی دکھائی دیتی۔ ایسا لگتا جیسے بابا کا چہرہ طلوع آفتاب کی طرح چمک رہا ہو یا صبح کے ابھرتے ہوئے سورج جیسی شان رکھتا ہو۔ بابا پوری توجہ کے ساتھ شمال کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے جیسے وہ کسی کو بلا رہے ہوں۔ سارے ساز اس وقت تک موسیقی پیدا کرتے رہتے جب تک بابا اپنے دائیں بازو کو کچھ دیر کے لیے اوپر نیچے ہلاتے رہتے۔ اس موقع پر کاکا صاحب دیکشت چاندی کی طشتری میں گلال ملے پھولوں کو لے کر آجاتے اور انھیں بابا کے جسم پر نچھاور کرتے۔ اس موقع پر بیچ بیچ میں ساز بہترین کارکردگی کا ثبوت دیتے جس سے بابا کا چہرہ اور بھی حسین اور چمک دار ہو جاتا۔ سبھی لوگ بابا کے چہرے کی اس چمک سے جی بھر کر لطف اندوز ہوتے۔ اس موقع پر منظر کی شان کو الفاظ بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ کبھی کبھی کسی دیوتا کے زیر اثر یا مہالا سپتی ناچنا شروع کرتا لیکن سب یہ دیکھ کر حیران ہوتے کہ اس کی وجہ سے بابا کی توجہ میں ذرا برابر بھی خلل پیدا نہ ہوتا۔ ہاتھ میں لالٹین لے کر تاتیا پاٹل بابا کی بائیں طرف اور بھگت مہالا سپتی دائیں طرف بابا کے لباس کے دامن کو ایک ہاتھ سے اٹھاتے ہوئے ساتھ ساتھ چلتے۔ کیسا اچھا منظر تھا اور جانثاری کا کیسا اچھا اظہار ہوا۔ اس منظر کو دیکھنے کے لیے خواتین اور مرد، امیر اور غریب سب وہاں جمع ہو جاتے۔ بابا بہت آہستہ چلتے اور بھگت دونوں طرف محبت اور جاں نثاری کے جذبے میں سرشار پیروی کرتے یعنی پیچھے پیچھے چلتے۔ سارے ماحول پر خوشی کی فضا طاری ہو جاتی اور اس طرح یہ جلوس چاوڑی پہنچتا۔ وہ منظر اور وہ دن اب گزر گئے ہیں۔ کوئی بھی انسان انھیں اب یا مستقبل میں نہیں دیکھ سکتا۔ اب بھی ان مناظر کو یاد کر کے یا انھیں تصور میں لا کر ہم اپنے من کو سکون و آرام فراہم کر سکتے ہیں۔

چاوڑی کی سفید رنگ کی چھت کو آئینوں اور کئی قسم کے قمقموں سے سجایا گیا تھا۔ وہاں پہنچنے پر تاتیا نے آگے بڑھ کے ایک آسن بچھایا اور اس پر ایک گاؤ تکیہ رکھتے ہوئے

جب تک کہ تاتیا آکر ان کی بغلوں میں ہاتھ ڈال کر انھیں سہارا دے کر کھڑا نہ کرتا۔ تاتیا بابا کو ماما کہہ کر مخاطب کرتا۔ ان کا رشتہ سچ مچ بہت قریبی تھا۔ بابا معمول کے مطابق جسم پر کفنی پہنے ہوئے ہوتے۔ اپنی بغلوں کے نیچے سٹکا رکھتے، تمباکو کی چلم اور تمباکو اٹھاتے اور اپنے کندھے پر کپڑا ڈالتے ہوئے چلنے کے لیے تیار ہو جاتے۔ تاتیا ایک بہت ہی خوب صورت شال جس پر سونے کا کام کیا گیا ہوتا بابا کے جسم پر ڈال دیتا۔ اس کے بعد بابا پیچھے پڑے لکڑیوں کے گٹھے کو دائیں پاؤں سے آگ میں بڑھا کر دائیں ہاتھ سے جلتے ہوئے لیمپ کو بجھاتے ہوئے چاوڑی کے لیے روانہ ہو جاتے۔

اس کے بعد سارے موسیقی کے ساز، تاشے، نرسنگے اور مردنگ اپنی منفرد آوازوں کے ساتھ بجنا شروع ہو جاتے۔ آتشبازی، رنگارنگ کے نظارے پیدا کرتی۔ عورتیں اور مرد بابا کی تعریف کے بھجن مردنگ اور وینا کی دھنوں پر گاتے چلنے لگتے۔ کچھ خوشی سے ناچتے چلتے اور کچھ نے ہاتھوں میں مختلف قسم کے علم اور جھنڈے اٹھائے ہوئے ہوتے۔ بابا جب مسجد کی سیڑھیوں تک پہنچتے تو باوردی بھالدار بابا کی آمد کا اعلان کرتے۔ بابا کی دونوں طرف کچھ لوگ چنور لیے ہوئے کھڑے ہوتے۔ کچھ دوسرے بابا کو پنکھا جھلتے۔ راستے میں کپڑا بچھایا گیا ہوتا جس پر بابا اپنے بھگتوں کے سہارے سے چلتے۔ تاتیا پاٹل بابا کا بایاں ہاتھ تھامے ہوتا اور مہالا سپتی دایاں باپو صاحب جوگ بابا کے سر پر چھتر لیے ہوتا۔ اس شکل میں بابا چاوڑی تک سفر کرتے۔ پوری طرح سجا ہوا شیام کرن گھوڑا رہبری کرتا یعنی سب کے آگے ہوتا اور اس کے پیچھے تمام باربردار، خدمت گار، موسیقی بجانے والے اور بھگتوں کی بھیڑ ہوتی۔ خدا اور سائی بابا دونوں کے ناموں کے گیتوں کی آواز آسمان کو چیرتی ہوئی محسوس ہوتی۔ اس طرح سے جلوس کونے تک پہنچتا اور سب لوگ جو جلوس میں شامل ہوتے بہت خوش نظر آتے۔

اس کونے پر پہنچ کر بابا چاوڑی کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاتے۔ ایک خاص

خیال کرنے کے بعد جس کو وہ خود بھی موضوع سے انحراف تصور کرتا ہے، چاوڑی کے جلوس کے بارے میں یوں بیان کرتا ہے:۔

چاوڑی جلوس

باباکی اقامت گاہ جس میں ایک سے زیادہ لوگوں کے رہنے کی جگہ تھی کو پہلے ہی بیان کیا جاچکا ہے۔ ایک دن وہ مسجد میں سوتے اور دوسرے دن چاوڑی میں جو ایک دو کمروں پر مشتمل مسجد کے قریب ہی ایک چھوٹی سی عمارت تھی۔ وہ باری باری ایک دن مسجد میں اور دوسرے دن چاوڑی میں سوتے تھے۔ یہ سلسلہ باباکی مہماسادھی کے وقت تک چلتا رہا۔ 10/دسمبر 1909ء سے بھگت چاوڑی میں باباکی باقاعدہ پوجا کرنے لگے۔ یہ اب ہم باباکی مہربانی سے بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔

جب چاوڑی میں باباکے قیام کی باری آتی تو بھگت چند گھنٹوں کے لیے مسجد میں جمع ہو کر وہاں کے منڈپ میں بھجن کیرتن وغیرہ کرتے۔ منڈپ کے ایک طرف ایک چھوٹا رتھ، دائیں طرف تلسی بندرابن اور آگے بابا ہوتے۔ بیچ میں بھجن کے شوقین بھگت۔ بھجن کا شوق رکھنے والی خواتین و مرد وقت سے پہلے وہاں پہنچ جاتے۔ کچھ بھگت تال چپلسن، کرتال، مردنگ، کھنجری اور ڈھول وغیرہ خوشی کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ لے کر بھجن گاتے۔ سائی باباکی وہ مقناطیسی کشش تھی جو تمام بھگتوں کو وہاں کھینچ لاتی۔ باہر نکلی جگہ میں کچھ اپنی مشکلوں کو درست کرتے۔ کچھ پالکیوں کو سجاتے، کچھ لکڑی کے ڈنڈے اپنے ہاتھوں میں لے کر باباکی فتح کے نعرے لگاتے۔ کناروں کو جھنڈیوں سے سجایا جاتا۔ مسجد کے ارد گرد تیل کے دیوں سے چراغاں کیا جاتا جس کی روشنی چاروں طرف پھیلی ہوتی۔ باہر باباکا گھوڑا شیام کرن پوری طرح سجا کھڑا ہوتا پھر تاتیا پاٹل اپنی پارٹی کے ساتھ آکر باباکو تیار رہنے کے لیے کہتا۔ بابا اپنی جگہ پر اس وقت تک بیٹھے رہتے

تیسواں باب

چاوڑی کا جلوس

اس باب میں ہیماڈ پنت ابتدائی خیالات کا اظہار کرنے اور ویدانت کے بارے میں اپنے ابتدائی کلمات کے بعد چاوڑی کے جلوس کی وضاحت کرتا ہے۔

ابتدائیہ

بابا کی زندگی اور ان کے روزانہ معمولات ان کا طور طریقہ اور ان کا عمل بیان سے باہر ہے۔ کبھی کبھی وہ الوہی مسرت کے نشے میں چور ہوتے اور کبھی سکون واطمینان یا عرفان ذات سے معمور۔ بہت سے کام کرتے ہوتے بھی کبھی کبھی وہ ان سے بالکل لا تعلق ہوتے کبھی کبھی جب وہ کچھ نہ کرتے ہوئے دکھائی دیتے تب بھی وہ بیکار یا اونگھتے ہوئے نہ ہوتے۔ وہ ہمیشہ اپنی ذات کے احکامات کے مطابق عمل کرتے۔ وہ اگرچہ پر سکون، خاموش اور سمندر کی طرح ٹھہرے ہوئے نظر آتے لیکن اصل میں بڑے گہرے اور بے پایاں ہوتے ان کی فطرت کو بیان کرنا الفاظ کی قدرت سے باہر ہے۔ وہ مردوں کو بھائی اور خواتین کو بہنیں اور مائیں سمجھتے۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے وہ مکمل طور پر مجرد برہمچاری تھے۔ ان کی صحبت میں جو علم ہم نے حاصل کیا خدا کرے وہ مرتے دم تک ہمارے ساتھ رہے۔ آیئے ہم پورے خلوص کے ساتھ ان کے قدموں پر خود کو قربان کر کے ان کی خدمت کریں۔ آیئے ہم انھیں ہر شئے میں دیکھیں اور ہمیشہ ان کے نام سے محبت کریں۔ ہیماڈ پنت نے ویدانیت کے بارے میں تفصیل سے اظہار

لیے اس کو ناریل اپنی دعاؤں کے ساتھ دیجئے" بابا نے پوچھا: "کیا ناریل اس کو اولاد دے پائے گا۔ لوگ کتنے بیوقوف ہیں کہ ایسی باتیں سوچتے ہیں"۔ شاما نے پھر کہا: مجھے آپ کے منہ سے نکلے لفظ اور دعاؤں کی طاقت معلوم ہے۔ آپ کا لفظ اس کو ایک کیا کئی بچے عطا کرے گا۔ آپ صرف جھگڑا کر رہے ہیں اور اصل دعا نہیں دے رہے ہیں"۔

یہ گفتگو کچھ دیر تک چلتی رہی۔ بابا بار بار یہ حکم دیتے کہ ناریل کو توڑا جائے اور شاما درخواست کرتے رہے کہ وہ سارا کا سارا پھل خاتون کو دے دیا جائے۔ بالآخر بابا نے مانتے ہوئے کہا" اس کو ایک بچہ ہوگا"، "کب؟" شاما نے پوچھا" بارہ ماہ کے اندر"، جواب ملا۔ اس پر ناریل کو دو ٹکڑوں میں توڑا گیا۔ ایک ٹکڑا ان دونوں نے کھایا اور دوسرا خاتون کو دیا گیا۔

شاما نے خاتون کی طرف مڑتے ہوئے کہا "محترم خاتون آپ میرے الفاظ کی گواہ ہیں۔ اگر بارہ ماہ کے اندر آپ کے ہاں اولاد نہ ہوئی تو میں ایک ناریل کو اس دیوا کے سر پر توڑتے ہوئے اس کو مسجد سے باہر نکال دوں گا۔ اگر میں اس میں ناکام ہو گیا تو میں خود کو مادھو نہیں کہوں گا۔ آپ کو جلد پتا چل جائے گا کہ میں نے کیا کہا ہے"۔

سال کے اندر اندر خاتون نے لڑکے کو جنم دیا اور جب وہ پانچ ماہ کا ہونے والا تھا تو اسے بابا کے پاس لایا گیا۔ میاں بیوی دونوں نے بابا کے سامنے سجدہ کیا اور اس مشکور و احسان مند باپ (مٹر اورنگ آباد کر) نے پانچ سو روپے بابا کی خدمت میں پیش کیے جنھیں بابا کے گھوڑے "شیاما کرن" کے لیے ایک چھپر بنانے پر صرف کیا گیا۔

دربار سب کے لیے کھلا ہے پھر بھی وہ اس کے لیے کوشش کرے گا اور ممکن ہے خدا اس پر کرم کردے۔ اس نے اس سے کہا کہ بابا کے کھانے کے وقت وہ ناریل اور کچھ اگربتی لے کر کھلے احاطے میں تیار رہے اور جیسے ہی وہ اس کو اشارہ کرے وہ فوراً آجائے۔ ایک دن دوپہر کے کھانے کے بعد جب شاما بابا کے گیلے ہاتھوں کو تولیے سے صاف کر رہا تھا اور جب بابا نے اس کے گال کی چٹکی لی تو شاما نے غصہ ظاہر کرتے ہوئے کہا: "دیوا کیا یہ آپ کے شایانِ شان ہے کہ اس طرح آپ میرے گال کی چٹکی لیں؟ ہمیں ایسا شرارتی بھگوان نہیں چاہیے جو اس طرح ہماری چٹکیاں لیتا رہے۔ کیا ہم آپ پر دارومدار رکھتے ہیں؟ کیا ہماری قربت کا یہی پھل ہے؟ بابا نے جواب میں کہا:-

"او شاما پچھلے 72 جنموں کے دوران جو تم نے میرے ساتھ گزارے ہیں میں نے کبھی تمہاری چٹکی نہیں لی اور اب تم میرے چھونے پر ناراض ہو رہے ہو" شاما نے جواب دیا ہمیں ایک ایسا بھگوان چاہیے جو ہمیں ہمیشہ بوسے دے اور کھانے کے لیے مٹھائی بھی۔ ہمیں آپ سے کوئی احترام یا جنت یا غبارے نہیں چاہیں۔ آپ کے قدموں پر ہمیں جو اعتقاد و بھروسا ہے اسے ہمیشہ بیدار رہنے دیجئے"۔

"ہاں میں اسی مقصد کے لیے آیا ہوں، میں تمہاری پرورش و پرداخت کرتا رہا ہوں اور تمہارے لیے محبت وہ پیار رکھتا ہوں" بابا نے جواب دیا۔

اس کے بعد بابا نے اوپر جا کر اپنی سیٹ سنبھال لی۔ شاما نے عورت کو اشارہ کیا۔ وہ اوپر آکر بابا کے سامنے جھکی اور ناریل اور دوسری اشیا پیش کیں۔ بابا نے ناریل کو ہلایا۔ وہ اندر سے خشک تھا۔ اس کے اندر کے گودے نے ادھر ادھر لڑھک کر آواز پیدا کی۔ بابا نے کہا۔

"شاما یہ اندر سے بج رہا ہے دیکھو ذرا یہ کیا کہتا ہے؟" شاما نے جواب دیا "عورت دعا مانگ رہی ہے کہ اسی طرح بچہ بھی کوکھ میں لڑھکتا اور تیزی سے بڑھتا رہے۔ اس

کی اجازت نہ دی لیکن ایک چپراسی جو میرے لیے اجنبی تھا، کی مداخلت سے مجھے سٹیمر میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی جس نے مجھے بمبئی پہنچایا۔ وہاں سے ریل کے ذریعے میں یہاں آیا۔ یقیناً بابا سب کچھ جانتے ہیں اور وہ ہر چیز میں موجود ہیں۔ ہم کیا ہیں اور ہمارا گھر کہاں ہے؟ ہماری خوش قسمتی ہے کہ بابا نے ہمیں ہماری رقم واپس دلادی اور ہمیں کھینچ کر یہاں اپنے پاس بلایا۔ تم شرڈی کے لیکن نواسی ہو اور ہم سے یقیناً بہتر اور زیادہ خوش نصیب ہو کیوں کہ بابا تمہارے بیچ میں اتنے سال تک ہنستے کھیلتے، باتیں کرتے اور بستے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے تمہاری خوبیوں کا ذخیرہ لا محدود ہوگا۔ اس لیے تو بابا شرڈی میں رہنے کے لیے کھچے چلے آئے۔ سائی ہمارا بھگوان داتا ہے۔ اسی نے منت ماننے کا حکم دیا۔ اسی نے سٹیمر میں مجھے جگہ دلائی اور یہاں لایا اور اس طرح اپنے سب کچھ جاننے اور سب سے قوی ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔

بیگم اورنگ آباد کی کہانی

شعلہ پور کی ایک خاتون جو سکھارام اورنگ آباد کی بیوی تھی کے ہاں 27 سال کے عرصے میں کوئی اولاد نہ ہوئی تھی۔ اس نے کئی دیوی دیوتاؤں کے ہاں منتیں مانی لیکن کوئی کامیابی نہ ہوئی۔ اس کے بعد وہ بالکل مایوس ہو گئی۔ اس معاملے میں آخری کوشش کے طور پر وہ اپنے سوتیلے بیٹے وشوانا تھ کے ساتھ شرڈی آئی اور وہاں دو ماہ تک بابا کی خدمت کرتی رہی۔ وہ جب بھی مسجد گئی اس نے اسے لوگوں سے بھرا ہوا اور بابا کو اپنے بھگتوں میں گھرا ہوا پایا۔ وہ بابا سے اکیلے میں مل کر ان کے قدموں پر گرتے ہوئے اپنا دل کھول کر بیان کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اولاد کے لیے استدعا کرنا چاہتی تھی لیکن اسے کوئی مناسب موقع نہ مل سکا۔ بالآخر اس نے شاما سے اس کے حق میں کسی ایسے وقت میں سفارش کرنے کے لیے کہا جب بابا تنہا ہوں۔ شامانے اس سے کہا کہ بابا کا

دریافت کی اور میں نے اسے سب کچھ بتادیا۔ اس نے مجھے بتایا کہ کوپر گاؤں تعلقے کے شرڈی مقام پر ایک سنت سائی کے نام سے رہتا ہے اس کے نام منت مانو اور جو چیز تمہیں سب سے زیادہ پسند ہے اسے کھانا چھوڑتے ہوئے دل میں کہو کہ میں اسے اس وقت تک نہیں کھاؤں گا جب تک مجھے آپ کے درشن حاصل نہیں ہوتے"۔ تب میں نے چاول نہ کھانے کی قسم کھاتے ہوئے بابا سے من میں کہا:-

"بابا میں اسے اپنا کھویا ہوا مال اور آپ کے درشن حاصل کرنے کے بعد ہی کھاؤں گا"۔ اس کے بعد پندرہ دن گزر گئے متذکرہ براہمن آپ ہی میرے پاس آیا اور معافی مانگتے ہوئے میرا روپیہ واپس کر کے کہنے لگا:

"میں نے پاگل پن میں یہ حرکت کی۔ میں آپ کے قدموں پر سر رکھ کر معافی مانگتا ہوں۔ مہربانی کر کے مجھے معاف کر دیجئے" اس طرح سارے معاملے کا انجام بخیر ہوا۔ وہ فقیر جو مجھے ملا اور جس نے میری مدد کی پھر کبھی دکھائی نہ دیا۔ فقیر نے جس کو ملنے کی مجھے ترغیب دی تھی اس کو دیکھنے اور اسے ملنے کی شدید خواہش میرے دل میں پیدا ہوئی۔ میں نے سوچا جو فقیر دور سے میرے گھر تک پہنچا تھا وہ سائی بابا کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ وہ جس نے مجھے یہ روپیہ حاصل کرنے میں میری مدد کی کیا وہ کبھی 35 روپے حاصل کرنے کا لالچ کرے گا؟ اس کے برعکس وہ ہم سے کچھ حاصل کیے یا چاہے بغیر ہمیں روحانی ترقی کے راستے پر ڈالنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتا ہے۔ کھویا ہوا روپیہ حاصل کر کے مجھے بہت خوشی ہوئی اور دولت کی محبت میں اپنی منت کے بارے میں بھول گیا۔ چناں چہ جب میں کولابا میں تھا تو ایک رات میں نے بابا کو خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھے شرڈی جانے کے میرے عہد کو تازہ کر دیا۔ میں گوا گیا اور وہاں سے سٹیمر کے ذریعے بمبئی جا کر شرڈی کے لیے روانہ ہونا چاہتا تھا۔ لیکن جب میں بندرگاہ پر آیا تو دیکھا کہ سٹیمر میں تل دھرنے کو جگہ نہ تھی۔ کپتان نے مجھے سوار ہونے

بیان کیا۔ میں اپنی قسم اور منت کے بارے میں سب کچھ بھول گیا۔ بابا نے ابھی مجھے اس طرح یاد دلایا ہے اور مجھ سے 15/ روپے وصول کیے ہیں۔ یہ دکشنا نہیں ہے جیسا کہ اس کے بارے میں سوچا جا رہا ہے کہ بلکہ پرانے قرض کی ادائیگی اور بھولی ہوئی قسم کو پورا کرنا ہے"۔

سبق

حقیقت میں بابا نہ کبھی خود بھیک مانگتے تھے اور نہ اپنے بھگتوں کو ایسا کرنے کی اجازت دیتے تھے۔ وہ روپے کو روحانی ترقی کے لیے بڑا خطرہ یا رکاوٹ قرار دیتے تھے۔ اور وہ اپنے بھگتوں کو اس کے چنگل میں نہ پھنسنے دیتے تھے۔ اس سلسلے میں بھگت مہالا سپتی ایک مثال ہے۔ وہ بہت غریب تھا اور بڑی مشکل سے اُس کی دو وقت کی روٹی چلتی تھی۔ بابا نہ تو اسے روپیہ دیتے تھے اور نہ خود ہی کبھی دکشنا کی رقم سے اس کی مدد کرتے تھے۔ ایک بار ایک سخی سوداگر ہنس راج نے بابا کی موجودگی میں اسے خاصی رقم دینا چاہی لیکن بابا نے اسے وہ رقم لینے نہیں دی۔

اس کے بعد دوسرے مہمان نے اپنی کہانی بیان کرنا شروع کی:-

"میرا براہمن خانساماں 35 سال تک بڑی وفاداری سے میری خدمت کرتا رہا۔ بد قسمتی سے وہ برے راستے پر چل نکالا، اس کا من بدلا اور وہ میرا خزانہ لوٹ کے لے گیا۔ دیوار سے ایک سل ہٹا کر جہاں میری الماری نصب ہے وہ اس وقت اندر داخل ہوا جب ہم سب سوتے ہوئے تھے اور میری ساری جمع پونجی یعنی تیس ہزار روپے بشکل کرنسی نوٹ اڑا کر لے گیا۔ مجھے نہیں معلوم کہ بابا نے کس طرح سبھی رقم کا تخمینہ صحیح صحیح بتا دیا۔ میں رات دن روتا چیختا رہا لیکن میری پوچھ گچھ کسی کام نہ آئی۔ میں نے پندرہ دن بڑی تکلیف و پریشانی میں گزارے۔ میں جب برآمدے میں مایوس و مغموم بیٹھا ہوا تھا تو پاس سے گزرتے ہوئے ایک فقیر نے میری حالت کو دیکھ کر میری مایوسی کی وجہ

من پسند خوراک کھانا بند کر دو"۔

میں نے فقیر کی نصیحت پر عمل کیا اور میری رقم مجھے واپس مل گئی۔ پھر میں نے واڈا کو چھوڑ کر ساحل سمندر کا رُخ کیا۔ وہاں ایک سٹیمر تھا لیکن میں اس میں جگہ نہ پاسکا کیوں کہ وہ انسانوں سے پہلے ہی بھرا ہوا تھا۔ لیکن وہاں ایک اچھی فطرت والے چپراسی نے میرے لیے مداخلت کی اور میں خوش قسمتی سے اندر داخل ہو گیا۔ دوسرے ساحل پر اتر کر میں نے ریل پکڑلی اور مسجد مائی پہنچ گیا۔

کہانی ختم کر کے بابا نے شاما سے مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لیے لے جانے کو کہا۔ چناں چہ شاما نے انھیں اپنے گھر لے جا کر کھانا کھلایا۔ رات کے کھانے کے وقت شاما نے مہمانوں سے کہا کہ بابا کی کہانی کچھ سمجھ میں نہ آسکی کیوں کہ وہ سمندر کے ساحل پر کبھی نہ گئے تھے، کبھی ان کے پاس 30,000 روپے نہ تھے کبھی سفر نہ کیا نہ کبھی روپیہ کھویا اور نہ پایا۔ آپ نے اس کہانی کو اور اس کی اہمیت کو سمجھا؟ مہمانوں کا دل بھر آیا تھا اور وہ آنسو بہا رہے تھے۔ رندھی ہوئی آواز میں انھوں نے کہا کہ بابا کو سب کچھ معلوم تھا۔ وہ لامحدود برہم کی طرح لامثالی تھے۔ کہانی جو انھوں نے بیان کی وہ بالکل ہماری کہانی کی طرح ہے جو انھوں نے کہا وہ ہمارے ساتھ ہو چکا ہے۔ انھیں یہ سب کیسے معلوم ہوا یہ انتہائی حیران کن ہے۔ ہم کھانے کے بعد سب تفصیلات بتائیں گے۔ چناں چہ کھانا کھانے کے بعد جب وہ پان چبا رہے تھے مہمانوں نے اپنی کہانیاں بیان کرنا شروع کیں۔ ان میں سے ایک نے کہا:-

"گھاٹوں کے اوپر واقع ایک پہاڑی مقام پر میرا وطن ہے۔ میں گوا ملازمت کے ذریعے روزی کمانے کے لیے گیا۔ میں نے بھگوان دتا کے نام پر منت مانی کہ اگر مجھے ملازمت مل گئی تو میں اپنے پہلے مہینے کی تنخواہ ان کو بھینٹ کروں گا۔ ان کے کرم سے مجھے 15/ روپے ماہوار کی نوکری مل گئی اور پھر مجھے ترقیاں ملتی چلی گئی جیسا کہ بابا نے

"یہ شخص پہلے غریب تھا۔ چنانچہ اس نے منت مانی تھی کہ اگر اس کو نوکری مل گئی تو وہ پہلے مہینے کی تنخواہ خدا کے نام پر دے گا۔ اسے 15/روپے ماہوار تنخواہ پر نوکری مل گئی پھر اس کو لگاتار ترقیاں ملتی گئیں۔ اس کی تنخواہ 15/ سے 30، 60، 100، 200، اور بالآخر 700 ماہوار ہو گئی لیکن اپنی اس خوشحالی کے جنون میں وہ اپنی قسم بھول گیا۔ اس کے کرموں کی طاقت اس کو کھینچ کر یہاں لے آئی ہے اور میں نے اس سے وہی 15/ روپے کی رقم دکشنا کے طور پر طلب کی ہے۔

دوسری کہانی:

ساحل سمندر پر سیر کرتے ہوئے مجھے ایک بڑی حویلی دکھائی دی اور میں اس کے برآمدے میں آکر بیٹھ گیا۔ براہمن مالک نے میری بڑی آؤ بھگت کی اور مجھے بڑا اچھا کھانا کھلایا۔ اس نے الماری کے قریب مجھے سونے کے لیے ایک صاف ستھری جگہ بھی دکھائی۔ میں وہاں سو گیا۔ جب میں گہری نیند میں تھا اس شخص نے فرش کی ایک سل ہٹا کر دیوار کو شق کیا اور اندر داخل ہو کر میری جیب کاٹی اور ساری رقم لے اڑا۔ جب میں جاگا تو میں نے دیکھا کہ تیس ہزار روپے چوری ہو گئے تھے۔ میں بہت پریشان تھا اور وہاں بیٹھ کر روتا رہا اور آہیں بھرتا رہا۔ رقم کرنسی نوٹوں کی شکل میں تھی اور میں نے سوچا کہ اسے براہمن نے ہی چرایا تھا۔ مجھے کھانے پینے میں کوئی دلچسپی نہ رہی اور پندرہ دن تک اسی برآمدے میں بیٹھا اپنے نقصان پر روتا رہا۔ پندرہ دن گزرنے کے بعد ایک فقیر نے مجھے روتا ہوا دیکھا تو مجھ سے اس کی وجہ دریافت کی۔ میں نے اسے سب کچھ بتا دیا اس نے مجھ سے کہا کہ "اگر تم میرے کہنے پر چلو تو تمہاری رقم واپس مل سکتی ہے۔ تم ایک فقیر کے پاس چلے جاؤ میں تمہیں اس کا پتہ بتاتا ہوں۔ خود کو کلیتاً اس پر چھوڑ دو۔ وہ تمہاری رقم تمہیں واپس دلا دے گا۔ جب تک رقم واپس نہیں ملتی تم اپنی

انتیسواں باب

[(1) گوا کے دو افراد اور(2) بیگم اور نگ آباد کی عجیب و غریب کہانیاں۔]

دو شریف آدمی

اس باب کا تعلق گوا کے دو افراد اور شولہ پور کی بیگم اور نگ آباد کی کہانیوں سے ہے۔ ایک بار گوا کے دو افراد بابا کے درشن کرنے کے لیے آئے اور بابا کے سامنے سر بسجود ہوئے۔ اگرچہ وہ دونوں ایک ساتھ آئے لیکن بابا نے ان میں سے صرف ایک کو 15روپے دکشنا کے طور پر دینے کے لیے کہا جو اس نے بخوشی ادا کر دیئے۔ دوسرے آدمی نے اپنی مرضی سے 35روپے پیش کیے۔ دوسرے لوگ یہ دیکھ کر حیران ہو گئے کہ بابا نے یہ رقم لینے سے انکار کر دیا۔ شاما اس موقع پر موجود تھا نے بابا سے دریافت کیا:

"یہ کیا ہے؟ دونوں ایک ساتھ آئے ایک کی دکشنا آپ نے قبول کی اور دوسرے نے بھی اگرچہ اپنی خوشی سے دکشنا پیش کی لیکن آپ نے لینے سے انکار کر دیا۔ یہ فرق کیوں؟" بابا نے جواب دیا۔

"شاما تم نہیں جانتے ہو میں کسی سے کچھ نہیں لیتا۔ مسجد مائی (یعنی مسجد کی بطور ماں) قرض مانگتی ہے۔ دینے والا دیتا ہے اور آزاد ہو جاتا ہے۔ کیا میرا کہیں کوئی گھر، جائیداد اہل و عیال ہے کہ جس کی مجھے دیکھ بھال کرنی ہے۔ مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں، میں آزاد ہوں، قرض، دشمنی اور قتل کا کفارہ ادا کرنا پڑتا ہے کیوں کہ ان سے آدمی بچ نہیں سکتا"۔ اس کے بعد بابا نے اپنے مخصوص انداز میں اس کے بارے میں درج ذیل باتیں بتائیں:-

"بابا آپ کیوں سی سی کر کے شور کرتے ہیں۔ کیا آپ ہمیں ڈرانا چاہتے ہیں؟ دودھ کا کپ سکون قلب کے ساتھ پیجئے" یہ کہتے ہوئے وہ قریب ہی بغیر پریشانی کے بیٹھ گیا۔ دوسرے افراد گھبرائے ہوئے تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کیا کریں۔ تھوری دیر کے بعد سانپ خود ہی کہیں غائب ہو گیا اور کسی کو پتہ نہ چلا کہ وہ کہاں چلا گیا۔ گوشالہ میں اگرچہ اسے بہت تلاش کیا گیا پر وہ کہیں نظر نہ آیا۔

بالا جی کی دو بیویاں اور کچھ بچے تھے۔ کبھی کبھی وہ نواسے سے شرڈی بابا کے درشن کرنے کے لیے چلے جاتے۔ بابا ساڑیاں اور کپڑے خرید کر ان کو اپنی دعاؤں کے ساتھ دیتے۔

225-1

بابا اپنی دھونی کے پاس جپ کی دُھن میں۔ دھونی سے جو اُودی نکلتی اس سے بھگتوں کو حیاتِ ابدی ملتی اور تمام مشکل کاموں میں مدد ہوتی۔

اسی پر وہ اور اس کے کنبے کا گزر بسر ہوتا۔ یہ سلسلہ اس کی زندگی بھر چلتا رہا اور اس کے بعد اس کے بیٹے نے اسے جاری رکھا۔

اودی کی طاقت اور اس کی تاثیر

ایک بار ایسا ہوا کہ بالاجی کی برسی کے موقعے پر کچھ مہمانوں کو بلایا گیا اور ان کے لیے عشائیے (رات کے کھانے) کا بھی اہتمام کیا گیا۔ لیکن کھانے کے وقت یہ دیکھا گیا کہ جتنے لوگوں کو بلایا تھا اس سے تین گنا زیادہ لوگ آئے ہوئے تھے۔ بیگم نواسکر مشکل میں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ کھانا اتنے لوگوں کو پورا نہ ہوگا اور اگر ایسا نہ ہوا تو خاندان کی عزت خاک میں مل جائے گی۔ اس کی ساس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ گھبراؤ نہیں۔ یہ دعوت ہماری نہیں سائی بابا کی طرف سے ہے اس لیے ہر برتن میں کچھ اودی ڈال کر اس کو کپڑے سے ڈھک دو۔ اور ان کو کھولے بغیر ان میں سے کھانا نکال کر دیتی جاؤ۔ سائی بابا ہمیں بدنامی سے بچائیں گے۔ اس نے اسی طرح کیا جیسا کہا گیا تھا اور ان کی خوشی اور حیرانی کی حد نہ رہی جب کھانا نہ صرف سب کے لیے پورا ہو گیا بلکہ بہت سا اس کے بعد بچ بھی گیا۔

سائی کا سانپ کے طور پر ظاہر ہونا

ایک بار شرڈی کا ایک شخص جس کا نام رگھوپاٹل تھا بالاجی پاٹل کے گھر واقع نواسے گیا۔ اس شام اس نے دیکھا کہ ایک سانپ سی سی کرتا ہوا گوشالہ میں داخل ہوا۔ سارے مال مویشی ڈر کے مارے ادھر ادھر ہونے لگے۔ گھر والے بھی ڈر گئے لیکن بالاجی کو معلوم تھا کہ وہ سائی بابا ہیں جو اس کے گھر میں سانپ کی شکل میں ظاہر ہوئے ہیں۔ بغیر گھبرائے اس نے دودھ کا کپ لاکر سانپ کے سامنے رکھتے ہوئے اس سے یوں کہا:

نیند نہ آنے کا معاملہ

باندرہ کا ایک کائستھ شخص پربھو کافی عرصے سے نیند نہ آنے کی شکایت میں مبتلا تھا۔ وہ جیسے ہی سونے کے لیے لیٹتا اس کے سورگباشی والد اس کے خواب میں نمودار ہو کر اسے بہت ڈانٹ ڈپٹ کرتے اور گالیاں دیتے اس سے اس کی نیند اچاٹ ہو جاتی اور وہ ساری رات بے آرامی میں گزارتا۔ ہر رات ایسا ہوتا رہا اور اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے۔ ایک دن اس نے سائی بابا کے ایک بھگت سے مشورہ کیا۔ اس نے اودی کو واحد تیر بہ ہدف قرار دیتے ہوئے اسے برتنے کا مشورہ دیا۔ اس نے کچھ اودی دیتے ہوئے کہا کہ تھوڑی سی سونے سے پہلے وہ ماتھے پر مل لے۔ اور باقی کو سرہانے کے نیچے رکھ لے۔ اس نے ایسا ہی کیا اور اس کی حیرت کی اور خوشی کیا انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا کہ اس رات اسے بڑی گہری نیند آئی اور کسی طرح کی کوئی پریشانی درپیش نہ ہوئی۔ اس نے علاج جاری رکھا ساتھ ہی ہمیشہ بابا کو بھی یاد کرتا رہا۔ پھر اسے کہیں سے بابا کی تصویر مل گئی جس کو اس نے سرہانے کے پاس لٹکا کر ہر روز پوجنا شروع کیا۔ جمعرات کو وہ اسے مالا پہناتا اور نوید پیش کرتا۔ اس سے وہ بالکل صحت یاب ہو گیا اور ماضی کی ساری تکالیف سے آزاد ہو گیا۔

بالاجی پاٹل نواسکر

یہ شخص بابا کا بڑا بھگت تھا۔ وہ اپنے ذاتی مفاد سے ہٹ کر بابا کی بہت اچھی خدمت کرتا تھا۔ ہر روز وہ شرڈی کے ان راستوں اور گلیوں کو صاف ستھرا رکھتا جن سے روزانہ معمول کے مطابق بابا کا گزر ہوتا۔ اس کے بعد یہ کام اتنی ہی خوبی کے ساتھ ایک خاتون جس کا نام رادھا کرشنا مائی تھا کرتی رہی اور اس کے بعد عبد اللہ۔ بالاجی ہر سال جب اپنی فصل کاٹتا تو وہ سارا اناج بابا کو پیش کرتا۔ اس میں سے بابا جتنا اناج واپس کرتا

کو اتنی جلدی شرڈی سے جانے کی جازت دی جائے گی۔ بابا نے اس کے ذہن کے ان خیالات کو بھی پڑھ کر کاکا کو اپنے مالک کے ساتھ جانے کی اجازت دے دی۔ ٹھاکر کو ایک بار پھر دوسروں کے دل کی بات جان لینے کی بابا کی قدرت کا ثبوت مل گیا۔

پھر بابا نے کاکا سے 15 روپے دکشنا کے طور پر مانگ کر لیے۔ کاکا سے انھوں نے کہا: ''اگر میں کسی سے ایک روپیہ دکشنا لیتا ہوں تو مجھے اس کو دس گنا لوٹانے پڑتے ہیں۔ میں کبھی بھی کوئی چیز مفت حاصل نہیں کرتا۔ میں کبھی بھی کسی سے برے بھلے میں تمیز کیے بغیر نہیں مانگتا۔ میں صرف اسی سے لیتا ہوں جس کی طرف میرا گورو اشارہ کرتا ہے۔ اگر کوئی پہلے سے گورو کا مقروض ہے تو اس سے پیسہ حاصل کیا جاتا ہے۔ دینے والا بیج کو یہ سوچ کے زمین پر ڈالتا ہے کہ اس سے مستقبل میں بھرپور فصل حاصل کرے گا۔ دولت فرائض کو نبھانے کے کام آنی چاہیئے۔ اگر وہ ذاتی خوشی کے لیے ہی استعمال کی جائے تو وہ ضائع ہو جاتی ہے۔ اگر تم نے پہلے اس کو نہیں دیا ہے تو اب تم اسے حاصل نہیں کر سکتے۔ چناں چہ حاصل کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ اسے دیا جائے۔ دکشنا دینے سے دنیاوی اشیاء سے لگاؤ ختم ہوتا ہے اور بھگتی اور گیان جنم لیتا ہے۔ ایک دو اور دس۔ گنا لو''

یہ سن کر مسٹر ٹھاکر نے یہ بھولتے ہوئے کہ اس نے ایسا نہ کرنے کا عہد کیا ہے بابا کو 15/روپے دکشنا کے طور پر دیے۔ اس نے سوچا کہ شرڈی آکر اس نے اچھا ہی کیا کیوں کہ اس طرح اس کے شکوک و شبہات دور ہو گئے اور اس نے بہت کچھ سیکھا بھی۔ اس طرح کے معاملات سے نبرد آزما ہونے کی بابا میں لامثال صلاحیت تھی۔ گو وہ یہ سارے کام کرتے تھے لیکن خود ان سے لاتعلق ہی رہتے تھے۔ کوئی انھیں دکشنا دیتا یا نہ دیتا وہ ان کے لیے برابر تھا۔ وہ کسی کی پرواہ نہ کرتے تھے۔ ان کی پوجا کرنے سے انھیں کوئی لطف نہ ملتا۔ اور اگر کوئی انھیں نظر انداز کر دیتا تو اس سے بھی انھیں کوئی دکھ نہ ہوتا۔ وہ لطف اور درد سے بے نیاز تھے۔

بیٹھا ہوا تھا اور اسے بھی کچھ انگور ملے تھے، کہا "تم کو کس قسم کی کشمش ملی؟"، "بیج والی"
اس نے جواب دیا۔ یہ سن کر ٹھاکر کو اور بھی حیرانی ہوئی۔ اپنے بڑھتے ہوئے اعتقاد کی
مزید تصدیق کے لیے ٹھاکر نے ایک بار پھر اپنے دل میں سوچا "اگر بابا اصلی سنت ہے تو
کشمش اب سب سے پہلے کاکا کو دی جانی چاہئیں۔" اس کے خیالات کو پڑھتے ہوئے بابا
نے حکم دیا کہ اب تقسیم کاکا سے شروع کی جائے۔ ٹھاکر کے لیے یہ ثبوت کافی تھے۔ پھر
شاما نے ٹھاکر کا تعارف کرواتے ہوئے کہا کہ یہ میرا مالک ہے۔ یہ سن کر بابا یوں مخاطب
ہوئے: "یہ کیسے تمہارا مالک ہو سکتا ہے کیوں کہ تمہارا تو بلکل ہی عجیب و غریب مالک
ہے" کاکا نے اس جواب کو پسند کیا۔ چناں چہ اپنے ارادے کو بھلاتے ہوئے ٹھاکر بابا کو
سلام کر کے واڈا لوٹ آیا۔

دوپہر کی آرتی کے اختتام پر سب بابا سے اجازت لینے کے لیے مسجد گئے۔ شاما
نے ان سب کی طرف سے گفتگو کی۔ اس پر بابا ان سے یوں مخاطب ہوئے:۔

"کمزور ارادے والے آدمی کے پاس صحت اور دولت دونوں چیزیں تھیں اور وہ
ہر طرح کی ذہن و جسمانی پریشانیوں سے آزاد تھا لیکن اس نے غیر ضروری پریشانیوں کا
بوجھ اپنے اوپر ڈال کر ادھر ادھر بھٹکنا شروع کیا جس سے اس کے دن کا سکون و قرار
جاتا رہا۔ کبھی وہ اس بوجھ کو اتار پھینکتا اور کبھی اسے پھر کندھوں پر ڈال دیتا۔ اس کے من
میں ثابت قدمی نہ تھی۔ اس کو دیکھ کر اس پر رحم کرتے ہوئے میں نے کہا تھا:۔

> "اب مہربانی کر کے کسی ایک چیز پر جس کو بھی تم چاہو یقین
> کرو۔ اس طرح بھٹکنے سے کیا فائدہ ہے؟ ایک ہی چیز پر اپنے یقین
> و اعتقاد کو مرکوز کر دو"۔

ٹھاکرے ایک دم سمجھ گیا کہ یہ اس کے بارے میں بیان کیا جا رہا ہے۔ اس کی
خواہش تھی کہ کاکا بھی اس کے ساتھ واپس جائے لیکن کسی کو بھی یقین نہیں تھا کہ اس

ساتھ شرڈی جانے کا فیصلہ کیا اور چوں کہ کاکا کی واپسی غیر یقینی تھی اس لیے اس نے ایک دوسرے شخص کو ہم سفر کے طور پر ساتھ لے لیا۔ تینوں نے اکٹھے سفر شروع کیا۔ کاکا نے راستے میں دو سیر کشمش بیج سمیت بابا کو پیش کرنے کے لیے خریدی۔ شرڈی پہنچ کر وہ بابا کے درشن کے لیے مسجد گئے۔ اس وقت بابا صاحب تار کھڈ بھی وہاں تھا۔ اس سے ٹھاکر نے دریافت کیا کہ وہ درشن کرنے کے لیے کیوں آیا ہے؟ یہاں کوئی کرشمہ ہوا کیا؟، تار کھڈ نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ اس کا مقصد کرشمے دیکھنا نہیں تھا۔ پر بھگتوں کی مخلص تمنائیں یہاں ضرور پوری ہوتی ہیں۔ اس کے بعد کاکا نے بابا کے سامنے سجدہ کر کے ساتھ لائی کشمش پیش کی۔ بابا نے انھیں تقسیم کرنے کا حکم دیا۔ مسٹر ٹھاکر کو بھی کچھ دانے ملے۔ اسے یہ اچھا نہ لگا کیوں کہ ڈاکٹر نے اس کو مشورہ دیا تھا کہ وہ انھیں دھوئے اور صاف کیے بغیر نہ کھائے۔ اس لیے وہ مشکل میں پڑا۔ وہ انھیں نہ تو کھانا چاہتا تھا اور نہ مسترد کرنا چاہتا تھا۔ تکلفات کو برقرار رکھتے ہوئے اس نے انھیں منہ میں ڈال لیا لیکن اسے اب یہ پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ بیجوں سے کیا کرے۔ وہ انھیں مسجد کے فرش پر تھوک نہیں سکتا تھا۔ چناں چہ نہ چاہتے ہوئے بھی اس نے انھیں جیب میں ڈال لیا۔ پھر اس نے اپنے من میں سوچا کہ اگر بابا سنت ہیں تو وہ اس کی کشمش کی تئیں نفرت سے کس طرح بے بہرہ ہو سکتے ہیں اور کس طرح وہ انھیں اس پر ٹھونس سکتے ہیں۔ جب یہ خیال اس کے دل میں پیدا ہوا تو بابا نے اسی وقت اسے کچھ اور کشمش دی۔ اس نے کھانے کی بجائے ہاتھ میں رکھا۔ بابا نے اسے انھیں کھانے کے لیے کہا۔ اس نے حکم کی تعمیل بجا لائی اور اسے حیرت ہوئی کہ ان میں بیج نہ تھے۔ وہ کرامات دیکھنا چاہتا تھا اور یہ ان میں سے ایک تھی۔ وہ سمجھ گیا کہ بابا کو اس کے خیالات معلوم تھے اسی لیے انھوں نے بیج والی کشمش کو بیج کے بغیر کشمش میں تبدیل کر دیا۔ کیسی شاندار کرامت تھی یہ۔ ایک بار پھر آزمانے کے لیے اس نے تار کھڈ سے جو قریب ہی

"تم خود ہی بابا سے پوچھ لو" یہ کاکا کا جواب تھا۔ بابا نے کاکا سے پوچھا کہ تمہارا دوست تمہارے کان میں کیا کہہ رہا ہے "تب دوست نے خود ہی بابا سے دریافت کیا کہ کیا اسے بھی دکشنا دینی چاہیئے۔ بابا نے جواب دیتے ہوئے کہا تم چوں کہ دکشنا دینا نہیں چاہتے تھے اس لیے تم سے دکشنا نہیں مانگی گئی لیکن اب اگر تم دینا چاہتے ہو تو دے سکتے ہو" تب دوست نے 17/ روپے دکشنا کے طور پر بابا کو ادا کیے جتنے کہ کاکا نے ادا کیے تھے۔ اس کے بعد بابا نے اس سے کچھ الفاظ نصیحت کے طور پر یوں کہے:

"ہمارے درمیان تفریق کی جو دیوار کھڑی ہے تم اسے ڈھا دو تاکہ ہم ایک دوسرے کو آمنے سامنے دیکھ کر مل سکیں۔" اس کے بعد بابا نے انھیں جانے کی اجازت دے دی۔ حالاں کہ موسم ابر آلود اور خوف زدہ کرنے والا تھا لیکن بابا نے انھیں یقین دلایا کہ وہ بخیر و عافیت سفر پورا کریں گے۔ وہ بہ حفاظت بمبئی پہنچ گئے۔ جب وہ گھر پہنچا اور اس نے اپنے گھر کے دروازے اور کھڑکیاں کھولیں تو اس نے دو چڑیوں کو فرش پر مردہ گرا ہوا پایا ایک چڑیا کھڑکی کے راستے باہر اڑ گئی۔ اس نے سوچا کہ اگر اس نے کھڑکیوں کو کھلا رکھا ہوتا تو دونوں چڑیاں بچ سکتی تھیں۔ لیکن پھر اسے یہ خیال آیا کہ وہ تقدیر کے مطابق اپنے انجام کو پہنچ چکی تھیں اور بابا نے اسے جلد واپس صرف تیسری چڑیا کو بچانے کے لیے بھیجا تھا۔

کاکا مہاجنی کا مالک

کاکا جو بمبئی میں وکیل تھا ٹھاکر دھرمسے جیٹھا بھائی کی فرم میں منیجر کے طور پر ملازم تھا۔ مالک اور منیجر دونوں کے آپس میں بہت گہرے تعلقات تھے۔ ٹھاکر کو یہ بات معلوم ہوئی کہ کاکا اکثر شرڈی جاتا ہے اور وہاں کچھ دن قیام کر کے جب بابا اجازت دیتے وہ لوٹ آتا۔ محض تجسس کی وجہ سے اور بابا کو آزمانے کے لیے ٹھاکر نے کاکا کے

فقیری کہاں باقی رہ جاتی ہے۔ لیکن ایسی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ لوگ شرڈی بابا کا مذاق اڑانے کے لیے گئے اور وہاں بابا کی پوجا کرنے لگے۔ دو مثالیں نیچے دی گئی ہیں:-

کاکا مہاجنی کا دوست

کاکا مہاجنی کا دوست بھگوان کی پوجا اسے شکل و صورت سے عاری سمجھتے ہوئے کرتا تھا۔ وہ مورتی پوجا کے خلاف تھا۔ محض تجسس کی وجہ سے وہ کاکا مہاجنی کے ساتھ شرڈی جانے کے لیے ان دو شرائط پر تیار ہو گیا:-

(1) کہ وہ نہ تو بابا کے سامنے سجدہ کرے گا اور (2) نہ انھیں دکشنا ہی دے گا۔ کاکا نے ان شرائط کو مان لیا اور وہ دونوں سنیچر کی رات کو بمبئی سے روانہ ہو کر دوسری صبح شرڈی پہنچ گئے۔ جیسے ہی انھوں نے مسجد کی سیڑھیوں پر قدم رکھا بابا نے دور سے دوست کو دیکھتے ہوئے بڑے پیار بھرے لہجے میں اس طرح خطاب کیا:-

"خوش آمدید جناب" جس لہجے میں یہ الفاظ ادا کیے گئے وہ بہت ہی مخصوص قسم کا تھا یہ آواز دوست کے سورگباشی والد کی آواز سے قطعی ملتی تھی۔ اس نے اس کو اپنے سورگباشی والد کی یاد تازہ کر دی جس سے اس کی رگ و پے میں مسرت کی لہر دوڑ گئی۔ اس لہجے میں کیسا جادوئی اثر تھا۔ حیرانی کے عالم میں دوست نے کہا:-

"بے شک یہ میرے والد کی آواز ہے" پھر اپنے عہد کو بھولتے ہوئے اس نے یکدم اوپر جاکر اپنا سر بابا کے قدموں پر رکھ دیا۔

پھر بابا نے دو بار دکشنا مانگی۔ ایک بار صبح اور دوسری بار دوپہر کو جب کہ وہ وہاں سے لوٹ رہے تھے۔ لیکن یہ دکشنا بابا نے کاکا سے طلب کی نہ کہ اس کے دوست سے۔ دوست نے کاکا کے کان میں کہا: بابا نے تم سے دوبار دکھشنا مانگی، میں تمہارے ساتھ ہوں۔ انھوں نے مجھے کیوں چھوڑ دیا؟"۔

اٹھائیسواں باب

[آزمایا گیا پر کبھی کمی نہ پائی گئی۔کاکا مہاجنی کا دوست اور مالک،نیند نہ آنے سے متعلق باندرا کا معاملہ۔بالا پاٹل نیو اسکر۔]

اس باب میں بھی ہم اودی کے موضوع اور اس کی اہمیت و بیان کرنے کا سلسلہ جاری رکھیں گے۔اس میں دو معاملات کو پیش کیا گیا ہے جن کے ذریعے بابا کی آزمائش کی گئی اور ان میں کوئی کمی نہ پائی گئی۔ان معاملات کا ذکر پہلے کیا جائے گا۔

ابتدائیہ

روحانی معاملات یا کوشش میں فرقہ واریت ہماری ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہوتی ہے۔وہ لوگ جو اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ خدا کی کوئی شکل وصورت نہیں ہے اکثر یہ کہتے ہوئے سنے جاتے ہیں کہ اس بات پر یقین کرنا کہ خدا کی کوئی شکل وصورت ہے محض ایک دھوکا ہے یا فریب ہے۔فقیر یا سنت محض انسان ہوتے ہیں۔اس لیے ان کے سامنے کیوں سجدہ کیا جائے یا انھیں کیوں دکشنا دی جائے۔دوسرے طبقات سے تعلق رکھنے والے بھی اس پر اعتراض کرتے ہوئے اکثر کہتے ہیں:

"ہم اپنے ست گورو کو چھوڑ کر دوسرے فقیروں یا سنتوں کے سامنے سر کیوں جھکائیں" ایسے ہی اعتراضات سائی بابا کے بارے میں بھی تب سنے جاتے تھے اور اب بھی سنے جاتے ہیں۔کچھ یہ کہتے تھے کہ وہ جب شرڈی گئے تو بابا نے ان سے دکشنا مانگی۔کیا یہ ٹھیک یا درست ہے کہ سنت اس طرح سے پیسا جمع کریں۔اگر وہ ایسا کرتے ہیں تو ان کی

اسی زمانے میں اس شہر کے نمبر دار کا وہاں آنا ہوا۔ وہ بابا کا بھگت تھا اور اپنے ساتھ اکثر اودی کا ذخیرہ رکھتا تھا۔ دوستوں کے مشورے پر اس کے بیٹے نے اس آفیسر سے تھوڑی سی اودی حاصل کی اور اسے پانی میں ملا کر باپ کو پینے کے لیے دی۔ پانچ منٹ کے اندر اندر اودی نے اندر جذب ہو کر پتھری کو تحلیل کر کے پیشاب کے راستے باہر نکال دیا اور بزرگ کو درد سے نجات حاصل ہو گئی۔

بمبئی کی عورت

بمبئی میں ایک کائستھ خاتون کو بچہ جنتے وقت اکثر بہت تکلیف ہوتی۔ ہر بار جب وہ حاملہ ہوتی تو بہت ڈری ڈری سی رہتی اور اسے یہ پتا نہ چلتا کہ وہ کیا کرے۔ راما مورتی جو بابا کا بھگت تھا نے اس کے خاوند کو مشورہ دیا کہ وہ درد کے بغیر بچہ جننے کے لیے اپنی بیوی کو شرڈی لے جائے۔ اگلی بار جب وہ حاملہ ہوئی تو خاوند اور بیوی دونوں شرڈی آئے اور وہاں کچھ ماہ رہ کر بابا کی پوجا کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ان کی قربت سے بھی ہر طرح سے فیضیاب ہوتے رہے۔ کچھ وقت بعد جب پیدائش کا وقت آیا تو ایک بار پھر بچہ دانی سے باہر کی طرف جانے والی راہ میں رکاوٹ پیدا ہو گئی۔ اسے دردِ زہ کی تکلیف شروع ہو گئی اور یہ سمجھ نہ آیا کہ وہ کیا کرے لیکن بابا سے تکلیف دور کرنے کے لیے دعا وہ ضرور مانگنے لگی۔ عین اسی وقت ہمسائے میں رہنے والی ایک خاتون آ گئی اور بابا سے دعا مانگنے کے بعد اس نے پانی میں ملی ہوئی اودی اسے پینے کے لیے دی۔ پانچ منٹ میں خاتون نے بنا درد کے بڑی حفاظت سے بچے کو جنم دیا۔ اپنی تقدیر کے مطابق بچہ پیدا ہوا لیکن ماں کو جس کو درد تھا تکلیف سے نجات حاصل ہو گئی۔ اس نے بہ حفاظت بچہ جننے کے لیے بابا کا شکریہ ادا کیا اور ساری عمر ان کی احسان مند رہی۔

کرموں کا راستہ بڑا ہی رازوں بھرا ہے۔ حالاں کہ میں کچھ بھی نہیں کرتا ہوں پر لوگ مجھ کو ان اعمال کے لیے بھی ذمے دار ٹھہراتے ہیں میں صرف ان کا شاہد ہوتا ہوں۔ خدا ہی واحد سب کچھ کرنے والا ہے اور اس کی تحریک دینے والا ہے۔ وہ سب سے زیادہ رحم دل بھی ہے۔ میں نہ تو مالک ہوں نہ خدا۔ میں اس کا وفادار غلام ہوں۔ جو آدمی اسے یاد کرتا ہے وہ جو اپنی انا کو ترک کر کے اس کا شکریہ ادا کرتا ہے جو اس پر پورا بھروسا کرتا ہے اس کی بیڑیاں کھل جائیں گی اور اسے آزادی حاصل ہو گی"۔

ایرانی کی بیٹی

اب ایک ایرانی شخص کی رُوداد کے بارے میں پڑھیے۔ اس کی بیٹی کو ہر گھنٹے میں دورے پڑتے تھے۔ جب اس پر دورہ پڑتا تو اس کے بولنے کی طاقت جاتی رہتی۔ اس کے اعضا سکڑ کر ٹیڑھے ہو جاتے اور وہ بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑتی۔ کسی بھی علاج سے اس کو افاقہ نہ ہوا۔ کچھ دوستوں نے لڑکی کے باپ کو مشورہ دیا کہ وہ کاکا صاحب دیکشت جو بمبئی کے نواح میں رہتا ہے سے بابا کی اودی حاصل کرے۔ چناں چہ ایرانی نے اودی حاصل کر کے اسے پانی میں گھول کر کچھ دن تک بیٹی کو پلایا۔ شروع مین دورے گھنٹے گھنٹے کے بعد پڑتے تھے اب سات سات گھنٹے کے بعد پڑنے لگے اور کچھ دن بعد بیٹی بالکل صحت یاب ہو گئی۔

ہردہ کا آدمی

ہردہ کے ایک بزرگ آدمی کے گردے میں پتھری کی تکلیف تھی۔ اس طرح کی تکالیف کو عموماً آپریشن کے ذریعے دور کیا جاتا ہے اور اس کو بھی لوگوں نے آپریشن کروانے کا ہی مشورہ دیا۔ وہ بوڑھا اور کمزور تھا اور اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ آپریشن کے بارے میں سوچ پائے۔ اس کی تکلیف ایک طرح سے جلد ہی دور ہونا تھی۔

بیماری کا علاج بابا نے اسی طرح کر دیا جیس کہ انھوں نے پیشن گوئی کی تھی۔

شاما کی بھابی

شاما کا چھوٹا بھائی "باپاجی" ساولی وہیر کے پاس رہتا تھا۔ ایک بار اس کی عورت طاعون کی بیماری کا شکار ہو گئی۔ سخت بخار کے علاوہ اُس کی رانوں پر دو دانے ابھر آئے۔ باپاجی شاما کے پاس شرڈی بھاگا اور اس سے مدد کی درخواست کی۔ شاما سن کر ڈر گیا لیکن جیسے کہ اس کی عادت تھی وہ بابا کے پاس گیا اور ان کے سامنے سر بسجود ہو کر ان سے درخواست کی کہ وہ اس کی بھابی کو صحت یاب کر دیں۔ اس نے ان سے بھائی کے گھر جانے کی اجازت بھی چاہی۔ تب بابا نے کہا: رات کے اس وقت وہاں مت جاؤ۔ اسے اودی بھیج دو۔ بخار اور دانوں کے لیے فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ خدا ہمارا مالک ہے۔ وہ جلد ہی صحت یاب ہو جائے گی۔ اس وقت مت جاؤ۔ صبح جا کر جلد لوٹ آنا۔

شاما کو بابا کی اودی پر پورا یقین تھا۔ وہ باپاجی کے ہاتھ بھیج دی گئی۔ اس میں سے کچھ دانوں پر لگائی گئی اور کچھ کو پانی میں گھول کر مریض کو پینے کے لیے دی گئی۔ دوسری صبح باپاجی اپنی بیوی کو ٹھیک ٹھاک حالت میں اور تر و تازہ دیکھ کر حیران ہو گیا۔ اسے نہ تو بخار تھا اور نہ وہ دانے ہی تھے۔ جب شاما وہاں گیا تو وہ بھی اسے چولہے کے پاس بیٹھی چائے تیار کرتی دیکھ کر حیران ہو گیا۔ بھائی سے پوچھنے پر اسے معلوم ہوا کہ بابا کی اودی نے اسے ایک رات میں ہی پوری طرح صحت یاب کر دیا تھا۔ تب شاما کو بابا کے ان الفاظ کی اہمیت کا احساس ہوا: "وہاں صبح جا کر جلد ہی لوٹ آؤ"۔

چائے پینے کے بعد شاما لوٹ آیا اور بابا کو سلام کرنے کے بعد ان سے یوں مخاطب ہوا: "دیوا یہ آپ کا کیسا کھیل ہے؟ آپ پہلے طوفان پیدا کر کے ہمیں پریشان کرتے ہیں اور تب اسے شانت کر کے ہماری مشکلیں آسان کر دیتے ہیں" بابا نے جواب دیا: "دیکھو

ڈاکٹر کو اسی حالت میں لایا گیا اور بابا کی داہنی طرف اس کو بٹھایا گیا۔ بابا نے اسے اپنا گاؤ تکیہ دیتے ہوئے کہا "یہاں خاموشی سے لیٹ جاؤ اور آرام کرو۔ اس کا صحیح علاج یہ ہے کہ گذشتہ کرموں کے پھل کو بھگت کے ان سے نجات حاصل کی جائے۔ ہمارا کرم ہی ہمارے غم اور خوشی کی وجہ ہے اس لیے جو بھی ملتا ہے اسے برداشت کرو۔ اللہ ہی واحد دینے والا اور حفاظت کرنے والا ہے۔ اسی کا ہمیشہ دھیان کرو۔ وہی تمہارا خیال رکھے گا۔ اپنے جسم، من، دولت اور کلام کو اسی کے قدموں پر پوری طرح نچھاور کرو اور پھر دیکھو وہ کیا کرتا ہے"۔ ڈاکٹر نے بابا سے کہا کہ کاکا صاحب نے اس کی ٹانگ پر پٹی باندھی تھی۔ لیکن اس سے اسے کوئی آرام نہیں ملا۔ "نانا بیوقوف ہے" بابا نے جواب دیا "اس پٹی کو اتار دو، ورنہ تم مر جاؤ گے۔ اب ایک کوا آکر تم کو ٹھونک مارے گا جس سے تم صحت یاب ہو جاؤ گے"۔

یہ بات چیت ابھی چل رہی تھی کہ عبدل نامی ایک شخص جو مسجد کی صفائی کرتا اور دیوں کی بتیوں کو صاف کرتا تھا وہ وہاں آیا۔ چراغوں کی بتیوں کو صاف کرتے ہوئے غلطی سے اس کا پاؤں اسی ٹانگ پر پڑ گیا جو اس نے درد کی وجہ سے آگے پھیلا رکھی تھی۔ ٹانگ پہلے ہی سوجی ہوئی تھی اور جب عبدل کا پاؤں اس پر پڑا تو وہ سبھی سات گنی کیڑے یکدم دباؤ کی وجہ سے باہر پھوٹ پڑے۔ درد کی شدت کی وجہ سے بلے چیخ پڑا۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ تھوڑا پر سکون ہو کر کبھی گانے اور کبھی چیخنے لگا تو بابا نے کہا:-

"دیکھو ہمارا بھائی اب صحت یاب ہو کر گا رہا ہے"۔

ڈاکٹر بلے نے اس پر بابا سے پوچھا کہ کوا کب آکر ٹھونگیں مارے گا" بابا نے جواب میں کہا "کیا تم نے کوا نہیں دیکھا؟ وہ دوبارہ نہیں آئے گا۔ عبدل ہی وہ کوا تھا۔ اب جاؤ واڑا میں جا کر آرام کرو۔ تم جلد ہی بالکل صحت یاب ہو جاؤ گے۔ اودی کو مل کر اور اسے پانی کے ساتھ پی کر اور کسی دوسرے علاج یا دوا کو استعمال نہ کر کے دس دن میں اس

حرارت معمول پر آگیا۔ پھر اپنے ارادے کے مطابق وہ شرڈی گیا، باباکے درشن کیے اور ان کے سامنے سجدہ کیا۔ بابانے اسے ایسے ایسے تجربے دیئے کہ وہ ان کا بھگت بن گیا۔ وہ وہاں چار دن تک رہااور پھر باباکی اودی اور دعائیں لے کر گھر لوٹا۔ پندرہ دن کے اندر ہی اسے ترقی دے کر بیجاپور بھیج دیا گیا۔ اس کے بھتیجے کی بیماری نے اسے باباسے ملنے کا موقع فراہم کیااور شرڈی کے دورے نے اس کے دل میں باباکے قدموں کی ان مٹ محبت پیدا کی۔

ڈاکٹر پلے

ایک ڈاکٹر پلے باباکے بڑے قریبی بھگت تھے۔ باباان کو بہت پسند کرتے تھے اور انھیں ہمیشہ بھائی کہہ کر پکارتے۔ بابا کبھی کبھار ان سے گفتگو کرتے تھے اور اکثر معاملات میں ان سے مشورہ کرنے کے ساتھ ہی ساتھ انھیں ہر وقت اپنے پاس دیکھنا چاہتے۔ اس ڈاکٹر پلے کو اس بار بری طرح گنی کیڑوں کی (ناسور کی) شکایت ہو گئی۔ اس نے کاکا صاحب دیکشت سے کہا: بڑا شدید اور نا قابلِ برداشت درد ہو رہا ہے۔ اس سے بہتر ہے مجھے موت آجائے میں جانتا ہوں یہ درد میرے پچھلے کرموں کا پھل ہے۔ لیکن جاؤ باباسے جاکر عرض کرو کہ وہ اس درد کو روک کر میرے ماضی کے ان کرموں کے اثر کو اگلے دس جنموں میں تقسیم کردیں۔ مسٹر دیکشت نے جاکر باباسے اس کی درخواست کے بارے میں بتایا۔ باباکا دل بھر آیا۔ اور وہ ٹھیک دیکشت سے یوں مخاطب ہوئے:۔

"اس سے کہو کہ نہ گھبرائے۔ وہ دس جنموں تک کیوں دکھ اٹھائے۔ وہ اپنے ماضی کے کرموں کی وجہ سے ملنے والے دکھ کو دس دن میں کاٹ سکتا ہے۔ جب میں وہاں پر اس کو دنیاوی اور روحانی بہبودی کے لیے موجود ہوں تو پھر وہ موت کی دعائیں کر رہا ہے۔ اسے کسی کی پیٹھ پر اٹھاکر یہاں لاؤ تاکہ ہم اس کے دکھ کاازالہ کر سکیں"۔

کی آخری حد تک کبھی کوئی تکلیف نہ اٹھائیں گے۔ اس لیے اب بے فکر ہو جایئے اس لیے زخمیوں پر اودی لگایئے اور ایک ہفتے کے اندر وہ صحت یاب ہو جائے گا۔ خدا پر یقین رکھو۔ یہ مسجد نہیں بلکہ دوارکاوتی ہے۔☆ جو یہاں قدم رکھتا ہے وہ جلد ہی صحت اور خوشی پاتا ہے اور اس کی تکلیف بھی ختم ہو جاتی ہے" لڑکے کو بابا کے سامنے بٹھایا گیا انھوں نے اپنا ہاتھ ان تمام جگہوں پر پھیرا جہاں جہاں بیماری کا اثر تھا۔ اپنی محبت بھری نگاہیں بھی اس پر ڈالیں۔ مریض بہت خوش ہوا اور اودی ملنے سے وہ صحت یاب ہونا شروع ہوا اور کچھ دنوں کے اندر ہی وہ بالکل ٹھیک ہو گیا۔ لڑکے کے ماں باپ لڑکے سمیت بابا کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے روانہ ہوئے جن کی اودی اور مبارک نظروں نے اس کی بیماری کا علاج کیا تھا۔

یہ سب کچھ جان کر لڑکے کا ڈاکٹر چچا حیران ہوا اور اس نے اپنے بمبئی کے سفر کے دوران بابا سے ملنے کا بھی فیصلہ کیا۔ لیکن مالیگاؤں اور منماڈ کے مقامات پر کسی نے بابا کے خلاف اسے کچھ کہہ کر اس کے کان بھر دیئے۔ چناں چہ اس نے شرڈی جانے کا ارادہ ترک کر دیا اور براہِ راست بمبئی چلا گیا۔ وہ اپنی چھٹی کے باقی ایام علی باغ میں گزارنا چاہتا تھا لیکن بمبئی میں تین دن ہر رات انھیں ایک آواز پکارتی ہوئی ان سے یہ پوچھتی سنائی دیتی رہی "اب بھی تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے؟" اس پر ڈاکٹر نے اپنا ارادہ بدل کر شرڈی جانے کا فیصلہ کیا۔ اسے بمبئی میں متعدی بخار کے ایک کیس کا معائنہ کرنا تھا جس کے جلد کم ہونے کے آثار دکھائی نہ دیتے تھے۔ چناں چہ اس نے سوچا کہ وہ اپنے شرڈی کے سفر کو ملتوی کر دے۔ لیکن آزمائش کے طور پر اس نے دل میں سوچا کہ اگر مریض آج ٹھیک ہو جاتا ہے تو وہ کل شرڈی کے لیے روانہ ہو جائے گا۔ حیرت یہ ہے کہ عین اسی وقت جب اس نے دل میں یہ شرط طے کی بخار کم ہونا شروع ہوا اور درجۂ

☆ دوارکا = گجرات کا ایک ساحلی قصبہ جہاں شری کرشن نے نگری بسائی تھی۔

ستائیسواں باب

اودی کی عظمت (جاری)

[(1)ڈاکٹر کا بھتیجا(2) ڈاکٹر پلے (3)شاما کی سالی (4) ایرانی لڑکی (5)ہاردا کا ایک شریف انسان (6)بمبئی کی ایک خاتون۔]

اودی کی عظمت کے موضوع کو جاری رکھا گیا ہے اور ایسے واقعات بیان کیے گئے ہیں جن میں اودی سے بہت سے معجزے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر کا بھتیجا

ضلع ناسک کے ایک قصبے مالی گاؤں میں ایک ڈگری یافتہ ڈاکٹر رہتا ہے۔ اس کا بھتیجا ہڈیوں کی ایک قسم کی تپ دق کی بیماری میں مبتلا تھا۔ ڈاکٹر نے جو خود مطب بھی کرتے تھے سب طرح کے علاج آزمائے یہاں تک کہ اپریشن بھی کیا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا اور نہ لڑکے کی تکلیف کا سدِ باب ہی کیا جا سکا۔ ماں باپ کے دوستوں اور رشتے داروں نے غیب سے مدد حاصل کرنے کا مشورہ دیا اور تجویز پیش کی کہ سائی بابا سے رجوع کریں جن کے بارے میں یہ مشہور تھا کہ انھوں نے محض ایک نظر سے بہت سی لاعلاج بیماریوں کا علاج کیا ہے۔ چناں چہ والدین شرڈی آئے۔ بابا کے سامنے سر بسجود ہو کر انھوں نے بیٹے کو ان کے سامنے رکھتے ہوئے بڑے ادب و احترام اور انکساری سے درخواست کی کہ وہ ان کے بیٹے کو بچائیں۔ رحم دل بابا نے یہ کہتے ہوئے ان کو تسلی دی کہ ”جو لوگ اس مسجد کی طرف رجوع کرتے ہیں وہ اس زندگی میں اور وقت

نے گھر کا راستہ لیا۔ راستے میں جب وہ ناسک کے مقام پر کالارام کے مندر میں درشن کے لیے گئے تو سنت نرسنگ مہاراج جو مندر کے صدر دروازے کے ساتھ ہی بیٹھے تھے اپنے بھگتوں کو چھوڑ کر ہری بھاؤ کے پاس آئے اور ان کی کلائی پکڑ کر یوں مخاطب ہوئے:۔

''مجھے میرا ایک روپیہ دے دو''۔ کرنک بہت حیران ہوئے۔ انھوں نے خوشی سے روپیہ دے کر سوچا کہ سائی بابا نے ان سے وہ روپیہ لے ہی لیا جو وہ اپنے من میں انھیں دینے کا ارادہ رکھتا تھا، جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ سادھو سنت کس طرح ایک دوسرے سے مل کر ایک ہو کر کام کرتے ہیں۔

یہ کہانی اس بات کی مثال پیش کرتی ہے کہ سارے سنت ایک ہیں اور بتاتی ہے کہ وہ کس طرح ایک ہو کر کام کرتے ہیں۔

نوٹ کرنا چاہیے کہ بابا نے اپنے آخری وقت میں ایک خاتون لکشمی بائی شنڈے کو بھی نو روپے دیے تھے۔

اپا صاحب نے اودی کے پیکٹ کو کھول کر دیکھا اس میں پھول کی پتیاں اور اکشت (چاول کے ثابوت دانے) وغیرہ تھے۔ پھر کچھ وقت بعد جب وہ بابا سے ملنے کے لیے شرڈی گئے تو ان سے انھیں ایک بال ملا۔ انھوں نے اودی کے پیکٹ اور بال کو ایک تصویر میں بند کرالیا جس کو وہ ہمیشہ اپنے بازو پر باندھ کر رکھتے۔ اپا صاحب نے اودی کی طاقت کو جان لیا۔ وہ بہت ہوشیار تھے۔ شروع میں انھیں صرف چالیس روپے تنخواہ ملتی تھی۔ لیکن بابا کی تصویر اور اودی حاصل کرنے کے بعد انھیں کئی چالیس روپوں کے برابر تنخواہ ملنے لگی۔ ساتھ ہی ان کے اقتدار اور اثر ورسوخ میں بھی اضافہ ہوا۔ ان عارضی دنیاوی مفادات کے ساتھ ساتھ ہی ان کی روحانی ترقی میں بھی بہت تیزی آئی۔ چناں چہ لوگ جو خوش نصیب ہیں ان کے پاس بابا کی اودی ہوتی ہے۔ انھیں نہانے کے بعد اسے ماتھے پر ملنے کے ساتھ ہی ساتھ اسے پانی میں گھول کر پینا بھی چاہیے۔

ہری بھاؤ کرنک

1917 میں گورو پورنما کے موقع پر جو اشاڑھ کے مہینے میں ہوتی ہے ضلع ٹھانے کے موضع ڈہانو کے شری ہری بانو کرنک شرڈی آئے اور انھوں نے تمام رسومات کے ساتھ سائی بابا کی پوجا کی۔ انھوں نے کپڑے اور دکشنا دے کر شاما کی وساطت سے بابا سے اجازت لی اور مسجد کی سیڑھیوں سے نیچے اُتر آئے۔ پھر انھوں نے سوچا کہ انھیں ایک روپیہ اور بابا کو دینا چاہیئے اس مقصد سے واپس مڑے۔ سیڑھیاں چڑھنے ہی والے تھے جب شاما نے انھیں اشاروں سے سمجھایا کہ چوں کہ وہ بابا سے جانے کی اجازت لے چکے ہیں اس لیے انھیں واپس مڑنے کی بجائے سیدھا چلا جانا چاہیئے۔ اس لیے انھوں

اب بابا کی حیران کر دینے والی لیلا کے بارے میں سنیے:-

آپا صاحب اپنا دورہ بر قرار نہ رکھ سکے کیوں کہ بھیونڈی کے مقام پر ان کا گھوڑا بیمار پڑ گیا۔ وہ اسی دوپہر کو گھر لوٹ آئے جہاں انھیں فقیر کے بارے میں بیوی سے معلوم ہوا۔ انھیں اس بات کا رنج ہوا کہ انھوں نے فقیر کو نہیں دیکھا اور اسے صرف ایک روپیہ دکشنا دی گئی تھی۔ انھوں نے کہا کہ اگر وہ گھر پر ہوتے تو دس روپے سے کم ہر گز نہ دیتے۔ تب وہ کھانا کھائے بغیر ہی فوراً فقیر کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے اور اسے مسجد میں اور دوسری جگہوں پر تلاش کیا۔ ان کی تلاش بے فائدہ ثابت ہوئی۔ چناں چہ انھوں نے گھر لوٹ کر کھانا کھایا۔ یہاں قارئین کو پچھلے باب میں بیان کیے گئے بابا کے یہ الفاظ یاد رکھنا چاہئیں کہ خدا کو بھوکے پیٹ تلاش نہیں کرنا چاہیے۔ اپا صاحب کو یہاں یہ سبق ملا۔ کھانا کھانے کے بعد پھر وہ اپنے ایک دوست مسٹر چترے کے ساتھ سیر کو نکلے۔ کچھ دور جانے کے بعد انھوں نے ایک شخص کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھا۔ اپا صاحب نے سوچا کہ شاید یہ وہی فقیر ہے جو دوپہر کو ان کے گھر آیا تھا کیوں کہ اس کے نقوش سائی بابا کے فوٹو سے ملتے تھے۔ فقیر نے فوراً ہاتھ پھیلا کر دکشنا مانگی۔ اپا صاحب نے اسے ایک روپیہ دیا۔ اس نے بار بار مانگا چنانچہ آپا صاحب نے اسے دو روپے اور دیئے۔ وہ اب بھی اور روپے مانگ رہا تھا۔ آپا صاحب نے اسے ساتھ گھر تک آنے کے لیے کہا۔ وہ سب گھر لوٹے اور آپا صاحب نے اسے تین روپے اور دیے جو کل ملا کر نو روپے ہوئے۔ اس کی اب بھی تسلی نہ ہوئی اور وہ مانگنے لگا۔ تب انھوں نے اسے بتایا کہ اس کے پاس دس کا نوٹ تھا۔ فقیر نے وہی دینے کے لیے کہا اور وہ لے کر پہلے لیے نو روپے لوٹا کر وہاں سے چل دیا۔ اپا صاحب نے چوں کہ دس روپے دینے کے لیے کہا تھا اس لیے وہی ان سے لیے گئے اور دوسرے نو وہ انھیں لوٹا دیے گئے۔ نو کا ہندسہ بہت اہم ہے۔ یہ نو قسم کی عقیدت کی علامت ہے جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں یہ بھی

بالا بوا ستار

بمبئی کا ایک سنت ہے جس کا نام بالا بوا ستار ہے اور جس کو اس کی پارسائی لگن اور بھجن کی وجہ سے جدید تکارام کہا جاتا ہے۔ پہلی بار 1917ء میں شرڈی آیا۔ جب وہ بابا کے سامنے جھکا تو بابا نے کہا کہ "میں اس شخص کو چار سال سے جانتا ہوں" بالا بوا نے حیران ہوتے ہوئے سوچا کہ یہ کیوں کر ممکن ہے کیوں کہ اس کا شرڈی کا یہ پہلا دورہ تھا۔ لیکن سنجیدگی سے غور کرنے پر اسے یاد آیا کہ چار سال قبل بمبئی میں اس نے بابا کی تصویر کے سامنے سجدہ کیا تھا۔ چناں چہ بابا کے الفاظ کی اہمیت کو اس نے تسلیم کر لیا۔ اس نے اپنے دل میں کہا: "کتنے عالم سب کچھ جاننے والے اور ہر چیز میں رہنے والے اور اپنے بھگتوں پر رحم کرنے والے حقیقت کو جان لیا تھا اور انھوں نے مجھے اس بات کا احساس بھی دلایا کہ ان کے فوٹو کو دیکھنا انھیں سچ مچ دیکھنے کے مترادف ہے۔

آپا صاحب کلکرنی (ایک اور کہانی)

آپا صاحب کلکرنی کی کہانی کی طرف ایک بار پھر لوٹتے ہیں۔ اسے بھیونڈی کے دورے پر جانا پڑا اور ایک ہفتے سے پہلے اس کی واپسی متوقع نہیں تھی۔ اس کی غیر حاضری میں حسب ذیل حیران کن واقع تیسرے دن رونما ہوا۔ دوپہر کے وقت ایک فقیر آپا صاحب کے گھر وارد ہوا۔ اس کے نقوش بابا کی تصویر سے بالکل ملتے تھے۔ مسز کلکرنی اور بچوں نے فقیر سے پوچھا کہ کیا آپ شرڈی کے سائیں بابا ہیں؟ اس نے انکار تو کیا لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ وہ ان کا ایک وفادار غلام ہے اور انھیں کے حکم سے یہاں پورے خاندان کی خیریت معلوم کرنے کے لیے آیا ہوں۔ پھر اس نے دکشنا مانگی۔ خاتون نے اسے ایک روپیہ دیا۔ اس نے اسے اودی کا ایک چھوٹا پیکٹ دیا اور کہا کہ وہ اسے بابا کی تصویر کے ساتھ مندر میں پوجا کے لیے رکھ دے۔ پھر وہ گھر سے چلا گیا۔

کی زندگی میں انھیں دوبار دیکھنے کا موقع ملا۔ بابا کے انتقال (1918) کے تین سال بعد اس نے پھر شرڈی آنا چاہا پر نہ آسکا۔ بابا کی مہا سادھی کے ایک سال کے اندر اندر وہ بیمار پڑا اور اسے سخت تکلیف اٹھانا پڑی۔ عام دواؤں سے اسے کوئی آرام نہ ملا۔ اس لیے اس نے دن رات بابا کا دھیان کرنا شروع کیا۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ بابا نے اپنے تہہ خانے سے باہر نکل کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا کہ " پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ تم کل سے بہتر ہونا شروع ہو جاؤ گے اور ایک ہفتے کے اندر اپنی ٹانگوں پر کھڑے ہو جائے گے "۔ خواب میں بتائے گئے وقت کے مطابق نارائن راؤ صحت یاب ہو گیا۔ اب توجہ طلب بات یہ ہے کہ کیا بابا زندہ تھے؟ کیوں کہ ان کا جسم تھا۔ یا کیا وہ زندہ نہیں تھے کیوں کہ انھوں نے اپنے جسم کو چھوڑ دیا تھا؟ بابا تو ہمیشہ زندہ ہیں کیوں کہ وہ زندگی اور موت دونوں سے ماورا تھے۔ جو انھیں دل سے محبت کرتا ہے اسے ان سے فوراً جواب پاتا ہے یعنی ویسا ہی سلوک اس سے وہ کرتے ہیں چاہے وہ کہیں بھی ہو یا کوئی بھی وقت ہو۔ وہ ہمیشہ ہمارے ساتھ ہوتے اور کوئی بھی شکل اختیار کر کے اپنے سچے بھگت کے سامنے نمودار ہو کر اس کی تسلی یا تشفی کرتے ہیں۔

آپا صاحب کلکرنی

1917ء میں ایک صاحب جس کا نام آپا صاحب کلکرنی تھا کے اچھے دن آئے۔ اس کا تبادلہ تھانہ ہوا اور وہ بابا کی تصویر کی پوجا کرنے لگا جو اسے بالا صاحب بھاٹے نے پیش کی تھی۔ اس نے بڑی شد و مد سے پوجا کی۔ وہ بابا کی تصویر کے سامنے روز نوید ،صندل کا پیسٹ اور پھول چڑھاتا اور بڑی سنجیدگی سے ان کو دیکھنے کی تمنا کرتا۔ اس سلسلے میں یہ بات یہاں بتادی جائے کہ بابا کی تصویر کو سنجیدگی سے دیکھنا انھیں سچ سچ دیکھنے کے مترادف ہے۔ مندرجہ ذیل کہانی اس کی مثال فراہم کرتی ہے۔

کھایااور وہاں سے روانہ ہوئے۔ وہ طلوعِ آفتاب کے وقت تک جام نیر پہنچے۔ رام گیر بوا پیشاب کرنے کے لیے گاڑی سے اترا اور جلد ہی واپس آ گیا لیکن دیکھا کہ وہاں نہ تو کوئی ٹانگہ تھا نہ کوچوان یا چپراسی، وہ بالکل گنگ ہو گیا۔ وہ قریب ہی کچہری گیا اور وہاں پوچھ تاچھ کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ معالمت دار گھر پر ہی تھا۔ اس نے نانا صاحب کے ہاں جا کر اپنی آمد کا اعلان کیا اور نانا صاحب کو بابا کی دی ہوئی اودی اور آرتی دی۔ اس وقت تک مینا تائی کی حالت بہت ہی نازک ہو چکی تھی اور سبھی کو اس کی بے حد تشویش تھی۔ نانا صاحب نے اپنی بیوی کو باہر بلا کر کہا کہ اس اودی کو پانی میں ملا کر لڑکی کو پلا دیا جائے اور بابا کی آرتی بھی گائیں۔ انھوں نے سوچا کہ بابا کی مدد صحیح وقت پر حاصل ہوئی ہے۔ چند منٹوں میں ہی یہ اطلاع آئی کہ بڑے محفوظ انداز میں بچے نے جنم لیا اور خطرہ ٹل گیا ہے۔ جب رام گیر بوا نے ٹانگہ، چپراسی اور کھانے پینے کی چیزیں بھیجنے کے لیے نانا صاحب کا شکریہ ادا کیا تو وہ یہ سن کر بہت حیران ہوئے کیوں کہ انھوں نے کسی کو اسٹیشن نہیں بھیجا تھا نہ یہ معلوم تھا کہ شرڈی سے کوئی آرہا ہے۔

تھانے کے رٹائر ہوئے معالمت دار شرڈی بی۔ وی۔ دیو نے اس سارے معاملے کے بارے میں نانا صاحب کے بیٹے باپو راؤ چندورکر اور شرڈی کے رام گیر بوا سے اس سارے معاملے کے بارے میں پوچھ تاچھ کر کے اور اپنی پوری تسلی کرنے کے بعد شرڈی سائی لیلا رسالے میں ایک مضمون شائع کیا جو جزو اً نثر اور جزو اً نظم میں تھا۔ بھائی بی۔ وی نرسمہا سوامی نے بھی مینا تائی، بابو صاحب چندورکر اور رام گیر بوا کے بیانات قلم بند کر کے "بھگتوں کے تجربات حصہ 3" کی شکل میں شائع کیے ہیں۔

نارائن راؤ

بھگت نارائن راؤ (جس کے والدین کا نام نہیں بتایا گیا ہے) کو خوش نصیبی سے بابا

میں تھوڑی دیر رک کر آرام بھی کر لے اور اودی اور آرتی ناناصاحب تک پہنچادے۔ رام گیر بوانے بابا سے کہا کہ اس کے پاس صرف دو روپے ہیں جو مشکل سے ہی جلگاؤں تک کے ریل کے کرایے کے لیے کافی ہیں اور اس کے لیے جلگاؤں سے جام نیر تک جانا جو وہاں سے تقریباً30 میل کی دوری پر ہے ممکن نہیں ہے۔ بابا نے اس سے کہا کہ وہ پریشانی نہ کرے اس کا انتظام ہو جائے گا۔ اس کے بعد نانا نے شاما سے کہا کہ وہ مادھواڈکر کی تخلیق کی ہوئی مشہور آرتی (جس کا ترجمہ اس کتاب کے آخر میں دیا گیا ہے) کو لکھ کر اس کی ایک نقل اودی کے ساتھ رام گیر بوا کو دے تا کہ وہ اسے بابا صاحب کو دے دے۔ بابا کے الفاظ پر یقین کرتے ہوئے رام گیر بوا شرڈی سے روانہ ہو کر صبح دو بج کر 45 منٹ پر جل گاؤں پہنچا۔ اب اس کے پاس صرف دو آنے بچے ہوئے تھے اور وہ بڑی مشکل میں تھا۔ اچانک اسے یہ سن کر بڑی طمانیت حاصل ہوئی کہ کوئی اسے پکارتے ہوئے کہہ رہا ہے کہ:

"شرڈی کا باپو گیرابو کون ہے؟" اس نے اس کے پاس جا کر کہا کہ میرا نام ہی باپو گیر بوا ہے۔ تب وہ چپراسی یہ کہتے ہوئے کہ اسے ناناصاحب نے بھیجا ہے۔ اُسے ایک طرف کھڑے ایک شاندار تانگے کی طرف لے گیا جس سے دو اچھے گھوڑے بندھے ہوئے تھے۔ چناں چہ وہ دونوں اس میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے۔ تانگہ بہت تیز چل رہا تھا۔ اس طرح کہ اگلی صبح وہ ایک چھوٹی ندی کے کنارے پہنچے۔ کوچوان گھوڑوں کو پانی پلانے لگا اور چپراسی نے رام گیر بوا سے ناشتہ کرنے کے لیے کہا۔ چپراسی کی مونچھیں داڑھی اور لباس دیکھ کر اسے شک ہوا کہ وہ مسلمان ہے اس لیے وہ اس سے لے کر کوئی بھی چیز کھانے کے لیے تیار نہ تھا لیکن چپراسی نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا وہ گھڑوال سے تعلق رکھنے والا ایک کھتری ہندو تھا اور یہ کھانے پینے کی چیزیں ناناصاحب نے بھیجی تھیں اور انھیں لینے میں اسے بالکل نہیں ہچکچانا چاہیے۔ تب دونوں نے ان چیزوں کو

طاعون کی وبا

ایک بار باندرہ کے ایک بھگت کو معلوم ہوا کہ اس کی بیٹی جو کسی دوسری جگہ رہتی تھی طاعون کی وبا کی وجہ سے بیمار ہو گئی ہے۔ اس کے پاس اودی نہیں تھی اس لیے اس نے ناناصاحب چندورکر کو پیغام بھیجا کہ وہ کچھ اودی بھجوائیں۔ ناناصاحب کو یہ پیغام راستے میں تھانہ ریلوے اسٹیشن کے پاس اس وقت ملا جب وہ اپنی بیوی کے ساتھ کلیان کی طرف ریل کے ذریعے جارہے تھے۔ اس وقت ان کے پاس بھی اودی نہیں تھی۔ چناں چہ انھوں نے زمین سے کچھ مٹی اٹھائی سائی بابا کا دھیان کر کے ان سے مدد چاہی اور اسے اپنی بیوی کے ماتھے پر لگایا۔ اس بھگت نے یہ سب کچھ دیکھا اور جب وہ اپنی بیٹی کے گھر گیا۔ اسے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اس کی بیٹی جو پچھلے تین دنوں سے بیمار تھی۔ اسی وقت سے بہتر ہونا شروع ہو گئی تھی جب ناناصاحب نے تھانہ ریلوے اسٹیشن کے پاس سائی بابا کی مدد چاہی تھی۔

جام نیر کے کرامات

1904-1905ء کے زمانے کی بات ہے کہ ناناصاحب چندورکر ضلع خاندیش کے جام نیر کے معالمت دار کے عہدے پر فائز تھے۔ یہ جگہ شرڈی سے کوئی **100** میل کی دوری پر واقع ہے۔ اس کی بیٹی میناتائی حاملہ تھی اور وہ بچے کو جنم دینے ہی والی تھی۔ اس کی حالت بہت نازک تھی اور پچھلے تین دن سے وہ دردِ زہ میں مبتلا تھی۔ ناناصاحب نے تمام ادویات استعمال کر ڈالیں لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اب اس نے بابا کو یاد کر کے ان سے غائبانہ طور پر مدد چاہی۔ عین اسی وقت شرڈی میں ایک شخص رام گر بوا جس کو بابا باپو گیر بوا کہا کرتے تھے نے خاندیش (اپنے وطن) جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ بابا نے اسے بلا کر اودی اور آرتی دیتے ہوئے کہا کہ گھر جاتے ہوئے راستے میں وہ جام نیر ر

خوش ہوتے تو وہ دل کھول کر گیت گاتے اور بچوں کے ساتھ خوب ناچتے تھے۔ ان میں سے ایک گیت اودی کے بارے میں تھا۔ اودی کے اس گیت کے الفاظ کچھ اس طرح تھے "اے رمتے رام آؤ جی آؤ جی اپنے ساتھ اودی کے بورے لاؤ جی لاؤ" بابا یہ گیت بڑی میٹھی لے (ترنم) اور بڑے واضح انداز میں گاتے۔ یہ تو اودی کی روحانی اہمیت تھی۔ اس کی مادی اہمیت بھی تھی۔ یہ صحت، خوش حالی، دکھ سے نجات دلاتی اور بہت سے دوسرے دنیاوی فوائد بھی عطا کرتی۔ چناں چہ اودی نے ہمیں روحانی اور مادی دونوں طرح کے فوائد حاصل کرنے میں مدد دی ہے۔ اب ہم اودی کے بارے میں کہانیوں کا ذکر کرنا شروع کریں گے۔

بچھو کا ڈنک

نارائن موتی رام جانی جو ناسک کا رہنے والا تھا بابا کا بھگت تھا۔ بابا کے ایک دوسرے بھگت رام چندر وامن موڈک کے ہاں ملازم تھا۔ ایک بار وہ اپنی والدہ کے ساتھ شرڈی گیا اور بابا سے ملا۔ بابا نے خود اس کی والدہ سے کہا کہ اب تمہارے بیٹے کو مزید ملازمت نہ کرنی چاہیئے بلکہ آزادانہ طور پر اپنا بیوپار شروع کرنا چاہیئے۔ کچھ دنوں بعد یہ پیشن گوئی سچ ثابت ہوئی۔ نارائن جانی نے ملازمت ترک کر کے ایک بورڈنگ ہاؤس آنند آشرم کے نام سے کھول لیا جو خوب چلا۔ ایک بار نارائن راؤ کے ایک دوست کو بچھو نے کاٹ لیا اور اس سے ہونے والا درد اتنا شدید تھا کہ برداشت کی حدود سے باہر تھا۔ اس طرح کی تکالیف کے لیے اودی بہت ہی موثر دوا ہے۔ اسے درد والی جگہ پر لگانا پڑتا ہے۔ چناں چہ نارائن نے اسے تلاش کرنا شروع کیا لیکن وہ نہ ملی۔ تب اس نے بابا کی تصویر کے سامنے جل رہی اگر بتی کی راکھ کو بابا کی اودی سمجھتے ہوئے چٹکی بھر درد اور ڈنک والی جگہ پر لگایا۔ جیسے ہی اس نے انگلیاں ہٹائیں درد جاتا رہا۔ دونوں کا دل بھر آیا اور وہ خوش ہو گئے۔

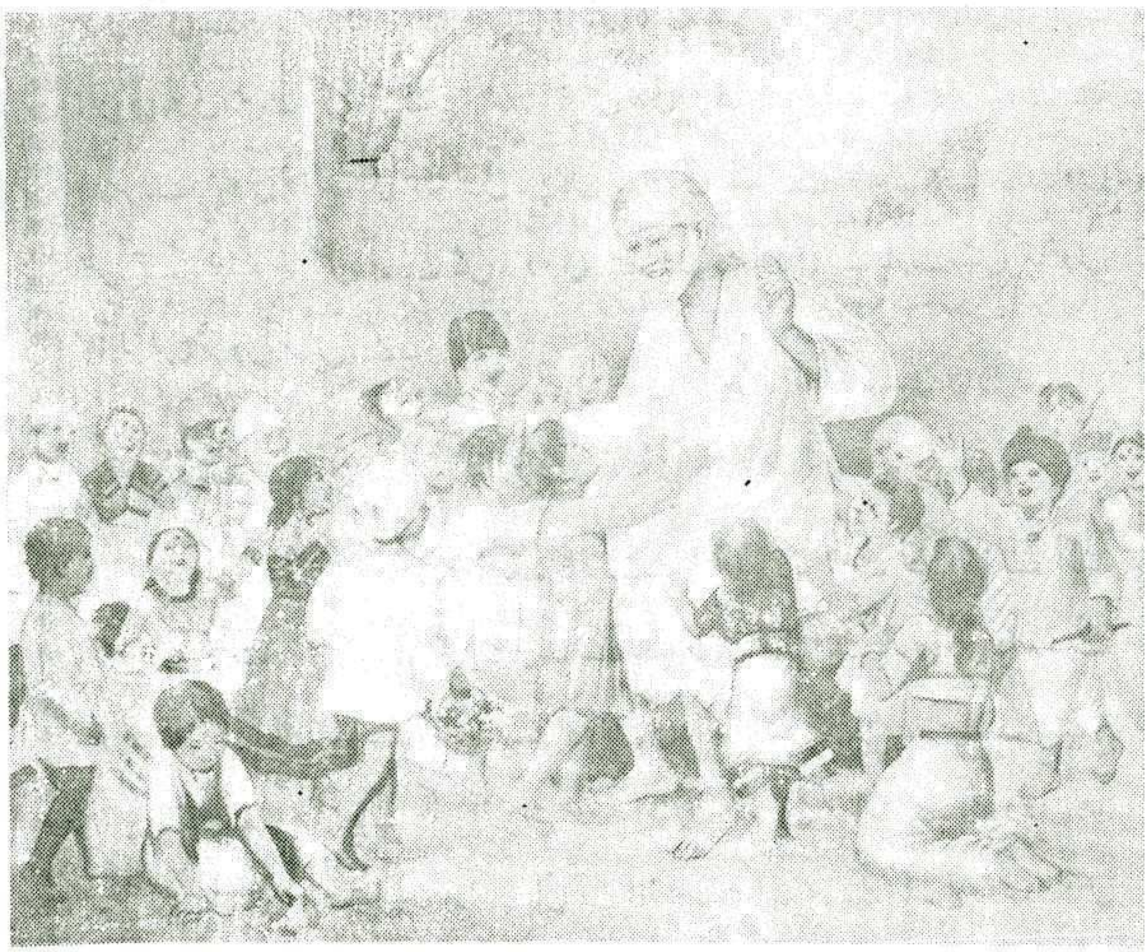

بابا کو بچوں کی بہت چاہت تھی۔ وہ دن کے کچھ وقت بچوں کے ساتھ کھیل کود میں گزارتے تھے۔اس کے بعد بچوں کے ساتھ ٹھٹھے بازی اور مسخرے میں مصروف ہو جاتے تھے۔

اودی

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بابا سب سے دکشنا لیا کرتے تھے اور اس طرح جمع کی گئی رقم میں سے خاصا حصہ وہ سخاوت کے طور پر خرچ کرتے تھے۔ باقی جو بچتا تھا اسے وہ جلانے کی لکڑی خریدنے پر صرف کرتے تھے۔ یہ لکڑی وہ دھونی یا مقدس آگ میں ڈالتے جو ہمیشہ جلتی رہتی تھی۔ اس آگ سے بننے والی راکھ کو اودی کہتے تھے اور یہ آزادانہ طور پر بھگتوں میں اس وقت تقسیم کی جاتی جب وہ شرڈی سے لوٹ رہے ہوتے۔ اس اودی سے بابا ہمیں کیا سبق دینا چاہتے تھے؟ اپنی اودی سے بابا ہمیں یہ سبق دینا چاہتے تھے کہ اس کائنات میں نظر آنے والی ہر شے اسی طرح عارضی ہے جس طرح یہ راکھ عارضی ہے۔ پانچ عناصر سے بنے ہوئے ہمارے جسم اس دنیا سے لطف حاصل کرنے کے بعد گر کر اس طرح راکھ میں تبدیل ہو جائیں گے۔ اپنے بھگتوں کو یہ یاد کرانے کے لیے کہ ان کے جسم بھی راکھ ہوں گے بابا ان میں اودی تقسیم کرتے تھے۔ اودی سے بابا یہ بھی بتانا چاہتے تھے کہ صرف برہم (خدا مطلق) ہی حقیقت ہے، یہ کائنات عارضی ہے اور اس دنیا میں کوئی بھی شخص چاہے بیٹا ہو، باپ یا بیوی حقیقت میں ہمارا نہیں ہے۔ ہم اس دنیا میں اکیلے آئے ہیں اور اکیلے ہی یہاں سے جانا بھی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اودی سے بہت سی ذہنی جسمانی بیماریاں بھی ٹھیک ہو جاتی تھیں لیکن بابا اپنے بھگت کے کانوں میں اودی اور دکشنا کے ذریعے بار بار سچ اور جھوٹ کے درمیان فرق کرنے اور جھوٹ سے نفرت یا دوری کو ملحوظ رکھنے کے اصول ڈالا کرتے تھے۔ اودی ہمیں فرق کرنا سکھاتی اور دکشنا بے تعلقی پیدا کرتی۔ جب تک ہم میں یہ دونوں خصوصیات نہیں ہیں ہم اس دنیاوی زندگی کے سمندر کو عبور نہیں کر سکتے۔ چنانچہ بابا دکشنا دینے کے لیے کہتے اور اسے لیتے اور جب بھگت وہاں سے لوٹ رہے ہوتے تو وہ اودی کا پرشاد یا مرادیں بر لانے والا ہاتھ ان کے سروں پر رکھتے۔ بابا جب

چھبیسواں باب

اودی کی عظمت

[بچھو کا ڈنک اور وبا کے مریضوں کی صحت یابی۔ جا منیز کا کرشمہ۔ نارائن راوءکی بیماری۔بالا بوا ستار۔اپا صاحب کلکرنی ۔ہری بھاؤ کرنک۔]

پچھلے باب میں ہم نے گورو کی عظمت بیان کی۔اس باب میں ہم اودی کی عظمت کے بارے میں بتائیں گے۔ تاہم یہ دونوں ایک دوسرے سے تعلق رکھتی ہیں۔اودی کی عظمت بابا کی عظمت کی وجہ سے ہے۔

ابتدائیہ

آداب ہم عظیم سنتوں کے سامنے سر جھکائیں۔ان کی رحم بھری نگاہیں گناہوں کے پہاڑ گرا سکتی ہیں اور ہمارے کردار پر لگے ہوئے شیطانیت کے داغوں کو دھو سکتی ہیں۔ان کی عام گفتگو ہمیں اچھی تعلیم دیتی ہے جس سے ہمیں کبھی ختم نہ ہونے والی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ان کے ہاں من میں یہ میرا ہے اور وہ تمہارا کا فرق نہیں ہوتا۔اس طرح کی تفریق ان کے دل میں کبھی پیدا نہیں ہوتی۔ان کے احسانات کا قرض ہم نہ تو اس زندگی میں اور نہ آنے والی بہت سی زندگیوں میں ہی چکا سکتے ہیں۔

روٹی کی تلاش میں تھااور اس کے لیے میں بیڈ گاؤں کو گیا۔ وہاں مجھے سوزن کاری کا کام ملا۔ میں کام کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرتا۔ میرا مالک مجھ سے بہت خوش ہوا۔ مجھ سے پہلے وہاں تین لڑکے کام کرتے تھے۔ پہلے کو 50 دوسرے کو 100 اور تیسرے کو 150 روپے اجرت ملتی تھی اور مجھے ان تینوں کی اجرت سے دوگنی اجرت یعنی 600 روپے دیئے گئے۔ میری ہوشیاری کو دیکھتے ہوئے میرا مالک مجھے پسند کرنے کے ساتھ ساتھ میری تعریف کرنے لگا اور اس نے انعام کیطور پر مجھے پورا ایک جوڑا لباس کا دیا جس میں سر کے لیے پگڑی اور جسم کے لیے دوسرے کپڑے شامل تھے۔ میں نے یہ کپڑے استعمال کیے بغیر سنبھال کے رکھے۔ میں نے سوچا کہ انسان چاہے کچھ بھی دے وہ زیادہ دیر نہیں چلتا اور ہمیشہ نامکمل ہوتا ہے اور جو میرا سرکار یعنی خدا دیتا ہے وہ زندگی بھر ساتھ دیتا ہے۔ اس کے تحفے کا مقابلہ انسان کے دیے کسی تحفے سے نہیں کیا جا سکتا۔ میرا سرکار یعنی خدا کہتا ہے ''لے جاؤ'' لیکن ہر آدمی جو میرے پاس آتا ہے ''دے دو'' کہتا ہے۔ کوئی بھی آدمی اس طرف دھیان نہیں دیتا جو میں کہتا ہوں۔ میرے سرکار یعنی خدا کا خزانہ بھرا ہوا ہے بلکہ چھلک رہا ہے۔ کھودو اور اس دولت کو بگھیوں میں بھر کر لے جاؤ۔ سچی ماں کے خوش نصیب بیٹے کو چاہئیے کہ خود کو اس دولت سے مالا مال کر لے۔ میرے فقیر کا ہنر میرے بھگوان کی لیلا اور میرے سرکار کا میلان طبع لاثانی ہے۔ میرا کیا؟ میرا جسم جو مٹی کا بنا ہے مٹی میں مل جائے گا، سانس ہوا میں تحلیل ہو جائے گا۔ یہ وقت پھر دوبارہ نہیں آئے گا۔ میں جاتا کہیں ہوں۔ بیٹھتا کہیں ہوں لیکن مایا مجھے بہت پریشان کرتی ہے۔ اس کے باوجود میں اپنے انسانوں کے لیے دکھی ہوتا ہوں۔ جو شخص بھی کوئی روحانی کام کرتا ہے وہ اس کا پھل پائے گا اور وہ جو میرے ان الفاظ کو یاد رکھے گا اس کو بیش قیمت مسرّت حاصل ہو گی۔

یا خوراک کی کمی ہو تو ہم کن آنکھوں سے خدا کو دیکھیں گے اور کس زبان سے اس کی عظمت کو بیان کریں گے اور کن کانوں سے اس کو سنیں گے۔ مختصر یہ کہ جب ہمارے سارے اعضا کو مناسب خوراک ملتی ہے اور وہ صحت مند ہوتے تب ہی ہم پوری لگن سے سادھنا کر کے خدا کو پا سکتے ہیں۔ چناں چہ نہ تو فاقہ کشی اور نہ ضرورت سے زیادہ ہی کھانا اچھا ہے۔ خوراک میں اعتدال ہی جسم اور من دونوں کے لیے صحت بخش ہے۔

محترمہ کاشی بائی کانٹیکر بابا کی بھگت تھی۔ اُن کا تعارفی خط لے کر مسز گوکھلے نام کی ایک خاتون دادا کلیکر کے پاس شرڈی آئی۔ وہ یہ ارادہ کر کے آئی کہ وہ بابا کے قدموں میں بیٹھ کر تین دن تک فاقہ کشی کرے گی۔ اس سے ایک دن پہلے بابا نے دادا کیلکر سے کہا کہ وہ اپنے بچوں کو ہولی کی چھٹیوں کے دوران فاقہ کشی نہیں کرنے دے اور اگر ان کو بھوکے رہنا ہے تو پھر ان کی (بابا کی) وہاں موجودگی کے کیا معنی ہیں۔ دوسرے دن جب وہ خاتون دادا کیلکر کو لے کر بابا کے قدموں میں بیٹھی بابا نے یکدم اس سے کہا۔ "فاقہ کشی کی کیا ضرورت ہے۔ دادا بھٹ کے گھر پر جا کر پورن پولی تیار کر کے خود بھی کھاؤ اور اس کے بچوں کو بھی کھلاؤ"۔ ہولی کی چھٹیاں چل رہی تھیں۔ مسز کیلکر کو اُن دنوں حالتِ حیض میں تھی اور وہاں روٹی بنانے والا کوئی نہ تھا۔ اس لیے بابا کی نصیحت وقت کی نازکی کے عین مطابق تھی۔ چناں چہ مسز گوکھلے کو دادا بھٹ کے گھر جانا پڑا اور اس نے وہ چیز بنائی جو کہا گیا تھا۔ اس نے اس روز پوریاں بنائی خود بھی کھائی دوسروں کو بھی کھلائی۔ یہ کتنی اچھی کہانی ہے اور کتنا اچھا اس کا مطلب ہے کہ بابا نے کس طرح مسز گھوکھلے کو فاقہ کشی سے راحت دلائی اور مسز کیلکر کا ہاتھ بٹایا۔

بابا کا سرکار

بابا نے اپنے لڑکپن کی ایک کہانی اس طرح بیان کی: "جب میں چھوٹا تھا۔ میں

نوازی کی پیش کش کو قبول نہیں کیا۔ انھیں دکھ اٹھانا پڑا اور یہ کہ گورو کے بغیر گیان حاصل کرنا ناممکن تھا" تیتر یہ اپنشد" ماں باپ گورو یا استاد کی عزت اور عبادت کرنے اور مقدس کتابوں کا مطالعہ کرنے پر زور دیتا ہے۔ یہ ہمارے من کو پاک کرنے کے ذریعے ہیں اور جب تک طہارت و پاکی کا کام مکمل نہیں ہوتا، عرفان ذات ممکن نہیں ہے۔ نہ تو حواس نہ من اور ذہانت ذات پہنچ سکتے ہیں۔ اس معاملے میں ثبوت کے وسائل جیسے ادارک اور نتیجہ ہمارے کسی کام نہیں آسکتے۔ یہ صرف گورو کی مہربانی ہے جو معنی رکھتی ہے۔ زندگی کے یہ مقاصد جیسے دھرم ارتھ اور کام تو ہم اپنی کوشش سے کر سکتے ہیں لیکن چوتھا مقصد موکش یعنی نجات صرف گورو کی مدد سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔

شری سائی کے دربار میں بہت سی شخصیات نمودار ہو کر اپنا کردار ادا کرتی ہیں۔ مثلاً نجومی آکر اپنی پیشن گوئی کرتے ہیں۔ شہزادے اور شرفاء ادنیٰ اور غریب انسان، سنیاسی، یوگی، گانے والے اور دوسرے درشن کرنے کے لیے آتے ہیں۔ مہتر بھی آتا ہے اور بابا کے سامنے جھک کر کہتا ہے کہ سائی ہی ماں باپ ہے جو ہمیں بار بار جنم لینے اور مرنے کے چکر سے نجات دلائے گا۔ بہت سے دوسرے جیسے بازی گر، بھگتی کے گیت گانے والے گونڈھالی، اندھے اور لنگڑے ناتھ پنتھی، ناچنے اور دوسرے کرتب دکھانے والے یہاں آتے ہیں جن کا مناسب طور سے خیر مقدم کیا جاتا ہے۔ اپنے وقت پر وہ بنجارہ بھی وہاں آیا اور وہ کام کر گیا جو اسے سونپا گیا تھا۔

مسز گھو کھلے اور فاقہ کشی

بابا نہ تو خود کبھی روزہ وغیرہ رکھتے اور نہ دوسروں کو ایسا کرنے دیتے تھے۔ فاقہ کرنے والے کا من کبھی آرام و سکون سے نہیں رہتا۔ پھر وہ زندگی کا مقصد کس طرح حاصل کر سکتا ہے۔ خدا کو خالی پیٹ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ہمارے پیٹ میں کھانے

دیانتداری کی ڈھینگیں مارتا ہے۔ وہ اپنے تقدیس اور پاکی کا دکھاوا کرتا ہے۔ لیکن وہ اندر سے نرم دل نہیں ہوتا۔ وہ بہت بولتا اور اپنی ہی تعریف کرتا ہے لیکن اس کے الفاظ بھگتوں کو متاثر نہیں کرتے اور نہ ان سے ان کی تشفی ہوتی ہے۔ جہاں تک ذات کے عرفان کا تعلق ہے وہ اس کو حاصل نہیں ہوتا۔ ایسے اسکول بھگتوں کے لیے کیوں کر مفید ہو سکتے ہیں۔ اور وہاں ان کو کیا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے۔ اوپر جس گورو کا ذکر کیا گیا ہے وہ بالکل مختلف قسم کا تھا۔ ان کی وجہ سے مجھے عرفانِ ذات کی روشنی بغیر محنت و سعی کے حاصل ہوئی۔ مجھے کچھ بھی مانگنا نہ پڑا پر مجھ پر ہر چیز دن کی روشنی کی طرح عیاں ہو گئی۔ گورو ہی جانتا ہے کہ شکوک و شبہات کو کس طرح الٹ پلٹ کیا جا سکتا ہے اور سر نیچے اور پاؤں اوپر کر کے کس طرح مسرت حاصل کی جا سکتی ہے۔

"ہم چار میں سے ایک تھا جو صرف کرم کانڈی (ماہر رسوم) تھا اور جانتا تھا کہ کس طرح رسومات کو ادا کیا جا سکتا ہے اور ان سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔ دوسرا گیانی تھا جو علم کے غرور سے پھولا ہوا تھا اور تیسرا ایک بھگت تھا جس نے یہ سوچتے ہوئے کہ وہی سب کچھ کرنے والا ہے پوری طرح خود کو بھگوان کے لیے وقف کر دیا تھا۔ جب وہ گفتگو کر رہے تھے تو خدا کے بارے میں سوال سامنے آ گیا اور اپنے علم پر بھروسا کرتے ہوئے اس کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔

سائی بابا جو مجسم غیر جانبداری اور شعور تھے بھی ان چاروں میں شامل تھے۔ خود مجسم برہم ہونے کی وجہ سے یہ پوچھا جا سکتا ہے کہ انھوں نے ان میں شامل ہو کر کیوں بیوقوفوں جیسی حرکات کیں؟ انھوں نے یہ سب کچھ لوگوں کی بھلائی اور ایک ایسی مثال قائم کرنے کے لیے کیا تا کہ وہ اس پر چل سکیں۔ گو وہ خود ایک اوتار تھے۔ انھوں نے چھوٹی ذات والے ایک بنجارے سے کھانا لے کر اس یقین کے ساتھ اس کا احترام کیا کہ رزق ہی برہم ہے اس سے انھوں نے یہ بھی ظاہر کیا کہ جنھوں نے اس کی مہمان

تھایا جو میرے منہ میں نہیں جا سکتا تھا۔ مجھے اس طرح لٹکا کر وہ چلا گیا کسی کو معلوم نہ تھا کہ وہ کدھر گیا ہے۔ چار پانچ گھنٹوں کے بعد وہ لوٹا اور مجھے فوراً چھڑاتے ہوئے پوچھنے لگا:۔

"تمہارا کیا حال ہے؟"

"میں تو بہت مزے میں ہوں۔ بھلا میرے جیسا بیوقوف اس خوشی کو کیسے بیان کر سکتا ہے جس کا تجربہ مجھے حاصل ہوا ہے"۔ میں نے جواب دیا۔ میرا جواب سن کر گوروجی مجھ سے بہت خوش ہوئے۔ مجھے قریب کھینچا اور میرے جسم کو ہاتھ سے تھپتھپاتے ہوئے مجھے اسی طرح اپنے ساتھ لگائے رکھا۔ انھوں نے میرا اسی طرح خیال رکھا جس طرح کوئی پنچھی ماں اپنے بچوں کا خیال رکھتی ہے۔ انھوں نے مجھے اپنے اسکول میں داخل کیا۔ ان کا اسکول کتنا خوبصورت تھا۔ وہاں میں اپنے ماں باپ کو بھول گیا۔ میرے سارے تعلقات منقطع ہو گئے اور مجھے آسانی سے آزادی نصیب ہو گئی۔ میں نے سوچا کہ میں ان کو گلے سے لگا کر ہمیشہ تکتا رہوں۔ اگر ان کی تصویر میری پلکوں میں محفوظ نہ ہو سکے تو میں چاہوں گا کہ اندھا ہو جاؤں۔ یہ ایسا اسکول تھا۔ ایک بار اس میں داخل ہونے کے بعد کوئی بھی خالی ہاتھ نہیں لوٹا۔ میرے گورو ہی میرے لیے سب کچھ بن گئے، میرا گھر اور میری جائیداد، ماں باپ اور سب کچھ۔ میرے حواس نے اپنی جگہیں چھوڑ دی اور وہ میری آنکھوں میں مرکوز ہو گئے اور میری نظر انھیں کو مرکز و محور بنائے ہوئے تھی۔ میرا گورو ایسا تھا جو میرے دھیان کا مرکز تھا اور مجھے کسی کا ادراک نہ تھا۔ ان کے بارے میں سوچتے ہوئے میرا من اور ذہانت دونوں حیران تھے۔ چناں چہ مجھے خاموش رہنا اور چپ چاپ رہتے ہوئے ان کے آگے جھکنا پڑا۔

"یہاں دوسرے ایسے اسکول بھی ہیں جہاں آپ کو بالکل مختلف نظارہ دکھائی دے گا۔ بھگت وہاں علم حاصل کرنے کے لیے جاتے اور پیسا محنت اور وقت صرف کرتے ہیں لیکن بالآخر انھیں افسوس کرنا یا پچھتانا پڑتا ہے۔ وہاں کا گورو اپنے خفیہ علم اور

کھانے کی میری پیش کش کو نہ ٹھکراؤ۔ پروسی ہوئی تھالی کو دھکا نہیں دینا چاہیئے۔روٹی اور خوراک کی پیش کش کو کامیابی کی نیک فال تصور کرنا چاہیئے"۔یہ کہہ کر اس نے ایک بار پھر ہمیں کھانے کی پیش کش کی اور ہمیں مطمئن رہنے اور صبر کرنے کی تلقین کی۔ ایک بار پھر ہم نے اس اچھی مہمان نوازی کو پسند نہیں کیا اور اس کی پیش کش کو نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔ بغیر کسی تلاش کے اور بنا کھانا کھائے تینوں چلنے لگے۔ ہم اتنے ضدی تھے۔ مجھے بھوک اور پیاس لگی ہوئی تھی۔ بیوپاری کی غیر معمولی محبت کو دیکھ کر میرا دل بھر آیا۔ ہم اپنے آپ کو بڑا پڑھا لکھا سمجھ رہے تھے لیکن رحم مہربانی سے قطعی نابلد تھے۔ بنجارہ بالکل ان پڑھ اور نچلی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے باوجود اس کے دل میں محبت تھی اور وہ ہمیں کھانا کھانے کے لیے کہہ رہا تھا۔ اس طرح جو شخص بغیر کسی ذاتی مفاد کے دوسروں سے محبت کرتا ہے وہی صحیح معنوں میں پڑھا لکھا اور روشن دماغ ہے۔ چناں چہ میں نے سوچا کہ اس کہ مہمان نوازی کو قبول کرنا علم حاصل کرنے کا بہترین طریقہ تھا۔ چناں چہ میں نے بڑے ادب سے روٹی کا ٹکڑا قبول کر لیا جو مجھے پیش کیا گیا تھا۔ میں نے اسے کھا کر پانی بھی پیا۔

'تب گورو یکدم ہمارے سامنے آکر کھڑے ہو گئے "جھگڑا کس کے بارے میں تھا" انھوں نے پوچھا۔ چناں چہ میں نے انھیں وہ سب کچھ بتادیا جو واقع ہوا تھا۔ تب انھوں نے کہا "کیا تم میرے ساتھ آنا پسند کروگے۔ میں تمھیں بتاؤں گا تم کیا چاہتے ہو۔ لیکن کامیابی صرف اسی کو حاصل ہوگی جو میری باتوں پر یقین رکھتا ہے" دوسروں نے اس کے ساتھ اتفاق نہیں کیا اور وہ اسے چھوڑ کر چلے گئے۔ لیکن میں نے ادب کے ساتھ اس کے سامنے جھک کر اس کی باتوں کو قبول کر لیا۔ تب وہ مجھے ایک کنویں پر لے گئے۔ انھوں نے میرے پاؤں رسی سے باندھ کر مجھے کنویں کے پاس کے درخت پر الٹا لٹکایا۔ میں پانی سے تین فٹ اوپر لٹکا ہوا تھا۔ جس کو میں اپنے ہاتھوں سے نہیں چھو سکتا

اعتقاد ضروری ہے۔اس طرح بحث مباحثہ کرتے ہوئے ہم چار نے جنگل میں خدا کی تلاش میں بھٹکنا شروع کیا۔ ہم میں سے تین کی خواہش تھی کہ اپنی آزاد ذہانت جس کی مدد کوئی اور نہ کر رہا ہو سے کریں۔ راستے میں ہمیں ایک بنجارہ ملا جس نے ہم سے پوچھا :"اس وقت بڑی گرمی ہے۔ آپ لوگ کہاں اور کتنی دور تک جا رہے ہو""جنگلوں کی خاک چھاننے کے لیے"ہم نے جواب دیا اس نے پھر پوچھا۔

"آپ لوگ کس کو تلاش کر رہے ہو؟"ہم نے اسے ٹرکھانے والا جواب دیا۔ یہ جان کر کہ ہم لوگ بلا مقصد بھٹک رہے ہیں وہ بڑے ہمدردانہ انداز میں بولا:

"جنگلوں کے بارے میں پوری جانکاری حاصل کیے بغیر ان میں نہیں بھٹکنا چاہئیے۔ تم اس گرم دوپہر میں کیوں فضول یہ تکلیف اٹھا رہے ہو۔ تم چاہے مجھے اس تلاش کے اپنے خفیہ مقصد سے آگاہ نہ کرو پھر بھی تھوڑی دیر بیٹھ کر روٹی پانی سے لطف اٹھاتے ہوئے سستا لو اور پھر چلے جاؤ۔ ہمیشہ صبر سے کام لو"اس نے اگرچہ بڑے نرم لہجے میں ہم سے بات کی پر ہم نے اس کی التجا کو نظر انداز کرتے ہوئے سفر جاری رکھا۔ ہمارا خیال تھا کہ ہم اپنے وجود میں مکمل ہیں اور ہمیں کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ جنگل بڑے وسیع تھے۔ وہاں کوئی راستہ بھی نہ تھا۔ بلند و بالا پیڑ اس حد تک قریب قریب اُگے ہوئے تھے کہ سورج کی کرنیں بھی اُن سے گزر نہ سکتی تھیں۔ چناں چہ ہم راستا بھول گئے اور بڑی حد تک ادھر اُدھر بھٹکتے رہے۔ یہ قسمت ہی کی وجہ سے تھا کہ بالآخر ہم اس جگہ پہنچ گئے جہاں سے ہم نے سفر کا آغاز کیا تھا۔ وہ بنجارہ ایک بار پھر ہمیں ملا، جو اس طرح ہم سے مخاطب ہوا۔

"اپنی چالاکی پر تکیہ کرتے ہوئے تم راستہ بھول گئے۔ چھوٹے اور بڑے معاملات میں صحیح راستہ دکھانے کے لیے ایک رہبر ہمیشہ ضروری ہوتا ہے اور کوئی بھی تلاش خالی پیٹ کامیابی سے نہیں کی جاسکتی۔ جب تک خدا نہ چاہے ہمیں راستے میں کوئی نہیں ملتا۔

کرنے کے بعد واپسی کے سارے راستے مسدود ہو جاتے ہیں۔اس راہ پر چلنے کے لیے ایک اچھے رہبر یعنی گورو کی اشد ضرورت ہوتی ہے۔وہ چاہے کتنا ہی پڑھا لکھا کیوں نہ ہو،ویدوں اور ویدک لٹریچر کو چاہے اس نے کتنا ہی کیوں نہ پڑھا ہو وہ اپنی منزل مقصود تک بہ حفاظت نہیں پہنچ سکتا اگر اسے گورو یا رہبر کی مدد حاصل نہیں ہے اور اگر گورو صحیح راستہ دکھاتا ہے تو وہ راہ کے گڑھوں اور خونخوار جانوروں سے بچ جائے گا اور آسانی سے اپنی منزل کو پالے گا۔

اس معاملے میں بابا کا تجربہ جو اس کہانی سے واضح ہوتا ہے جس کو بابا نے خود بیان کیا بہت ہی عجیب و غریب ہے جس کو سن کر آپ کے یقین،اعتقاد، لگن اور بالآخر نجات کو تقویت ملے گی۔

تلاش

"ایک دفعہ ہم چار ساتھی مذہبی اور دوسری کتابیں پڑھ رہے تھے۔اس طرح نئے ادراک و شعور کو پانے کے بعد ہم نے برہم (خدا مطلق) کی فطرت کے بارے میں بحث کرنا شروع کی۔ہم میں سے ایک نےکہا کہ "ہمیں اپنے عرفان کو ذات الٰہی کو مدد سے بلند کرنا چاہئے اور دوسروں پر تکیہ نہ کرنا چاہئے" اس پر دوسرے نے جواب دیا: کہ جو شخص اپنے فن پر قابو پالیتا ہے اسے ابدی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ ہمیں خیالات و تصورات سے آزاد ہونا چاہئے اور اس دنیا میں ہمارے بغیر اور کچھ بھی نہیں ہے" تیسرے نے کہا کہ دنیا میں فرق کرنا چاہئے اور چوتھے (بابا) نے کہا کہ کتابی علم بے کار ہے۔ پھر اضافہ کرتے ہوئے مزید کہا آؤ ہم اپنے فرائض پورے کریں اور اپنے جسم، من اور اپنے پانچ حواس کو گورو کے قدموں میں ڈال دیں۔ گورو خدا ہے جو ہر شئے پر محیط ہے، ہر شے میں موجود ہے۔ اس یقین تک رسائل حاصل کرنے کے لیے مضبوط اور غیر محدود

پچیسواں باب

گورواور خدا کی تلاش، فاقہ کشی کی نامنظوری

اس باب میں ہیماڈ پنت دو مضامین کا بیان کرتا ہے (1) بابا کس طرح جنگلوں میں اپنے گورو سے ملے اور اس کی وساطت سے خدا سے اور (2) کس طرح بابا نے ایک خاتون مسز گوکھلے جس نے تین دن تک فاقہ کشی یا روزہ رکھنے کا فیصلہ کیا تھا کو پورن پولی کھانے کے لیے تیار کیا۔

یہ دنیا ایک الٹے کھڑے پیڑ کی مانند ہے

ابتدائیہ

ابتدا میں ہیماڈ پنت اس دنیا کی وضاحت برگد کے پیٹر کی تمثیل دے کر کرتا ہے۔ گیتا کی زبان میں یہ دنیا ایک الٹے کھڑے پیڑ کی مانند ہے جس کی جڑیں اوپر اور ٹہنیاں نیچے پھیلی ہوئی ہیں جن کی پرورش وپرداخت آدمی کی خصوصیات یا گن کرتے ہیں اس کی کلیاں یا خوشے دراصل ہمارے حواس کی منزل یا مقصد ہیں۔ اس کی جڑیں جو اعمال کی شکل میں منتج ہوتی ہیں انسانوں کی اس دنیا میں پھیلتی چلی جاتی ہیں۔ اس کی شکل وشباہت نہ اس کا آغاز وانجام اس دنیا میں معلوم ہو سکتا ہے نہ وہ امدادی عناصر معلوم ہو سکتے ہیں جن پر اس کا انحصار ہوتا ہے۔ برگد کے اس پیڑ کو لاتعلقی کے تیز دھار آلے کی مدد سے مضبوط جڑوں سے کاٹنے کے بعد انسان کو اس راستے کو تلاش کرنا چاہیئے جس کو عبور

کمار ہے تھے۔ ان کی روزی کا یہی ذریعہ تھا۔ انھوں نے اس کا علاج کرنے کے لیے ساری تدبیریں آزمائیں لیکن سب بے کار ثابت ہوئیں۔ تب انھیں بابا کی شہرت کا علم ہوا اور وہ اس جانور سمیت بابا کے پاس آئے۔ انھوں نے اسے زنجیروں میں تھامے ہوئے نیچے اتارا اور بابا کے دروازے پر کھڑے ہو گئے۔ شیر درد کی وجہ سے تڑپ رہا تھا۔ لوگ اس کی طرف ڈر اور حیرانی سے دیکھنے لگے۔ درویش اندر بابا کے پاس گئے اور انھیں سارا ماجرا کہہ سنایا جس کو سننے کے بعد بابا نے شیر کو اندر اپنے سامنے لانے کے لیے کہا۔ جیسے ہی شیر سیڑھی تک پہنچا وہ بابا کی چمک کو دیکھ کر ٹھٹھک گیا اور اس نے اپنا سر نیچے جھکا دیا۔ جب دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا تو شیر نے سیڑھیاں چڑھ کر بابا کو محبت بھری نظروں سے دیکھا۔ اس نے اپنی دم تین بار زمین پر زور سے دے ماری اور اس کے بعد بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ شیر کو مردہ دیکھ کر درویشوں کو پہلے تو بہت دکھ ہوا لیکن سنجیدہ خیالات کی وجہ سے پھر انھوں نے خود کو سنبھال لیا۔ انھوں نے سوچا کہ شیر تو بیمار تھا اور اپنے انجام سے قریب بھی اور یہ اس کے لیے نہایت ہی سعادت کی بات تھی کہ اس کا انتقال بابا کے قدموں میں اور ان کی موجودگی میں اپنے انجام کو پہنچا۔ جب جانور یا جاندار اپنے سروں کو سائی بابا کے قدموں پر جھکا کر جاتے ہیں تو وہ بچ جاتے ہیں اور جب تک ان کے کھاتے میں اچھائیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود نہیں ہے وہ اس قدر پُر مسرت انجام کو نہیں پہنچ سکتے۔

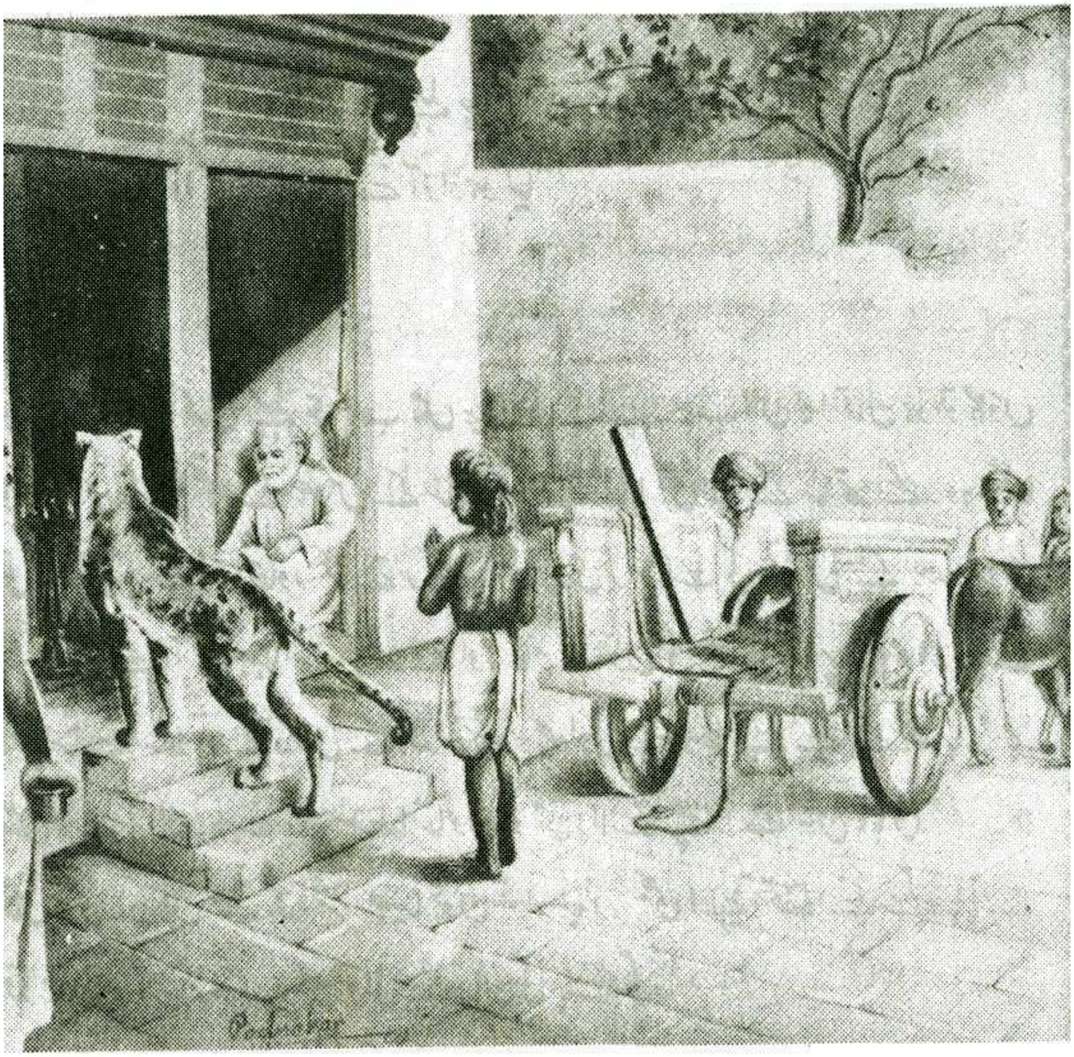

شیر اور بابا کا ملاپ جنم جنم سے۔ بابا نے شیر کو ہاتھ لگا کر آزاد کر دیا۔

۔ چناں چہ انھیں بابا سے بے انتہا انس پیدا ہو گیا اور وہ مرتے دم تک وہاں رہے۔ جیسے جیسے اس کا انت قریب آ گیا اس کو مقدس کتابیں پڑھ کر سنائی جاتی رہیں اور آخری وقت میں بابا کے قدموں سے نچڑا ہوا پانی لا کر اسے پلایا گیا۔ اس کی موت کی اطلاع پا کر بابا نے یوں کہا:-

> "آہ تاتیا ہم سے پہلے چلا گیا۔ وہ دوبارہ جنم نہیں لے گا یعنی
> وہ آواگمن کے چکر سے آزاد ہو گیا"

میگھا

میگھا کی کہانی پہلے ہی باب میں بیان کی گئی ہے۔ جب اس کا انتقال ہو تو گاؤں والے اس کی ارتھی کے جلوس کے ساتھ ہو لیے۔ بابا بھی ان کے ساتھ گئے۔ وہ میگھا کی ارتھی پر پھول نچھاور کرتے رہے۔ ضروری رسومات کی تکمیل کے بعد بابا کی آنکھوں سے آنسو بہنا شروع ہوئے اور عام انسانوں کی طرح بابا پر غم و اندوہ کے احساسات مسلط ہو گئے۔ اس کے بعد نعش کو پھولوں سے ڈھانپ دینے کے بعد بابا مسجد میں لوٹ آئے۔ بہت سے سنت انسانوں کو مکتی دلاتے چلتے آئے لیکن بابا کی عظمت لا ثانی تھی۔ یہاں تک کہ شیر جیسا خون خوار جانور بھی اپنے تحفظ کے لیے بابا کے قدموں پر آن گرا۔ اب یہی کہانی نیچے بیان کی جائے گی۔

بابا نے شیر کو آزاد کیا

بابا کے سمادھی (یعنی انتقال) کے سات دن پہلے شرڈی میں ایک عجیب و غریب واقع ہوا۔ ایک بیل گاڑی کسی گاؤں سے آکر مسجد کے سامنے رکی۔ ایک شیر بیل گاڑی پر زنجیروں میں جکڑا ہوا تھا۔ اس کا خوفناک چہرہ پچھلی طرف کو تھا۔ اسے درد یا کوئی شدید قسم کی تکلیف تھی۔ اس کے مالک تین درویش تھے جو اسے جگہ جگہ دکھا کر روپیہ

اور وہیں بابا کے قدموں میں پڑا رہا۔ بابا کی نصیحت اور احکامات پر عمل کرتے ہوئے۔ وہ ایک بڑا خوش نصیب انسان تھا۔ جس نے بالآخر بابا کی موجودگی میں اور ان کی دعاؤں کے ساتھ اس دنیا سے کوچ کیا۔

تاتیا صاحب نولکر

ہیماڈ پنت تاتیا صاحب نولکر کے بارے میں سوائے اس کے کچھ بھی نہیں بتاتا ہے کہ اس نے شرڈی میں ہی اس دارِ فانی سے کوچ کیا۔ اس کی تفصیلات سائی لیلا نام کے رسالے میں شائع ہوئیں۔ ان کا مختصراً بیان اس طرح ہے:

تاتیا صاحب 1909 عیسوی میں پنڈھر پور کے سب جج تھے۔ نانا صاحب چندورکر وہاں کے معاملہ دار تھے۔ دونوں کی اکثر ملاقات ہوتی اور وہ ایک دوسرے سے گفت و شنید کرتے۔ تاتیا صاحب سادھو سنتوں میں یقین نہیں رکھتے تھے، جب کہ نانا صاحب ان سے محبت کرتے۔ نانا صاحب اکثر انھیں سائی بابا کی لیلاؤں کے بارے میں بتاتے اور انھیں شرڈی جاکر بابا سے ملنے کے لیے کہتے۔ انھوں نے بالآخر دو شرطوں پر شرڈی جانا مان لیا۔ (1) یہ کہ انھیں ایک برہمن ضرور ملنا چاہیئے اور (2) یہ کہ انھیں بھینٹ چڑھانے کے لیے اچھے ناگپوری سنگترے ملنے چاہیں۔ خدا کی مرضی سے یہ دونوں شرطیں پوری ہو گئیں۔ ایک براہمن نانا صاحب کے پاس ملازمت کی غرض سے آیا اور انھوں نے اسے تاتیا صاحب کے پاس بھیج دیا۔ اس طرح پھلوں کا ایک پارسل جس میں 100 بہترین سنگترے تھے تاتیا صاحب نے وصول کیا۔ بھیجنے والے کا کوئی پتا نہ تھا۔ دونوں شرطیں چونکہ پوری ہو گئی تھیں۔ اس لیے تاتیا صاحب کو اب شرڈی جانا ہی تھا۔ ابتداء میں تو بابا اس سے بہت ناراض ہوئے لیکن دھیرے دھیرے تاتیا صاحب کو ایسے تجربے حاصل ہوئے کہ انھیں تسلیم کرنا پڑا کہ بابا بھگوان کا دنیاوی یا جسمانی روپ تھے

نہ صرف انھیں دیکھا بلکہ ان سے دریافت بھی کیا کہ انھوں نے اسے وہاں کیوں بھیجا تھا۔ بابا نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ شرڈی میں تمہارے من میں بہت سے خیالات و تصورات ابھرنے لگے تھے چناں چہ میں نے تمہیں وہاں اس لیے بھیجا کہ تم وہاں اپنے ڈانواڈول من کو سکون پہنچا سکو۔ تمہارا خیال یہ تھا کہ میں اپنے پانچ عناصر سے بنے اور ساڑھے تین ہاتھ لمبے جسم سمیت شرڈی میں ہوں اور اس سے باہر نہیں آسکتا لیکن اب تم دیکھو اور خود ہی فیصلہ کرو کہ جس شخص کو تم یہاں اپنے سامنے دیکھ رہے ہو، کیا وہی ہے جس کو تم نے شرڈی میں دیکھا تھا۔ اسی مقصد کے لیے میں نے تمہیں یہاں بھیجا تھا۔" چناں چہ مقررہ وقت گزرنے کے بعد مانکر وہاں سے اپنے وطن باندرہ روانہ ہو گیا۔ وہ ریل کے ذریعے پونا سے دادر تک کا سفر کرنا چاہتا تھا لیکن جب وہ ٹکٹ خریدنے کے لیے گیا تو اس نے دیکھا وہ ریل کھچا کھچ بھری ہوئی تھی۔ وہ اپنے لیے جلد ہی ٹکٹ حاصل نہ کرسکا۔ اسی دوران ایک دیہاتی لنگوٹی پہنے اور کندھے پر کمبل رکھے ہوئے آیا۔ اس نے مانکر سے پوچھا:

"کہاں جارہے ہو"؟

"دادر" مانکر نے جواب دیا۔ تب اس نے پھر کہا:

"مہربانی کر کے دادر کے لیے لیا ہوا میرا یہ ٹکٹ تم لے لو کیوں کہ کسی ضروری کام کی وجہ سے میں نے دادر جانے کا اپنا پروگرام منسوخ کردیا"۔ مانکر ٹکٹ حاصل کر کے بہت خوش ہوا۔ وہ کرایہ ادا کرنے کے لیے جیب سے پیسے نکال ہی رہا تھا کہ دیہاتی بھیڑ میں غائب ہو گیا۔ مانکر نے اسے بھیڑ میں تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس نے اس کا انتظار اس وقت تک کیا جب تک کہ ریل روانہ نہ ہو گئی لیکن اس کا کوئی نشان نظر نہ آیا۔ یہ عرفان کا دوسرا تجربہ تھا جسے مانکر نے عجیب وغریب انداز میں حاصل کیا۔ اس کے بعد اپنے وطن کا دورہ کرنے کے بعد مانکر پھر شرڈی آگیا

کی گود میں آخری سانس لیا۔ بابا نے لوگوں سے کہا کہ اس کی نعش کو چند وجوہات کی بنا پر ایک دن کے لیے محفوظ رکھا جائے۔ پولیس نے آکر اپنی کارروائی مکمل کرنے کے بعد نعش کی آخری رسومات ادا کرنے کی اجازت دے دی۔ ضروری رسومات ادا کرنے کے بعد مناسب جگہ پر دفن کر دیا گیا۔ اس طرح اُسے بابا نے سنیاسی کی مدد کر کے اسے نجات دلائی۔

بالارام مانکر

بالارام مانکر نامی بابا کا ایک بھگت صاحب خانہ تھا۔ جب اس کی بیوی کا انتقال ہوا تو وہ مایوس ہو کر گھر کا سارا کام کاج اپنے بیٹے کے سپرد کرتے ہوئے گھر بار چھوڑ کر شرڈی پہنچا اور وہاں بابا کے ساتھ رہنے لگا۔ اس کی بھگتی سے خوش ہو کر بابا نے اس کی زندگی کو نیا موڑ دینا چاہا اور یہ کام انھوں نے اس طرح کیا۔ انھوں نے اسے بارہ روپے دیے اور کہا کہ وہ مچھندر گڈھ (ضلع ستارا) کے مقام پر جا کر رہے۔ مانکر پہلے تو بابا کو چھوڑ کر وہاں جانے کے لیے تیار نہ ہوا لیکن بابا نے اسے یقین دلا دیا کہ وہ اسے ایک بہتر کام دے رہے ہیں۔ انھوں نے اسے گدی پر بیٹھ کر دن میں تین بار گیان دھیان کرنے کے لیے بھی کہا۔ بابا کے الفاظ پر یقین کرتے ہوئے مانکر مچھندر گڈھ چلا گیا۔ وہ وہاں کے خوبصورت نظارے، صاف شفاف پانی، صحت مند ہوا اور ارد گرد کا ماحول دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اس نے بابا کے کہنے کے مطابق بڑی شدت و محنت سے دھیان لگانا شروع کیا۔ کچھ دنوں بعد اسے عرفان حاصل ہوا۔ عام طور پر بھگتوں کو عرفان یا تو سمادھی کی حالت میں حاصل ہوتا ہے یا پھر اس وقت جب وہ وجد کی حالت میں ہوتے ہیں لیکن مانکر کو یہ اس وقت حاصل ہوا جب وہ وجد کی حالت سے باہر نکل کر معمول کے حواس و شعور کی حدود میں داخل ہوا۔ بابا بہ نفس نفیس اس کے سامنے نمودار ہوئے۔ مانکر نے

بھی تھا لیکن وہ بابا کی اجازت کے بغیر وہاں سے نہ جا سکتا تھا۔ چناں چہ وہ خط لے کر بابا کے پاس گیا اور ان سے گھر جانے کی اجازت چاہی۔ سب کچھ جاننے والا بابا جسے مستقبل میں ہونے والے واقعات کا بھی علم تھا اس سے یوں مخاطب ہوا:

''اگر تمہیں ماں سے اتنی محبت تھی تو تو نے سنیاس کیوں لیا۔ محبت یا لگاؤ سنیاسی کے لباس سے مناسبت نہیں رکھتا۔ جاؤ واڈا میں اپنی قیام گاہ پر کچھ دن صبر اور خاموشی سے بیٹھے رہو۔ وہاں بہت سے چور ہیں، اپنے دروازے اندر سے بند کر لو اور ہوشیار رہو۔ چور سب کچھ چرا کر لے جائیں گے۔ دولت اور خوشحالی تو آنی جانی چیزیں ہیں اور جسم پر زوال اور موت کا آنا لازمی ہے۔ یہ جانتے ہوئے اور اس اور دنیا کی سبھی اشیائے سے کنارہ کش ہو کر اپنے فرائض پورے کرو۔ جو یہ کام کرتا ہے اور خود کو ہری (خدا) کے قدموں کے سپرد کر دیتا ہے۔ اسے سارے دکھوں سارے مصائب سے نجات حاصل ہوتی ہے اور وہ مکتی حاصل کرتا ہے۔ جو شخص خدا کو یاد کرتا اور محبت پیار سے اس کے گیان میں مصروف رہتا ہے خدا اس کی مدد کے لیے دوڑا چلا آتا ہے۔ تم نے پچھلے جنموں میں اچھے کرم کیے ہیں۔ اسی لیے یہاں آئے ہو، اس لیے جو میں کہتا ہوں وہ کر کے اپنا مقصد حاصل کرو۔ خواہش کے چنگل سے آزاد ہو کر کل سے بھگوت گیتا کا جاپ شروع کرو۔ تین ہفتوں میں اس کو تین بار پورے شعور کے ساتھ پڑھ ڈالو۔ خدا تم سے خوش ہو کر تمہارے دکھوں کو ختم کر دے گا۔ تمہارا دھوکا ختم ہو جائے گا اور تمہیں شانتی ملے گی''

یہ جان کر کہ اس کی زندگی کا پیمانہ لبریز ہونے والا ہے بابا نے اس کے لیے یہ مداوا تجویز کیا اور اسے ''رام وجے'' پڑھنے کی صلاح دی جس سے موت کا دیوتا خوش ہوتا ہے۔ دوسری صبح کو اشنان کرنے کے بعد اس نے لینڈی باغ کے ایک تنہا کونے میں بیٹھ کر بھاگوت کا پاٹھ کرنا شروع کیا۔ اس نے اسے دوبارہ پڑھ ڈالا۔ اس کے بعد اسے تھکان محسوس ہوئی۔ اس نے واڈا میں واپس آکر دو دن تک قیام کیا اور تیسرے دن اس نے بابا

وجے آنند

ایک مدراسی سنیاسی جس کا نام وجے آنند تھا مانسرودور کی یاترا کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں بابا کی شہرت کے بارے میں سن کر وہ شرڈی میں رُکا۔ وہاں اس کی ملاقات ہردوار کے ایک سوامی سوم دیوجی سے ہوئی۔ ان سے اس نے مانسرودور کے سفر کے بارے میں ضروری معلومات حاصل کیں۔ سوامی نے اسے بتایا کہ مانسرودور گنگوتری سے پانچ سو میل اوپر تھا نیز اس نے اسے ان سے مشکلات سے بھی آگاہ کیا جو اس سفر کا حصہ تھیں۔ یعنی بہت سی برف اور ہر 50 کوس کے بعد بولی کا بدلنا اور تبت کے لوگوں کی شکی فطرت جس کی وجہ سے وہ یاتریوں کو بہت سی تکالیف پہنچاتے ہیں۔ یہ سن کر سنیاسی مایوس ہو گیا اور اس نے یاترا کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ چناں چہ جب وہ بابا سے ملنے گیا اور اس نے ان کے سامنے سجدہ کیا تو بابا غصے میں آ کر اس سے یوں مخاطب ہوئے:

"اس فضول قسم کے سنیاسی کو یہاں سے نکال دو۔ یہاں اس کی صحبت سے کوئی فائدہ نہیں"۔ سنیاسی کو بابا کی فطرت کا کوئی علم نہیں تھا۔ اسے بڑی بے چینی محسوس ہوئی لیکن وہ وہاں بیٹھا رہا اور وہ سب کچھ دیکھتا رہا جو وہاں ہو رہا تھا۔ یہ صبح کا دربار تھا اور مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی۔ طرح طرح سے بابا کی پوجا کی جا رہی تھی۔

کچھ لوگ اس کے پاؤں دھو رہے تھے کچھ اس کے پنجوں سے ٹپکنے والے پانی کو چلو میں لے کر پی رہے تھے کچھ اسے آنکھوں سے لگا رہے تھے۔ کچھ اس کے جسم کو صندل کا لیپ لگا رہے تھے اور کچھ دوسری خوشبوئیں اور سبھی ذات پات کے تفرقات کو فراموش کر کے یہ کام کرنے میں مصروف تھے۔ بابا گرچہ اس سے ناراض تھے لیکن اس کا دل بابا کی محبت سے بھر گیا تھا۔ چناں چہ اس نے وہاں سے چلے جانا پسند نہ کیا۔ وہ شرڈی میں دو دن تک رکا۔ پھر اس کو مدراس سے ایک خط ملا جس میں اسے یہ اطلاع دی گئی تھی کہ اس کی والدہ بیمار ہے۔ اسے بہت مایوسی ہوئی اور وہ فوراً ماں تک پہنچنے کا خواہاں

چوبیسواں باب

باباکی موجودگی میں

[(۱) سنیاسی وجے آنند (۲) بالا رام منکر (۳) نولکر (٤) میگھا اور (٥) شیر کا انتقال۔]

اس باب میں ہیماڈ پنت باباکی موجودگی میں کچھ لوگوں اور ایک شیر کے انتقال کا بیان کرتا ہے۔

ابتدائیہ

مرتے وقت انسان کے دل میں جو خواہش ہوتی ہے اس کے مستقبل کا انحصار اس پر ہوتا ہے۔ بھگوان کرشن نے گیتا میں (6-5-VIII) کہا ہے کہ "زندگی کے آخر لمحوں میں جو شخص مجھے یاد کرتا ہے وہ سیدھا میرے پاس آتا ہے اور جو اس کے برعکس سوچتا ہے وہ اسی کی طرف جاتا ہے جو اس نے چاہا ہوتا ہے"۔ یہ یقین سے نہیں کہا جاسکتا کہ آخری لمحوں میں ہمیں اچھے خیالات ہی ذہن میں آئیں گے کیوں کہ ان لمحوں میں اکثر انسان کئی وجوہات کی بنا پر بہت خوفزدہ اور دہشت زدہ ہو جاتا ہے۔ اس لیے اس مقصد کے لیے ہر حال میں انسان کے ذہن میں اچھے خیالات ہی پیدا ہوں۔ من کو لگاتار تربیت دینے کی ضرورت ہے۔ اس لیے سبھی سنت اور پیر فقیر ہمیں یہ مشورہ دیتے ہیں کہ ہمیشہ خدا کے نام کا جاپ کرتے رہو، اس کے گن گاؤ تاکہ اس قت ہم بہک نہ جائیں جب آخری لمحہ نمودار ہو یا جانے کا وقت آئے۔ جہاں تک بھگتوں کا تعلق ہے وہ خود کو کلیتا سنتوں کے سپرد کر دیتے ہیں اس بات پر یقین کرتے ہوئے کہ آخری لمحوں میں وہ ان کی رہبری ور ہنمائی فرمائیں گے۔ ایسے ہی چند واقعات کا ذکر یہاں کیا جائے گا:-

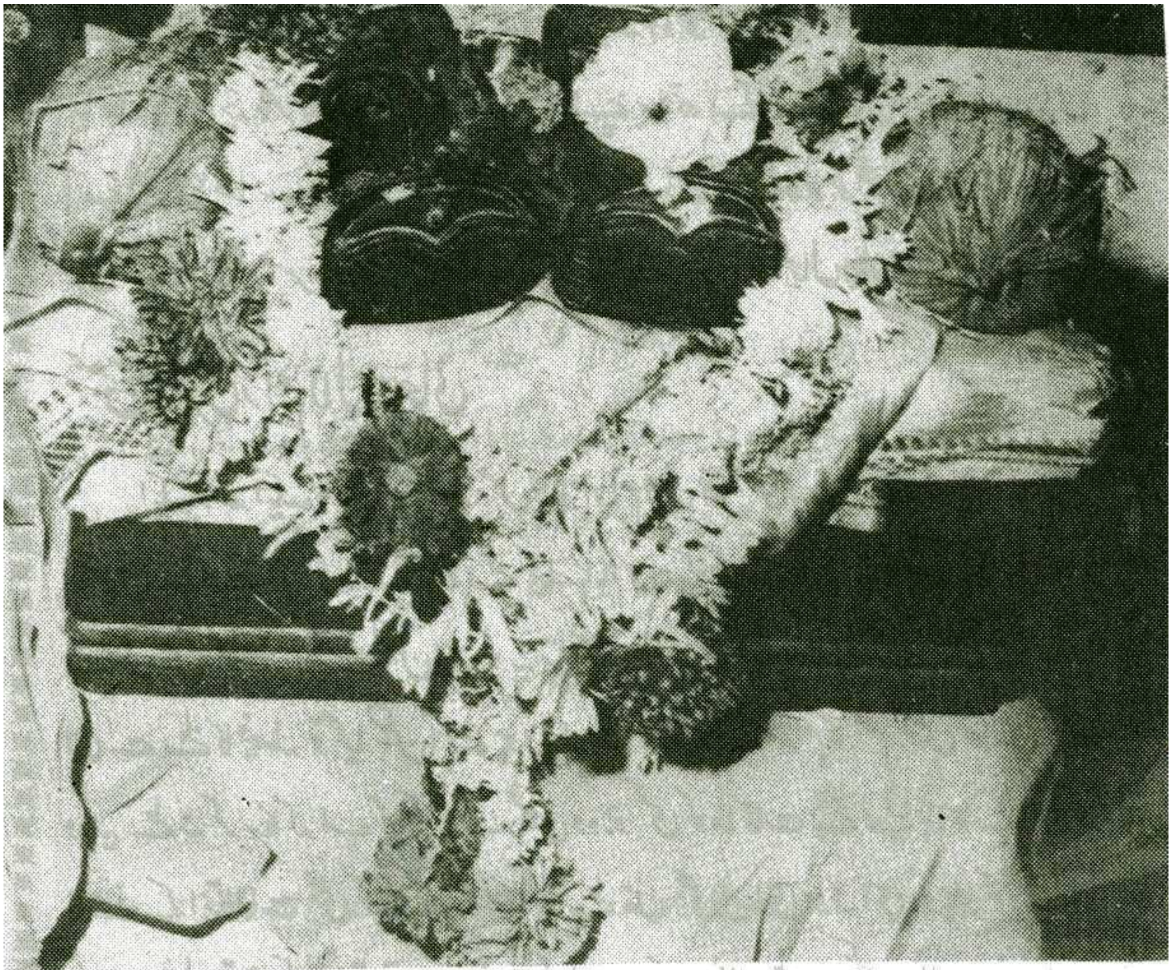

باباکاپاپوش آخرزیری بکتروالاجوتاابھی بھی سمادھی مندر میں موجود ہیں۔ بھگت لوگوں کوباباکے چرن پادکائیں (پوترجوتے میں) نظر آتے ہیں۔ بھگت لوگ اس کااعتقاد آداب اور مکتب سے پیش کرتے ہیں۔

آنے کے لیے کہا اور وہ وہاں جانے کے لیے تیار تھا۔ چونکہ اس وقت اس کے آس پاس اپنا کوئی گھوڑا نہیں تھا اس لیے اس نے اپنے بیٹے کو بابا کے پاس بھیجا تھا تاکہ وہ اس کی اطلاع انھیں دے سکے۔ وہ ابھی گاؤں سے باہر ہی نکلا تھا کہ ادھر سے کاکا صاحب دکشت ٹانگے پر آتا ہوا دکھائی دیا جس نے بیٹے کو یہ بتایا کہ وہ خوشحال جی کو ہی لینے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ چناں چہ پھر کاکا صاحب بیٹے کو بھی اپنے ساتھ لے کر خوشحال چند جی کے پاس آئے پھر کاکا صاحب دکشت خوشحال کے ساتھ شرڈی لوٹے اور خوشحال چند بابا سے ملا جس سے سب کو مسرت حاصل ہوئی۔ بابا کی یہ لیلا دیکھ کر خوشحال چند بہت متاثر ہوا۔

بمبئی کا شری رام لال پنجابی

ایک دفعہ ایک پنجابی برہمن جس کا نام رام لال تھا جس نے خواب میں بابا کو دیکھا جنھوں نے اسے شرڈی آنے کے لیے کہا۔ بابا اس کے خواب میں ایک مہنت (سادھو) کی شکل میں نمودار ہوئے لیکن اس کو یہ پتا نہیں تھا کہ وہ کہاں رہتے ہیں۔ اس نے جا کر ان سے ملنے کا فیصلہ تو کیا لیکن اسے چوں کہ ان کے جائے مقام کا علم نہیں تھا اس لیے وہ یہ طے نہ کر سکا کہ اب کیا کرے۔ لیکن وہ جو کسی کو ملاقات کے لیے بلاتا ہے اس کو لانے کے انتظامات بھی کرتا ہے۔ اس معاملے میں بھی ایسا ہی ہوا۔ اسی دوپہر کو جب وہ گلی میں چہل قدمی کر رہا تھا تو اس نے بابا کی تصویر ایک دکان میں دیکھی۔ اس نے خواب میں جس مہنت کو دیکھا تھا اس کے نقوش تصویر سے ہو بہو ملتے تھے۔ پوچھ گچھ کرنے پر اسے معلوم ہوا کہ یہ تصویر شرڈی کے سائی بابا کی تھی۔ چناں چہ اس کے فوراً بعد وہ شرڈی چلا گیا جہاں وہ آخری دم تک مقیم رہا۔

اس طرح بابا اپنے بھگتوں کو درشنوں کے لیے شرڈی بلا کر ان کی مادی اور روحانی ضروریات پوری کرتے تھے۔

کرتے رہے پھر شاما کی منت کی رسومات پورا کرنے کے بعد وہ دونوں شرڈی کے لیے روانہ ہو گئے۔ وہاں پہنچنے کے بعد کاکا جی مسجد میں جا کر بابا کے قدموں پر گر پڑا۔ اس کی پلکیں نم ہو گئیں اور اس کے من کو سکون حاصل ہو گیا۔ دیوی ماں کے خواب کے مطابق جیسے ہی اس نے بابا کو دیکھا تو اس کے من کی ساری پریشانی جاتی رہی اور وہ پرسکون و مطمئن ہو گیا۔ کاکا جی نے اپنے من میں سوچنا شروع کیا "یہ کیسی لاجواب طاقت یا قدرت ہے" بابا نے کچھ کہا نہیں، کوئی سوال و جواب نہ ہوئے کوئی آشیرواد یا دعائے خیر نہیں دی گئی۔ صرف درشن ہی خوشی کے لیے کافی تھا۔ ان کے محض درشن سے میرے دل کی پریشانی جاتی رہی۔ مجھ پر احساس مسرت طاری ہو گیا۔ اس کو درشن کی عظمت قرار دیتے ہیں اس کی نگاہیں بابا کے قدموں پر ٹکی ہوئی تھیں اور وہ کوئی لفظ نہ بول سکا۔ بابا کی لیلاؤں کے بارے میں سن کر اس کی خوشی کی انتہا نہ رہی اس نے پوری طرح خود کو بابا کی تحویل میں دے دیا اور اپنے غموں اور پریشانیوں کو بھول گیا جس کے نتیجے میں اسے مکمل مسرت حاصل ہوئی۔ وہ وہاں بارہ دن تک رہا اور اس کے بعد بابا سے اجازت، پرشاد اور ان کی دعائیں لے کر گھر لوٹا۔

راہاتا کا خوشحال چند

کہتے ہیں صبح کے وقت دیکھا ہوا خواب اکثر جاگنے کے بعد سچ ثابت ہوتا ہے۔ یہ سچ ہو سکتا ہے لیکن بابا کے خوابوں سے وقت کی اس پابندی کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثال کے طور بابا نے ایک دوپہر کو کاکا صاحب دکشت سے کہا کہ وہ راہاتا جا کر خوشحال چند کو شرڈی لے آئے کیوں کہ انھوں نے اسے کافی عرصے سے نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ کاکا صاحب نے ایک ٹانگہ لے کر راہاتا کا رخ کیا۔ اس نے خوشحال چند سے مل کر اسے بابا کا پیغام دیا۔ یہ سن کر خوشحال چند نے حیران ہوتے ہوئے کہا کہ دوپہر کا کھانا کھانے کے بعد جب وہ تھوڑی دیر کے لیے سویا تو بابا نے اس کے خواب میں آکر اسے فوراً شرڈی

صحت یاب ہونے پر وہ چاندی کی چھاتیاں بنوا کر اس کے ہاں بھینٹ کرے گی۔ یہ دونوں منتیں پوری نہ کی گئیں۔ موت کے بستر پر پڑے ہوئے ماں نے اپنے لڑکے کو بلا کر اسے دونوں منتوں کے بارے میں بتایااور اس سے وعدہ لیا کہ وہ یہ دونوں منتیں پوری کرے گا۔ماں کا انتقال ہو گیا۔ کچھ عرصے کے بعد شاما یہ دونوں منتیں بھول گیااور اس طرح تیس سال گزر گئے۔اسی دوران شرڈی میں ایک مشہور نجومی آیااور وہاں تقریباً ایک ماہ رہا۔ شریمان بوٹی اور دوسروں کے بارے میں کی گئی اس کی پیشن گوئیاں سچ ثابت ہوئیں جس کی وجہ سے سب خوش ہوئے۔شاما کے چھوٹے بھائی باپاجی نے بھی اس سے کچھ دریافت کیا جس کے دوران نجومی نے اسے ماں کی دو منتوں کے بارے میں بتایا جن کو پورا کرنے کا وعدہ اس کے بڑے بھائی نے ماں کے انتقال کے وقت اس سے کیا تھااور جو ابھی تک پوری نہیں کی گئی تھیں۔اس کی وجہ سے دیوی ان سے ناراض تھی اور وہ ان کے لیے مصائب پیدا کر رہی تھی۔ یہ سوچ کے کہ اب مزید دیر نہایت خطرناک ہو گی اس نے ایک سنار کو بلوا کر چاندی کی دو چھاتیاں تیار کرائیں اور مسجد میں جا کر انھیں بابا کے سامنے رکھتے ہوئے ان سے گزارش کی کہ وہ انھیں قبول کر کے اسے منت سے نجات دلائیں۔ کیوں کہ اس کے لیے باباہی شرنگی دیوی ماں کے برابر ہیں۔ بابانے اُسے کہا کہمندر میں جا کر ذاتی طور پر انھیں بھینٹ کرے۔ چناں چہ بابا کی اجازت لے کر اوراودی حاصل کر کے وہ وانی روانہ ہو گیااور پجاری کو تلاش کرتے ہوئے کاکاجی کے گھر تک پہنچا۔ عین اسی وقت کاکا کو بھی بابا سے ملنے کی تشویش ہو رہی تھی۔ یہ کیسا عجیب و غریب اتفاق تھا۔

کاکاجی نے اس سے دریافت کیا کہ وہ کون تھااور کہاں سے آیا تھااور جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ شرڈی سے آیا تھا تو اس نے فوراً اسے گلے لگایا محبت کا ایساولولہ اس وقت اس کے دل میں پیدا ہوا۔ اس کے بعد وہ سائی دونوں بابا کی لیلاؤں کے بارے میں بات

"تم خواہ مخواہ بھگوان شو کی مقدس مندر میں گئے۔ میرا
مطلب شرڈی کے باباشری سائی سمر تھ سے تھا"۔

اب کاکا کے سامنے یہ سوال تھا کہ وہ کب اور کیسے شرڈی جائے اور کس طرح بابا کو دیکھے۔ اگر کسی میں اس کی شدید خواہش پیدا ہو کہ وہ کسی سنت کو دیکھے تو نہ صرف وہ سنت بلکہ خدا بھی اس کی خواہش کو پورا کرتا ہے۔ حقیقت میں سنت اور اننت (فقیر اور خدا) دونوں ایک ہی ہیں۔ ان دونوں میں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ اگر کوئی یہ سوچتا ہے کہ وہ جاکر سنت کو دیکھے گا تو یہ محض لفاظی کرتا ہے۔ جب تک کہ سنت ایسا نہیں چاہتا کوئی بھی جاکر اسے نہیں دیکھ سکتا۔ اس کے حکم کے بغیر پیٹر کا پتا تک نہیں ہلتا۔ بھگت اپنے سنت کو ملنے کے لیے جتنا متمنی ہوگا وہ خود کو ان کے لیے جتنا وقف کرے گا اور جتنا وفادار ہوگا اتنی ہی جلدی اور موثر انداز میں اس کی خواہش پوری ہو گی جس سے اس کے دل کو تسکین نصیب ہو گی۔ جو کسی کو دعوت دیتا ہے وہ اس کو خوش آمدید کہنے کے انتظامات بھی کرتا ہے۔ ایسا ہی کاکاجی کے ساتھ بھی ہوا۔

شاماکا عقیدہ

کاکا شرڈی کی تیر تھ یاترا کرنے کی سوچ ہی رہا تھا کہ ایک مہمان اسے شرڈی لے جانے کے لیے اس کے گھر آیا۔ وہ کوئی اور نہیں شاما تھا جو بابا کا سب سے قریبی اور پیارا بھگت تھا۔ اب رہا یہ سوال کہ شاما کیوں اور کس طرح اس موقع پر وانی پہنچا۔ یہ ابھی ہم دیکھیں گے۔ شاما جب ابھی بہت چھوٹا تھا تو وہ سخت بیمار پڑا۔ اس کی ماں نے وانی آکر اپنے کنبے کی سپت شرنگی دیوی کے سامنے یہ عہد کیا کہ اگر اس کا بچہ صحت یاب ہو جائے گا تو اسے اس کے قدموں میں ڈالتے ہوئے اس کو اس کی خدمت کے لیے وقف کردے گی۔ اس موقع پر اس نے اپنی دیوی کے سامنے ایک اور عہد یہ کیا یا منت مانی کہ

ہیں۔ دوسرے تو انھیں محض افسانے یا حکایتیں تصور کریں گے۔ سائی کے خوش نصیب بھگت سائی لیلاؤں کو اس پیڑ کی مانند پائیں گے جو خواشات کی تکمیل کا ذریعہ ہے۔ سائی لیلائیں معصوم آتماؤں کو نجات، گھر گرہستی رکھنے والوں کو تسکین اور خواہش مند حضرات کو سادھنا عطا کرائیں گی۔اب ہم کہانی کی طرف آتے ہیں۔

کاکاجی وید (حکیم)

ناسک ڈسٹرکٹ میں وانی کے مقام پر ایک شخص جس کا نام کاکاجی وید تھا رہتا تھا۔وہ وہاں سپت شر نگی دیوی کا پجاری تھا۔ ناموافق حالات اور مصائب نے اس کو اس حد تک گھیر لیا کہ اس کے من کا سکون جاتا رہا اور وہ پریشان ہو گیا اُس نے دیوی سے ان حالات کی پریشانیوں سے نجات دلانے کی استدعا کی۔ دیوی اس کی وقف گزاری سے خوش ہو گئی اور اس نے اس رات اس کے خواب میں نمودار ہو کر کہا:

"تم بابا کے پاس جاؤ پھر تمہارے من کو سکون و طمانیت حاصل ہو گی" کاکا دیوی سے یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ باباکون صاحب ہیں لیکن اس سے پہلے کہ اسے اس سلسلے میں کوئی وضاحت حاصل ہوتی وہ بیدار ہو گیا۔ پھر اس نے یہ سوچنا شروع کیا کہ باباکون ہو سکتا ہے جس کے پاس جانے کے لیے اس کی دیوی نے حکم دیا ہے۔ کچھ غور و فکر کے بعد اس نے فیصلہ کیا کہ یہ بابا بھگوان شو ہو سکتے ہیں۔ چناں چہ وہ ناسک ضلع کے ایک مقدس مندر میں چلا گیا اور وہاں دس دن تک مقیم رہے۔ اس دوران وہ ہر صبح اشنان کرنے کے بعد رُور منتر کا جاپ کرتا رہا اور پنڈی پر تازہ سر دپانی چڑھاتا رہا۔ ساتھ ہی دوسری رسومات بھی انجام دیتا رہا۔ لیکن یہ سب کرنے کے بعد بھی وہ اتنا ہی پریشان رہا جتنا ان سے قبل تھا۔ تب اس نے واپس آکر ایک بار پھر قابلِ رحم انداز میں دیوی سے مدد کی درخواست کی۔ اس رات ایک بار پھر وہ اس کے خواب میں نمودار ہو کر اس سے یوں مخاطب ہوئی:

معلوم ہونے کے ساتھ ہی ساتھ علم حاصل ہوتا ہے۔
سائی اپنے بھگتوں کی خواہشات کو پوری طرح جانتے ہیں اور انھیں پورا کرتے ہیں۔ اس لیے وہ جو چاہتے ہیں اسے پاتے ہیں۔ اور اس کے لیے ان کے احسان مند ہوتے ہیں۔ اس لیے ہم انھیں کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور انھیں کو سجدہ کرتے ہیں۔ ہمارے سارے قصے بھلاتے ہوئے تمام مصائب سے آزاد کریں۔ جو شخص مصائب میں گھرا ہو اور سائی بابا کو اس طرح یاد کرتا اور ان کی پوجا کرتا ہے اس کے من کو ان کی مہربانی سے شانتی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

ہیماڈ پنت کا کہنا ہے کہ سائی بابا، جو رحم کے سمندر ہیں اس کی تائید کرتے تھے جس کے نتیجے کے طور پر یہ زیر نظر کتاب جس کا نام "سائی ست چرت" ہے وجود میں آئی۔ ورنہ اس کے پاس کون سی خصوصیات تھیں کہ وہ اتنا بڑا کام ہاتھ میں لیتا۔ چوں کہ سائی بابا نے ساری ذمے داری اٹھائی اس لیے ہیماڈ پنٹ کو کوئی بوجھ محسوس نہ ہوا اور نہ کوئی فکر لاحق ہوئی۔ جب علم کی روشنی وہاں اس کی تحریک کے لیے موجود تھی تو پھر وہ کیوں شک کرتا یا پریشان ہوتا۔ سائی نے اس کتاب کی صورت میں اس سے خدمت لی۔ پچھلے جنموں میں جمع اس کی اچھائیوں یا اوصاف کی وجہ سے ہے۔ اس لیے وہ خود کو بڑا خوش نصیب اور نجات یافتہ تصور کرتا ہے۔

نیچے پیش کی گئی کہانی محض حکایت نہیں ہے بلکہ خالص امرت ہے۔ جو اس کو پیتا ہے وہ سائی کی عظمت اور ان کے ہر شئے میں موجود ہونے کی حقیقت سے آشنا ہو جاتا ہے۔ وہ جو بحث یا نکتہ چینی کرنا چاہتے ہیں انھیں یہ کہانیاں نہیں پڑھنی چاہئیں۔ یہاں جس شے کی ضرورت ہے وہ بحث مباحثہ نہیں بل کہ لامحدود محبت اور خود کو وقف کرنا ہے۔ پڑھے لکھے، وقف کردہ اور وفادار معتقد وہ ہیں جو خود کو فقیروں اور سنتوں کے غلام تصور کرتے ہیں اور جو ان کہانیوں کو پسند کرنے کے ساتھ ساتھ ان کو سمجھتے بھی

تیئسواں باب

شرڈی کا بلاوا

[(۱) وانی کاکا کے وید(حکیم) (۲) بمبئی کا پنجابی رام لال۔]

ابتدائیہ

مہرباں سائی جو رحم کا مسکن اور اپنے بھگتوں سے بے پناہ محبت کرتے ہیں کے سامنے سر تسلیم خم کرو۔ ان کے محض درشن سے اس سنسار کا خوف جاتا رہتا ہے اور مصائب کا قلع قمع ہوتا ہے۔ ان کی پہلے کوئی شکل صورت نہیں تھی لیکن بھگتوں کی یکسوئی اور شدید محبت یا مخالفت کی وجہ سے وہ شکل و صورت اختیار کرنے پر مجبور ہوگئے۔ بھگتوں کو آزاد کرنا اور اس قابل بنانا کہ وہ عرفان ذات کی منزل تک پہنچ سکیں۔ سنتوں یا پیروں فقیروں کا مقصد ہوتا ہے اور سائی ایسے سنتوں میں سب سے عظیم ہیں۔ اس لیے ان کا بھی وہی مقصد ہے۔ وہ لوگ جو ان کے قدموں میں پناہ لیتے ہیں ان کے سارے گناہ ختم ہو جاتے ہیں اور ان کی ترقی یقینی ہو جاتی ہے۔ ان کے قدموں کو یاد کرتے ہوئے براہمن مقدس مقامات سے ان کے پاس آکر مقدس کتابیں پڑھتے اور ان کی موجودگی میں گائیتری منتر کا جاپ کرتے۔ ہم جو کہ کمزور اور بغیر کسی خوبی و وصف کے ہیں نہیں جانتے ہیں کہ بھگتی کیا ہوتی ہے لیکن ہم اتنا جانتے ہیں کہ دوسرے چاہے ہمیں چھوڑ جائیں پر سائی ہمیں کبھی نہیں چھوڑیں گے۔ وہ جن کی طرفداری کرتے ہیں انھیں بے انتہا تقویت ملتی ہے اور انھیں اصلی اور نقلی کا فرق

سے کچھ نہیں چاہیے۔ یہ بھی کہو کہ وہ امن وسکون کی زندگی گزارے"۔

اس دوست نے گوالیار لوٹ کر وہ روپیہ ہاٹے کو دیا اور وہ سب کچھ بھی سنایا جو شرڈی میں واقع ہوا تھا۔ اس بار ہاٹے کو یہ سوچ کر بڑی خوشی محسوس ہوئی کہ بابا ہمیشہ اچھے خیالات کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور وہ جو چیز بھی شدت سے چاہتا بابا اسے فوراً پورا کر دیتے تھے۔

وامن نارویکر

اب آیئے قارئین کو ایک مختلف کہانی سنائیں۔ نارویکر نام کا ایک شخص بابا سے بہت پیار کرتا تھا۔ وہ ایک دفعہ ایک روپیہ لایا جس کے ایک طرف رام لکھشمن اور سیتا کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں اور دوسری طرف ہاتھ باندھے ماروتی کی تصویر تھی۔ اس نے وہ روپیہ اس امید کے ساتھ بابا کو پیش کیا کہ وہ اسے چھو کر پاک کرنے کے بعد اسے اودی کے ساتھ واپس کریں گے۔ لیکن بابا نے اسے فوراً جیب میں ڈال لیا۔ تب شاما نے بابا سے وامن راؤ کے مقصد کے بارے میں بتایا اور اسے لوٹانے کی درخواست کی۔ بابا نے اس پر وامن راؤ کی موجودگی میں اس طرح خطاب کیا: "یہ اسے کیوں لوٹایا جائے؟۔ یہ ہمیں اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ اس کے لیے اگر وہ 25 روپے دے تو اسے لوٹایا جا سکتا ہے"۔ چناں چہ اس روپے کے لیے وامن راؤ نے 25 روپے جمع کیے اور انھیں بابا کے سامنے رکھا۔ اس پر بابا نے کہا: "اس روپے کی قیمت 25 سے کہیں زیادہ ہے۔ شاما یہ روپیہ لے لو، اسے ہمارے اسٹور میں ہونا چاہیے۔ اسے اپنے مندر میں رکھ کر اس کی پوجا کرو" کسی میں حوصلہ نہیں تھا کہ وہ بابا سے پوچھتا کہ انھوں نے ایسا کیوں کیا۔ صرف وہی جانتے ہیں کہ ہم میں سے ہر ایک اور سب کے لیے کیا بہتر ہے۔

رکھ کر بابا کی خدمت میں شردھا اور دکشنا کے طور پر پیش کرنے ہی والا تھا کہ وہ بیدار ہو گیا۔ اب اس کو معلوم ہوا کہ یہ سب کچھ ایک خواب تھا۔ تب اس نے اس سب چیزوں کو شرڈی بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ جب وہ کچھ دن بعد گوالیار آیا تو اس نے اپنے ایک دوست کے نام بارہ روپے کا منی آرڈر ان ہدایات کے ساتھ روانہ کیا کہ دو روپے کی ولپپڑی، سیم خرید کر دس روپے کی دکشنا کے ساتھ بابا کی خدمت میں پیش کر دی جائیں۔ متذکرہ دوست نے شرڈی جاکر مطلوبہ اشیا خریدیں لیکن ولپپڑی نہ مل سکیں۔ تھوڑی دیر کے بعد عورت سر پر ایک ٹوکرا اٹھائے وارد ہوئی جس میں ولپپڑی کی سبزی رکھی ہوئی تھی۔ ان کو خرید اگیا اور اس کے بعد کپٹن ہاٹے کی طرف سے بابا کی خدمت میں پیش کر دیا گیا۔ مسٹر نمونکر نے دوسرے دن نوید تیار کر کے بابا کو پیش کیا۔ سب لوگ یہ دیکھ کر حیران تھے کہ بابا نے صرف ولپپڑی کو کھایا جب کہ چاول اور دوسری اشیا کو چھوا تک نہیں۔ ہاٹے کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی جب اس کو یہ سب اپنے دوست سے معلوم ہوا۔

مقدس روپیا

ایک دوسرے موقع پر کپٹن ہاٹے کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس کے گھر میں ایک ایسا روپیہ ہو جس کو بابا نے چھو کر مقدس بنادیا ہو۔ اس کی ایک ایسے دوست سے ملاقات ہوئی جو شرڈی جا رہا تھا۔ ہاٹے نے اپنا روپیہ اس کے ہاتھ روانہ کیا۔ وہ دوست شرڈی گیا جہاں معمول کے مطابق سلام کرنے کے بعد پہلے اس نے اپنی دکشنا پیش کی جس کو بابا نے جیب میں ڈال لیا۔ اس کے بعد اس نے ہاٹے کا روپیہ دیا جس کو بابا نے ہاتھ میں لے کر اس کو گھورنا شروع کیا۔ انھوں نے اسے اپنے سامنے رکھا۔ انگوٹھے سے اوپر اچھالا اور اس سے کھیلنے لگے۔ پھر انھوں نے اس دوست سے کہا۔

"یہ اس کے مالک کو اودی کے پرشاد کے ساتھ لوٹا دو اور اس سے کہو کہ مجھے اس

اس لڑکے کا باپ رگھناتھ راؤ بمبئی کی کسی غیر ملکی تجارتی کمپنی سے منسلک تھا۔ جیسے جیسے اس کی عمر بڑھتی گئی وہ کام کرنے کے قابل نہ رہا۔ اس لیے اس نے چھٹی لے کر آرام کرنا چاہا۔ چھٹی کے دوران جب اس کی حالت نہ سدھری تو چھٹی بڑھانا یا سبک دوش ہونا ضروری ہو گیا۔ اس فرم کی چیف منیجر نے اسے پینشن پر ریٹائر کرنے کا فیصلہ کیا، کیوں کہ وہ ان کا پرانا قابل اعتماد ملازم تھا۔ اس کو کتنی رقم پینشن کے طور پر دی جائے یہ معاملہ زیر غور تھا۔ اس کی تنخواہ 150 روپے تھی اور پنشن جو 75 روپے بنتی تھی اس کے گھر کا خرچ چلانے کے لیے کافی نہ تھی۔ اس لیے وہ بہت پریشان تھے۔ آخری تصفیے سے پندرہ روز قبل بابا نے مسز تندولکر کے خواب میں نمودار ہو کر کہا تمہاری گہری خواہش ہے کہ پنشن سو روپے مقرر کی جائے۔ کیا یہ رقم تمہارے لیے کافی ہو گی"؟ اس نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

"بابا آپ یہ کیوں مجھ سے پوچھ رہے ہیں۔ ہمیں آپ پر بھروسا ہے"۔ بابا نے اگرچہ ایک سو روپے کہا تھا لیکن اسے دس روپے مزید دیئے گئے یعنی اس کی پنشن ایک سو دس روپے خصوصی رعایت کے طور پر مقرر کی گئی۔ بابا اپنے بھگتوں کے لیے اس طرح کی محبت کا مظاہرہ کیا کرتے تھے۔

کیپٹن ہاٹے

کیپٹن ہاٹے بیکانیر میں مقیم تھا وہ سائی بابا کا زبردست بھگت تھا۔ ایک بار بابا اس کے خواب میں نمودار ہو کر اس سے یوں مخاطب ہوئے:-

"کیا تم مجھے بھلا بیٹھے ہو؟" ہاٹے نے فوراً ان کے قدموں پر گر کر یوں جواب دیا" اگر بچہ اپنی ماں کو فراموش کر دے تو وہ کیسے بچ سکتا ہے" اس کے بعد اس نے باغ میں جا کر کچھ تازہ سبزیاں چنیں اور انھیں گھی، گندم کے آٹے اور دال کے ساتھ ترتیب سے

رہا تھا۔ اس نے اس سلسلے میں کچھ نجومیوں یا جیوتشیوں سے بھی مشورہ کیا۔ اس کے زائچے کا جائزہ لے کر انھوں نے اسے بتایا کہ اس سال اس کے ستارے اس کے حق میں نہیں تھے اس لیے وہ اگلے سال اس امتحان میں بیٹھے جب اسے کامیابی حاصل ہو جائے گی۔ اس بات نے اس پر مایوسی طاری کر دی اور وہ پریشان ہو گیا۔ کچھ دنوں بعد اس کی ماں شرڈی جاکر بابا سے ملی۔ دوسری چیزوں کے علاوہ اس نے اپنے بیٹے کی اس مایوسی کا بھی ذکر کیا جس نے اسے نہایت غمگین بنادیا تھا اور جو کچھ دنوں بعد امتحان میں شریک ہونے والا تھا۔ یہ سن کر بابا نے کہا "جاؤ جاکر اپنے بیٹے سے کہو کہ وہ مجھے میں یقین رکھے اور زائچے اور نجومیوں اور جیوتشیوں کی پیشن گوئیوں کو بھول کر اپنی پڑھائی جاری رکھے ۔اسے پورے اطمینان کے ساتھ امتحان میں بیٹھنے دو۔ وہ اس سال یقیناً کامیاب ہوگا۔ اس سے کہو کہ مجھ میں یقین رکھے اور مایوس نہ ہو" ماں نے واپس لوٹ کر بیٹے کو بابا کا پیغام سنایا۔ تب اس نے خوب محنت کر کے امتحان دیا۔ تحریری امتحان کے پرچے اس نے بہت اچھے کیے لیکن شکوک و شبہات کے زیر اثر اس نے سوچا کہ وہ پاس ہونے کے لیے ضروری نمبر نہ حاصل کر سکے گا۔ اس لیے اس نے زبانی امتحان میں بیٹھنے کی پرواہ نہ کی۔ لیکن اس کا ممتحن اس کے پیچھے لگا ہوا تھا اس نے اس کے ایک ہم جماعتی کے ذریعے یہ پیغام اس کو بھیجا کہ وہ تحریری امتحان میں پاس ہو گیا ہے اس لیے اسے زبانی امتحان میں ضرور بیٹھنا چاہیے۔ اس طرح کی حوصلہ افزائی کی وجہ سے بیٹا زبانی امتحان میں بیٹھا اور دونوں میں کامیاب ہو گیا۔ چناں چہ بابا کی مدد سے وہ اس سال امتحان میں کامیاب ہو گیا حالاں کہ سارے اس کے مخالف تھے۔ یہاں اس بات کو نوٹ کیا جانا چاہیے کہ شکوک اور مشکلیں ہمیں اس لیے گھیرتی ہیں کہ ہمیں تحریک دیں اور ہمارے اعتقاد کو مضبوط بنائیں۔ یہ ہماری آزمائش ہوتی ہے اگر ہم بابا کا دامن مضبوطی سے تھامے رکھیں اور کوشش کرتے رہیں تو ہماری کوششیں بالآخر کامیابی سے ہم کنار ہوں گی۔

شک کرنے والی عادتیں غائب ہو گئیں اور بابا کے قدموں کے تئیں اس کی سچی لگن اور محبت اس کے من میں پیدا ہو گئی۔ وہ تو محض ایک خواب تھا لیکن اس کے دوران جو سوال وجواب ہوئے تھے وہ بہت اہم اور دلچسپ تھے۔ دوسری صبح جب سب لوگ مسجد میں آرتی کے لیے جمع ہوئے تو بابا نے اسے دو روپے کے برابر مٹھائی دی اور دو روپے نقد اپنی جیب سے دیئے اور آشیر واد بھی دیا۔ انھوں نے اسے کچھ اور دن وہاں روکا اور یہ کہتے ہوئے دعائیں دیں: "اللہ تمہیں بہت کچھ دے گا اور تمہارے ساتھ سب کچھ اچھا کرے گا"۔

اسے وہاں اور پیسے تو نہ ملے لیکن اسے اس سے کہیں بہتر چیزیں حاصل ہوئیں۔ جیسے کہ بابا کی نیک دعائیں جو زندگی بھر اس کے کام آئیں۔ اس پارٹی کو بعد میں بہت سا روپیہ حاصل ہوا اور ان کی یہ یاترا بھی کامیاب ہوئی۔ سفر کے دوران انھیں کوئی مشکل پیش نہ آئی۔ وہ بالکل صحیح و سلامت گھر لوٹے۔ بابا کے آشیر واد کے الفاظ اور دعاؤں کے بارے میں سوچتے ہوئے انھیں بہت آنند حاصل ہوا اور اس آنند کو پار کرتے ہوئے جو انھیں بابا کی مہربانی سے حاصل ہوا۔ وہ بابا کے آشیر واد کے ساتھ بالکل صحیح و سلامت گھر لوٹے۔

تندولکر کے اہل و عیال

باندرہ کے مقام پر، جو بمبئی مضافات میں واقع ہے، ایک تندولکر خاندان آباد تھا۔ اس خاندان کے سبھی افراد بابا کے پورن بھگت تھے۔ شریمتی ساوتری بائی تندولکر نے مراٹھی زبان میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کا عنوان "شری سائی ناتھ بھجن مالا" ہے جس میں آٹھ سو کے قریب ابھنگ اور پد ہیں جن میں بابا کی لیلائیں بیان کی گئی ہیں۔ جو لوگ بابا میں دلچسپی رکھتے ہیں ان کے لیے یہ ایک نہایت ہی پڑھنے کے لائق کتاب ہے۔ ان کا بیٹا بابو تندولکر دن رات محنت کر کے ڈاکٹری کے امتحان کی تیاری کر

نمسکار میں کوئی فرق ہے اُس نے کہا۔ میرے پہلے نمسکار آپ سے پیسا حاصل کرنے کے لیے ہوتے تھے۔ لیکن یہ نمسکار میں نے آپ کو بھگوان سمجھ کر کیا ہے۔ پہلے میرا خیال تھا کہ آپ ایک مسلمان ہونے کے ناطے ہم ہندوؤں کو برباد کر رہے ہو"۔ بابا نے پھر پوچھا۔

"کیا تم دل میں مسلمانوں کے خدا پر یقین نہیں رکھتے"۔ اس نے کہا "نہیں" تب بابا نے کہا:۔ "کیا تم نے اپنے گھر میں پنجہ (ہاتھ کا نشان) نہیں رکھا ہے؟ اور کیا تم محرم کے دوران اس کی پوجا نہیں کرتے ہو؟ تمہارے گھر میں ایک اور دیوی کاڈبی بی کے نام سے بھی ہے۔ شادی بیاہ اور دوسرے تہواروں کے موقع پر اس کی رضا حاصل کرنے کے لیے تم اسے ہر طرح سے خوش کرنے کی کوشش کرتے ہو۔ کیا ایسا نہیں ہے؟"

اس نے ان سب باتوں کا اقرار کیا۔ پھر بابا نے کہا

"تم اور کیا چاہتے ہو؟ تب اس کے دل میں اپنے گورو رام داس جی کے درشن کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ بابا نے اسے مڑ کر دیکھنے کے لیے کہا چناں چہ جب اس نے مڑ کر دیکھا تو گورو رام داس جی اس کے سامنے موجود تھے۔ جیسے ہی اس نے ان کے قدموں کو چھونے کی کوشش کی وہ غائب ہو گئے۔ تب اس نے سوال کرتے ہوئے بابا سے کہا۔

"آپ بوڑھے لگتے ہیں کیا آپ کو اپنی عمر معلوم ہے؟"

بابا نے کہا "کیا، تم مجھے بوڑھا کہتے ہو؟ میرے ساتھ دوڑ لگا کر دیکھو تب تم کو معلوم ہوگا"۔ یہ کہتے ہوئے بابا نے دوڑنا شروع کیا۔ وہ بھی پیچھے پیچھے دوڑا۔ بابا اپنے قدموں سے اٹھنے والی گرد میں غائب ہو گئے تب وہ بیدار ہو گیا۔

بیدار ہونے کے بعد وہ بڑی سنجیدگی سے خواب کے بارے میں سوچنے لگا۔ اس کا ذہنی رویہ بالکل بدل گیا اور اسے بابا کی عظمت کا احساس ہو گیا۔ اس کے بعد اس کی لالچی اور

خاموش کھڑے دیکھا۔ بابا کو اتنے قریب دیکھ کر اس نے بڑی درد بھری آواز میں یوں کہنا شروع کیا: "آپ کی شہرت کے بارے میں سن کر میں آپ کے قدموں میں حاضر ہوا۔ پھر آپ کے موجود ہوتے ہوئے مجھ پر یہ مصیبت کیوں نازل ہوئی ہے۔" بابا نے جواب میں کہا "تمہیں اپنے اعمال کی سزا ضرور ملنی چاہیے"۔

"میں نے اس زندگی میں ایسا کوئی گناہ نہیں کیا ہے جس کی پاداش میں مجھ پر اس طرح کی بدنصیبی نازل ہو" بابا نے پھر کہا "اگر اس زندگی میں نہیں تو پچھلی زندگی میں ضرور تم نے کوئی ایسا گناہ کیا ہوگا جس کی سزا مل رہی ہے"۔

اس نے جواب میں کہا۔ "میں اپنی پچھلی زندگی کے بارے میں کچھ نہیں جانتا لیکن اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ میں نے کچھ ایسا پچھلی زندگی کے دوران کیا ہے تو وہ آپ کی موجودگی میں راکھ ہو کر ختم کیوں نہیں ہو جاتا جس طرح آگ کے سامنے سوکھے گھاس کا انجام ہوتا ہے۔ بابا نے اس سے دریافت کرتے ہوئے کہا کہ "کیا تم مجھ پر پورا اعتقاد رکھتے ہو؟" اس نے ہاں میں جواب دیا۔ تب بابا نے اسے آنکھیں بند کرنے کے لیے کہا۔ اس نے ابھی آنکھیں بند کی ہی تھیں کہ اسے کسی بھاری چیز کے زمین پر گرنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا کہ وہ آزاد ہے اور پولیس والے نیچے گرے ہوئے زخمی پڑے ہیں اور خون بہہ رہا ہے۔ اس نے خوفزدہ ہوتے ہوئے بابا کی طرف دیکھا جو اس سے یوں مخاطب ہوئے:۔

"تم تو اب برے پھنسے، ابھی ان کے آفیسر آکر تمہیں گرفتار کر لیں گے"۔ تب اس نے بابا سے استدعا کی کہ آپ کے سوائے میرا کوئی بچانے والا نہیں ہے۔ اس لیے اب مجھے بچائیے"۔ اب بابا نے اسے پھر آنکھیں بند کرنے کے لیے کہا۔ اس نے ویسا ہی کیا۔ جب آنکھیں کھولیں تو خود کو اس نے پنجرے کے باہر آزاد پایا اور بابا اس کے ساتھ کھڑے تھے۔ وہ بابا کے قدموں پر گر پڑا۔ تب بابا نے پوچھا "تمہارے اس اور پہلے کے

فطرت کی مالک تھی۔ وہ بابا کی بہت عزت اور ان سے بے انتہا محبت کرتی تھی۔ ایک بار ایسا ہوا کہ جب دوپہر کی آرتی ہو رہی تھی بابا اس کے عقیدے اور یکسوئی سے بہت خوش ہوئے اور انھوں نے اسے اپنے محبوب دیوتا کے ذہنی درشن کرائے یوں کہ اسے سائی بابا سیتاناتھ یعنی رام کے روپ میں دکھائی دیئے جب کہ دوسروں کو وہ معمول کے روپ میں دکھائی دیئے۔ اپنے محبوب دیوتا کو دیکھ کر اس کا دل بھر آیا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے اور اس نے خوشی سے تالی بجانا شروع کیا۔ لوگ اس کی خوشی کو دیکھ کر حیران ہوئے پر وہ اس کی وجہ کے بارے میں کوئی اندازہ نہ لگا سکے۔ دیر گئے دوپہر کو اس نے اس بارے میں اپنے میاں کو بتایا۔ اس نے انھیں بتایا کہ کس طرح اس نے بابا میں بھگوان رام کی جھلک دیکھی۔ اس نے سوچا کہ چوں کہ وہ ایک بہت ہی سادا عورت ہے جس نے خود کو رام کے لیے وقف کر دیا ہے۔ اس لیے بھگوان رام کو دیکھنے کے بارے میں وہ جو کچھ کہہ رہی ہے وہ محض اس کا وہم ہو۔ اس نے مذاق اڑاتے ہوئے کہا کہ یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ ایک تو بھگوان رام کو دیکھے جب کہ دوسرے سب صرف سائی بابا کو دیکھیں۔ اس نے ان کی باتوں کا برا نہیں مانا کیوں کہ وہ خود کو خوش نصیب سمجھتی تھی کہ جسے گاہے بگاہے بھگوان رام کے درشن ہو جاتے تھے۔ خصوصاً جب اس کا من شانت اور مطمئن اور لالچ سے پاک ہوتا۔

حیران کن / عجیب وغریب خواب

وقت اس طرح گزر رہا تھا کہ خاوند نے ایک رات خواب میں دیکھا کہ وہ ایک بڑے شہر میں ہے اور وہاں کی پولیس نے اسے گرفتار کر کے اس کے ہاتھ ایک رسے سے باندھ کر اسے ایک پنجرے میں یعنی قید خانے میں ڈال دیا ہے۔ جیسے ہی پولیس اس پر اپنی گرفت تنگ کرنے لگی۔ اس نے سائی بابا کو اپنے پنجرے کے باہر قریب ہی

بائیسواں باب

[(١) مدراسی بھجنی میلا(گروپ/منڈلی) (٢) تندولکر (باپ اور بیٹا) (٣) ڈاکٹر کپتن ہاٹے (٤) وامن نروے کر]

مدراسی بھجنی میلہ

سن 1916ء کی بات ہے ایک مدراسی بھجنی میلہ (رام داسی مسلک کو ماننے والی ایک پارٹی) بنارس کے مقدس شہر کی زیارت کے لیے روانہ ہوا۔ یہ پارٹی ایک میاں بیوی، ان کی بیٹی اور سالی پر مشتمل تھی۔ بدقسمتی سے ان کے ناموں کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ سفر کے دوران انھیں راستے میں معلوم ہوا کہ ضلع احمد نگر کے کوپر گاؤں تعلقہ کے ایک موضع شرڈی میں ایک عظیم سنت یا فقیر جن کا نام سائی بابا ہے اور جو بہت ہی خاموش طبیعت کے مالک ہیں رہتے ہیں۔ انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ بہت ہی فراخ دل یا سخی ہیں جو اپنے اور بھگتوں اور ان لوگوں میں روپیہ تقسیم کرتے ہیں جو کوئی نہ کوئی ہنر جانتے ہیں اور اس کا مظاہرہ ان کے سامنے کرتے ہیں۔ ہر روز سائی بابا دکشنا کی شکل میں بہت سارا روپیہ جمع کرتے ہیں جس میں سے وہ ایک روپیہ ہر روز ایک تین سالہ بچی امنی کو دیتے ہیں جو ایک بھگت کونداجی کی بیٹی ہے اور دو سے پانچ روپے کسی اور کو چھے روپے امنی کی ماں جملی کو اور دس سے بیس یہاں تک کہ پچاس تک جیسا کہ ان کا جی چاہتا، وہ دوسرے بھگتوں کو دیتے ہیں۔ یہ سن کر وہ پارٹی شرڈی آئی اور وہاں قیام کیا۔ یہ میلہ بڑے اچھے بھجن گاتا تھا لیکن دِل سے وہ پیسہ حاصل کرنے کے خواہاں تھے۔ ان میں سے تین تو بہت ہی لالچی تھے لیکن جو اس میلے کی مالک خاتون تھی وہ بالکل مختلف

"دیکھو بھگوان شنکر آگئے ہیں اب ان کی پوجا کرو" ترشول کی تکمیل کے فوراً بعد وہاں ترشول لیے ہوئے پنڈی کے پہنچ جانے سے میگھا بہت حیران ہوا۔ واڈا میں عین اسی وقت کاکا صاحب دیکشت اشنان کر کے بعد سر پر تولیہ باندھے ہوئے سائی بابا کو یاد کر رہے تھے تو انھوں نے خیال میں پنڈی کو دیکھا۔ ابھی وہ اس پر حیران ہی ہو رہے تھے کہ میگھا نے آکر انھیں وہ پنڈی دکھائی جو بابا نے اس کو دی تھی۔ دیکشت کو یہ دیکھ کر مسرت ہوئی کہ چند منٹ پہلے انہوں نے خیال میں پنڈی کی جو شبیہ دیکھی تھی وہ بالکل ایسی ہی تھی جیسی کہ اس پنڈی کی تھی۔ ترشول کی تصویر مکمل ہونے کے کچھ دن بعد بابا نے اس بڑی تصویر کے قریب اُسے نصب کر دیا جس کی میگھا پوجا کرتا تھا۔ بھگوان شیو کی پوجا سے میگھا کو بہت پیار تھا اور ترشول کی تصویر کی تکمیل اور پنڈی کی تنصیب سے بابا نے اس کے اعتقاد کو مزید تقویت پہنچائی۔

بابا کی مسلسل خدمت کرتے اور ہر دو پہر اور شام کو بغیر ناغے کے آرتی کرتے، میگھا نے 1912 میں انتقال کیا۔ بابا نے اس کی ارتھی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "یہ میرا سچا بھگت تھا" بابا نے یہ حکم بھی دیا کہ میرے پیسوں سے میگھا کی روح کے ثواب کے لیے برہمنوں کو کھانا کھلایا جائے۔ اس حکم کی تعمیل کاکا صاحب دیکشت نے کیا۔

آنکھیں بند کیے تھا لیکن حقیقت میں جاگتے ہوئے بستر پر لیٹا ہوا تھا اس نے واضح طور پر بابا کے روپ کو دیکھا۔ یہ جانتے ہوئے کہ وہ جاگ رہا ہے بابا نے کشت (بھیگے ہوئے چاول کے ثابوت دانے) پھینک کر اس سے یوں کہا۔

"میری تصویر میں ترشول بھی بناؤ" اور اس کے بعد غائب ہو گئے۔ بابا کے الفاظ سن کر اس نے آنکھیں کھولیں لیکن اسے بابا نظر نہیں آئے۔ البتہ چاول کے دانے ادھر ادھر بکھرے ہوئے دکھائی دے گئے۔ اس نے بابا کے پاس جا کر انھیں خواب کے بارے میں بتایا اور ان سے ترشول کی تصویر بنانے کی اجازت چاہی۔ بابا نے پوچھا۔

"کیا تم نے میرے الفاظ نہیں سنے جن میں میں نے ترشول کی تصویر بنانے کے لیے کہا تھا۔ یہ کوئی خواب نہیں حقیقت تھی اور میرے الفاظ ہمیشہ معنی خیز ہوتے ہیں۔ میگھا نے جواب میں کہا۔

> "میرا خیال تھا کہ آپ نے مجھے جگایا ہے لیکن سارے دروازے بند ہیں اس لیے میں نے سوچا کہ شاید یہ کوئی خواب ہو۔ بابا نے فوراً جواب دیا مجھے اندر داخل ہونے کے لیے کسی دروازے کی ضرورت نہیں ہے میری نہ کوئی شکل ہے اور نہ وجود۔ میں ہمیشہ ہر جگہ موجود رہتا ہوں۔ میں ایک تار کھینچنے والے کی طرح ہر اس آدمی کے اعمال سمیٹ لیتا ہوں جو مجھ پر بھروسا رکھتا ہوا مجھ میں تحلیل ہو جاتا ہے"۔

میگھا نے واپس جا کر بابا کی تصویر کے پاس ہی دیوار پر لال رنگ کے ترشول کی تصویر بنائی۔ دوسرے دن پونے سے ایک رام داسی بھگت آیا۔ اس نے بابا کو سلام کر کے انھیں ایک پنڈی (شولنگ) پیش کیا۔ عین اسی وقت میگھا بھی وہاں پہنچ گیا۔ بابا نے اس سے کہا۔

گنگا اشنان

ایک مکر سکرانتی کو میگھا نے بابا کے جسم کو صندل کی مالش کر کے گنگا کے پانی سے نہلانا چاہا۔ بابا پہلے اس کے لیے تیار نہ تھے لیکن اس نے بار بار التجا کرنے کے بعد پر بابا کے اشنان کے لئے سارے انتظامات کیے اور پھر بابا کو اشنان کے لیے تیار ہونے کے لیے کہا۔ ایک بار پھر بابا نے کہا کہ اسے اس اشنان سے معاف رکھا جائے کیوں کہ فقیر ہونے کے ناتے گنگا کے پانی سے اسے کچھ لینا دینا نہ تھا لیکن میگھا نے بابا کی ایک نہ سنی۔ وہ جانتا تھا کہ گنگا کے پانی سے اشنان کرنے پر بھگوان شو خوش ہوتے ہیں۔ اس لیے اسے اس مقدس دن پر اپنے شو (بابا) کو ضرور اشنان کرانا چاہیے۔ بابا مان گئے اور پھر وہ نیچے اتر کر لکڑی کے تختے پر بیٹھ گئے اور اپنا سر آگے کرتے ہوئے کہنے لگے:-

"میگھا اتنی مہربانی کرو کہ پانی صرف سر پر پھینکو کیوں کہ یہ
جسم کے اشنان کے مترادف ہے"

"ٹھیک ہے" یہ الفاظ کہہ کر میگھا نے برتن اٹھا کر سر پر پانی انڈیلنا شروع کیا۔ لیکن ایسا کرتے ہوئے وہ اس کام میں اتنا کھو گیا کہ اس نے پانی بابا کے سارے جسم پر انڈیل دیا۔ اس نے برتن ایک طرف رکھ کر بابا کی طرف دیکھا۔ اسے یہ دکھ کر حیرانی ہوئی کہ بابا کا صرف سر ہی بھیگا ہوا تھا باقی جسم بالکل سوکھا تھا۔

ترشول اور لنگ

میگھا ہمیشہ بابا کی پوجا دو جگہ پر کرتا تھا۔ دوارکا مسجد مین وہ بابا کی موجودگی میں ان کی پوجا کرتا اور واڑا میں وہ ناناصاحب چندورکر کی دی ہوئی تصویر کی پوجا کرتا۔ ایسا وہ بارہ ماہ تک کرتا رہا۔ تب اس کی لگن کے اعتراف بھی اور اس کے یقین و اعتقاد کو قبول کرنے کے لیے بابا نے اسے اپنا جلوہ دکھایا۔ ایک دن صبح سویرے جب ابھی میگھا

نفرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اندر داخل نہیں ہونے دیا۔ "اس شیطان کو یہاں سے باہر نکال دو" بابا گرجے۔ پھر وہ میگھا سے یوں مخاطب ہوئے:

"تم ایک اونچے درجے کے براہمن ہو میں ایک کمتر درجے کا مسلمان ہوں۔ یہاں آنے سے تمہاری ذات جاتی رہے گی۔ اس لیے دفع ہو جاؤ"۔

یہ الفاظ سن کر میگھا کانپنے لگا۔ یہ سب سن کر اسے حیرانی ہوئی کہ بابا کو وہ سب کچھ کیسے معلوم تھا جو اس کے باطن میں ہو رہا تھا۔ وہ وہاں کچھ دن اپنے طریقے سے بابا کی خدمت کرتا رہا لیکن اس کا اطمینان نہ ہوا۔ تب وہ گھر لوٹ گیا۔ اور پھر وہاں سے ناسک ڈسٹرکٹ میں واقع ایک جگہ ترمبکیشور چلا گیا اور وہاں ڈیڑھ سال تک رہا۔ اس کے بعد وہ دوبارہ شرڈی آیا۔ اس بار دادا کیلکر کی مداخلت پر اسے مسجد میں داخل ہونے اور شرڈی میں رہنے کی اجازت بھی مل گئی۔ بابا نے میگھا کو زبان سے کوئی نصیحت وغیرہ نہیں کی بلکہ باطنی طور پر صرف اس کے ذہن کو صاف کرنے کا کام انجام دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ میگھا بہت حد تک بدل گیا جس سے اس کو بہت فائدہ ہوا۔ تب میگھا بابا کو بھگوان شو کا ایک روپ تصور کرنے لگا۔ بھگوان شو کی پوجا کرنے کے لیے بیل کے پتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ میگھا ہر روز میلوں کا سفر کر کے دور دور سے بیل کے پتے لاتا اور اپنے بھگوان شو (بابا) کی پوجا کرتا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ پہلے وہ گاؤں کے سب دیوتاؤں کی پوجا کرتا اور اس کے بعد وہ دوار کا مسجد آتا اور بابا کی گدی کو سلام کر کے وہ بابا کی پوجا کرتا۔ پھر بابا کی ٹانگوں کو دھو کر وہ پانی پیتا جس میں بابا کے پاؤں دھوئے گئے ہوتے۔

ایک بار کچھ ایسا ہوا کہ وہ بھگوان کھنڈوبا کے مندر کا دروازہ بند ہونے کی وجہ سے اس کی پوجا کیے بغیر ہی دوار کا مسجد آیا۔ بابا نے اس کی پوجا قبول نہیں کی اور اسے یہ کہہ کر دوبارہ بھیجا کہ اب دروازہ کھلا ہے۔ میگھا نے وہاں جا کر دروازے کو واقعی کھلا پایا۔ اس نے پوجا کی اور پھر معمول کی طرح بابا کے پاس آیا۔

پہلے 14 دن وہ اسے نہ چڑھا سکے۔ عورت کو یہ دیری پسند نہیں آئی چناں چہ پندرہویں روز وہ کھچڑی لے کر دوپہر کے وقت دوار کا مسجد آئی۔ اس وقت بابا اور دوسرے لوگ کھانے کے لیے بیٹھنے ہی والے تھے اور پردہ گرادیا گیا تھا۔ اس نے پردہ اوپر اٹھایا اور اندر داخل ہو گئی۔ یہ بڑی عجیب بات تھی کہ بابا اس روز کھچڑی ہی کھانا چاہ رہے تھے اور یہ بھی کہ انہی کو سب سے پہلے پروسی جائے۔ چنانچہ جب یہ خاتون کھچڑی لے کر اندر داخل ہوئی تو بابا کو بڑی مسرت ہوئی اور وہ نوالے بھر بھر کر کھانے لگے۔ کھچڑی کے لیے بابا کی رغبت کو دیکھتے ہوئے سب لوگ حیران ہو گئے اور وہ جنھوں نے یہ کہانی سنی انھیں بھگتوںؒ کے لیے بابا کی شدید محبت کا یقین ہو گیا۔

میگھا

آیئے اب ہم تیسری اور بڑی چڑیا کی طرف رجوع کریں۔ راؤ بہادر۔ ایچ۔ وی ساٹھے کا ایک سادہ اور ان پڑھ خانساماں تھا وہرم گاؤں کا رہنے والا میگھا۔ وہ شو کا بھگت تھا اور ہمیشہ پانچ ارکان کے اس منتر کا ورد کرتا رہتا تھا "نماہ شوائے" وہ نہ تو سندھیا کو جانتا تھا اور نہ سب سے اعلا منتر یعنی گائتری منتر وغیرہ پڑھنا۔ ساٹھے نے اسے بتایا کہ سائی بابا بھگوان شو کا ہی دنیاوی روپ تھے۔ انہوں نے میگھا کو شرڈی جانے کے لیے مجبور کیا۔ بروچ ریولے اسٹیشن پر اسے معلوم ہوا کہ سائی بابا مسلمان ہیں۔ چناں چہ ایک مسلمان کے سامنے جھکنے کے خیال نے اس کے سادہ اور پکے مذہبی من کو بہت پریشان کیا۔ اس نے اپنے مالک سے استدعا کی کہ وہ اسے شرڈی نہ بھیجیں۔ لیکن وہ نہ مانے اور انھوں نے اس کے شرڈی جانے پر اصرار کرتے ہوئے اسے ایک خط اپنے سسر شری گنیش دامودر عرف دادا کیلکر جو شرڈی میں ہی رہتے تھے کے نام لکھ کر دیا کہ وہ اس کا بابا سے تعارف کرادیں۔ جب وہ شرڈی پہنچا اور دوار کا مسجد میں گیا تو بابا نے شدید

دیکھتے ہوئے لکھمی چند نے بابا کے قدموں پر گر کر کہا: ”مجھے آپ کے درشن حاصل کر کے مسرت ہوئی ہے۔ مجھ پر بھی ہمیشہ کرم کی نظر رکھیے اور میری حفاظت کیجئے۔ آپ کے قدموں کے سوائے دنیا میں میرے لیے اور کوئی خدا نہیں ہے۔ میرا من کو ہمیشہ آپ کے بھجنوں اور قدموں کے تصور میں کھویا رہے گا۔ اپنے رحم و کرم سے ہی مجھے دنیا کے مصائب سے بچائے رکھیے اور مجھے اپنے نام کا ورد کرنے اور اسی میں خوش رہنے دیجئے۔“

بابا کی دعائیں اور اُودی حاصل کرنے کے بعد وہ بہت خوش اور مطمئن وہاں سے اپنے دوست کے ساتھ گھر لوٹا۔ راستے میں وہ بابا کی عظمت کے گیت گاتا رہا۔ بعد میں وہ ساری عمر بابا کا ایک ثابت قدم بھگت بنا رہا اور ہمیشہ بابا کو پھولوں کے ہار خوشبو اور دکشنا وغیرہ اس شخص کے ہاتھوں بھیجتا جو بھی شرڈی کی طرف آرہا ہوتا۔

برہان پور کی عورت

آیئے اب ہم ایک اور چڑیا (بھگتوں کے لیے بابا کا دیا ہوا نام) کا ذکر کریں۔ ایک دن برہان پور میں ایک عورت نے بابا کو خواب میں دیکھا کہ وہ اس کے دروازے پر آکر کھانے کے لیے کھچڑی کی بھیک مانگ رہے ہیں۔ جاگنے پر اس نے کسی کو بھی اپنے دروازے پر نہ دیکھا۔ بہر حال وہ اس خواب سے بہت خوش ہوئی اور اس نے اس کا ذکر اپنے میاں سمیت سب سے کیا۔ اس کا خاوند محکمہ ڈاک میں ملازم تھا۔ چنانچہ جب اس کا تبادلہ اکولا کیا گیا تو اس نے اور اس کی بیوی نے جو دونوں بابا کے بھگت تھے شرڈی جانے کا فیصلہ کیا۔ چناں چہ وہ ایک مناسب دِن شرڈی کے لیے روانہ ہو گئے اور راستے میں گومتی تیرتھ کی زیارت کرتے ہوئے شرڈی پہنچے وہاں دو ماہ تک مقیم رہے۔ ہر روز وہ دوار کا مسجد جا کر بابا کے درشن کرتے اور اس طرح خوشی خوشی اپنا وقت گزارتے۔ یہ جوڑا شرڈی دراصل کھچڑی نوید چڑھانے کے لیے آیا ہوا تھا لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر

کرنے کے لیے۔

دوپہر کے وقت جب لکھمی چند کھانا کھانے کے لیے بیٹھنے ہی والا تھا اس کو کچھ سانجا (گندم کی کھیر) پرساد کے طور پر کسی بھگت سے حاصل ہوا اسے خوشی ہوئی۔ دوسرے دن بھی اسے امید تھی کہ وہ اسے حاصل کرے گا لیکن کچھ حاصل نہ ہوا۔ تیسرے دن دوپہر کی آرتی کے وقت باپو صاحب جوگ نے بابا سے دریافت کیا کہ وہ کون سا نوید اس دن کے لیے لائے؟ بابا نے اسے سانجالانے کے لیے کہا۔ تب بھگتوں نے دو برتن بھر کے سانجالایا۔ لکھمی چند کو بڑی بھوک لگی تھی اور اس کی پیٹھ میں بھی درد ہو رہا تھا۔ تب بابا نے اس سے کہا۔

"یہ اچھا ہے کہ تمہیں بھوک لگی ہے۔ بھوک مٹانے کے لیے کچھ سانجا کھالو اور درد کے لیے کچھ دوا بھی لو۔ ایک بار اسے پھر حیرانی ہوئی کہ بابا اس کے دل کی بات کیسے جانتے تھے اور اس کے دل میں جو کچھ ہو رہا تھا اسے انھوں نے بیان کر دیا تھا۔ وہ ہر بات کا کس قدر علم رکھتے تھے۔

بُری نظر

ایک اور موقع پر لکھمی چند نے ایک رات چاوڑی میں ایک جلوس دیکھا۔ بابا کو اس وقت بڑی شدید کھانسی آرہی تھی۔ اس نے سوچا کہ شاید بابا کی یہ تکلیف کسی کی بُری نظر کا نتیجہ ہے۔ دوسرے دن جب وہ مسجد میں گیا تو بابا نے شاما سے اس طرح کہا:۔

"مجھے کل رات بڑی شدید کھانسی تھی۔ کیا یہ کسی کی بُری نظر کا نتیجہ تھا۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ کسی کی بُری آنکھ مجھ پر کام کر گئی ہے اس لیے مجھے تکلیف ہو رہی ہے" اس طرح بابا نے وہ سب کچھ ظاہر کر دیا جو لکھمی چند کے دل میں ہو رہا تھا۔

بابا کے سب کچھ جاننے اور اپنے بھگتوں سے اس قدر محبت رکھنے کے ان شواہد کو

امرود خریدے۔ عورت نے اس سے کہا: باقی بھی لے لو اور میری طرف سے بابا کو بھینٹ کر دو۔ اس نے امرود خریدنے کا ارادہ کیا تو تھا لیکن وہ ایسا کرنا بھول گیا تھا پھر اس کا سامنا ایک ایسی بوڑھی عورت سے ہوا جو خود بھی بابا کی بھگت تھی۔ یہ سب باتیں دونوں دوستوں کے لیے حیران کن تھیں۔ چنانچہ لکھمی چند نے اپنے من میں سوچا کہ ہو سکتا ہے کہ بوڑھی عورت اس بزرگ کی کوئی رشتہ دار ہو جس کو اس نے خواب میں دیکھا تھا۔ جب وہ شرڈی کے قریب پہنچے تو دوار کا مسجد پر لگے ہوئے جھنڈوں کو دیکھ کر انھوں نے ان کو سلام کیا۔ پھر ہاتھ میں پوجا کا سامان لے کر وہ مسجد میں پہنچے اور رسم کے مطابق بابا کی پوجا کی۔ لکھمی چند کا دل بھر آیا۔ بابا کو دیکھ کر اسے بے انتہا مسرت حاصل ہوئی۔ وہ بابا کے قدموں کو دیکھتے ہوئے ان میں اس حد تک کھو گیا جس طرح شہد کی مکھی کنول کے پھول کی خوشبو میں کھو جاتی ہے۔ تب بابا یوں گویا ہوئے:-

"وہ بہت چالاک انسان ہے۔ وہ راستے میں بھجن گاتا ہے اور دوسروں سے معلومات حاصل کرتا ہے۔ دوسروں سے پوچھنے کی ضرورت کیا ہے۔ ہمیں ہر چیز خود اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے پھر دوسروں سے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ بس خود یہ سوچنے کی کوشش کرو کہ تمہارا خواب صحیح ہے یا نہیں۔ مارواڑی سے ادھار لے کر درشن کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا اب دل کی تمنا پوری ہو گئی ہے"؟

یہ الفاظ سن کر لکھمی چند بہت حیران ہوا کہ بابا سب کچھ جانتے تھے۔ اسے یہ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ بابا ان سب باتوں کو کس طرح جانتے تھے جو گھر سے شرڈی تک کے سفر کے دوران ہوئی تھیں۔ سب سے اہم بات جسے یاد رکھا جانا چاہیے یہ تھی کہ بابا اس بات کو قطعاً پسند نہ کرتے تھے کہ کوئی مقروض ہو جائے۔ خصوصاً ان کے درشن حاصل

رہااور آخر میں رالی برادرس اینڈ کو میں منشی کے طور پر ملازم رہا۔1910 میں اس کا رابطہ بابا سے ہوا۔ کرسمس سے ایک یا دو مہینے پہلے اس نے خواب میں دیکھا کہ شانتا کروز کے مقام پر ایک بوڑھے آدمی کو اس کے بھگتوں نے گھیر رکھا ہے کچھ دن بعد وہ اپنے ایک دوست دتاتریہ منجوناتھ بیجور کے گھر داس گنو کا کیرتن سننے کے لیے گیا۔ داس گنو کا یہ طریقہ ہے کہ کیرتن کے وقت وہ سائی بابا کی تصویر سامعین کے سامنے رکھتا ہے۔ لکھمی چند یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ اس نے خواب میں جس بزرگ کو دیکھا تھا اس کے نقوش اس تصویر سے ملتے تھے۔ اس لیے وہ خود ہی اس نتیجے پر پہنچا کہ اس نے خواب میں سائی بابا کو ہی دیکھا تھا۔ داس گنو کے کیرتن، سنت تکارام کی زندگی کے بارے میں اس بیان اور سائی بابا کی تصویر سب نے لکھمی چند کو بہت متاثر کیا اور اس نے شرڈی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ بھگتوں کے تجربے ہی کی وجہ سے خدا انھیں ست گورو کی تلاش اور دوسری روحانی کوششوں میں مدد کرتا ہے۔ اسی رات آٹھ بجے کے قریب اس کے ایک دوست شنکر راؤ نے اس کے دروازے پر دستک دے کر اس سے دریافت کیا کہ کیا وہ اس کے ساتھ شرڈی چلے گا۔ اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی اور اس نے شرڈی جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اپنے چچیرے بھائی سے 5روپے ادھار لیے اور ضروری انتظامات کر کے شرڈی کے لیے روانہ ہو گیا۔ ریل میں اس نے اپنے دوست شنکر راؤ سے مل کر کچھ بھجن بھی گائے اور چار مسلمان ہم سفروں سے جو شرڈی کے قریب واقع اپنے گاؤں لوٹ رہے تھے باکے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ ان سب نے بتایا کہ سائی بابا ایک بہت بڑے سنت ہیں جو کئی سال سے شرڈی میں مقیم ہیں۔ جب وہ کوپر گانو پہنچے تو بابا کو پیش کرنے کے لیے کچھ امرود خریدنا بھول گیا۔ جب وہ شرڈی کے قریب پہنچ رہے تھے تو اسے امرود خریدنا یاد آیا۔ عین اسی وقت اس نے ایک عورت کو امرودوں کی ٹوکری سر پر رکھے ٹانگے کی طرف دوڑتے ہوئے دیکھا۔ ٹانگے کو روکا گیا اور کچھ چیندہ

اکیسواں باب

عظیم خفیہ عمل

بابا بھگتوں کو کس طرح شرڈی کی طرف کھینچتے ہیں

[(۱)لکھمی چند (۲) برہان پور کی خاتون (۳) میگھا۔]

ابتدائیہ

سائی محدود یا منتہی نہیں ہیں۔ وہ چیونٹی سے لے کر برہم تک ہر چیز میں رہتے ہیں۔ وہ سب پر محیط ہیں۔ سائی باباویدوں سے لے کر عرفانِ ذات تک کے سارے علوم سے کماحقہ واقف تھے۔ وہ چوں کہ ان دونوں پر کامل عبور رکھتے تھے اس لیے وہ سد گورو بننے کے لیے سب سے مناسب شخصیت تھے۔ عام طور پر ہماری ماں یا باپ جسم کو جنم دیتا ہے اور موت اکثر زندگی کا تعاقب کرتی ہے۔ لیکن سد گورو موت اور زندگی دونوں کا خاتمہ کرتا ہے اس لیے وہ کسی دوسرے سے زیادہ مہرباں اور رحم دل ہوتا ہے۔ سائی بابا اکثر کہا کرتے تھے کہ ان کا بھگت چاہے ان سے کتنی ہی دور کیوں نہ ہو وہ اس چڑیا کی طرح شرڈی کی طرف کھنچا چلا آئے گا جس کے پاؤں میں دھاگا بندھا ہوا ہو۔ یہ باب اسی طرح کی تین چڑیوں کی کہانیاں بیان کرتا ہے۔

(۱)لالہ لکھمی چند

وہ پہلے بمبئی کے شری ونکیٹشور پریس میں کام کرتا تھا۔ پھر ریلوے میں کام کرتا

دھوکا ہے ورنہ دونوں داخلی اعتبار سے حقیقت میں ایک ہیں جوان دونوں میں فرق پائے وہ دراصل ابھی خود ناپختہ اور نامکمل ہے۔

کر اس نے ایک سوداگر سے شادی کی۔ اس کے بعد یہ ایک برہمن کے ہاں پیدا ہوئی۔ میں نے اس کو ایک طویل مدت کے بعد دیکھا ہے۔ اس لیے مجھے اس کی طشتری میں سے محبت کے کچھ میٹھے نوالے کھانے دو"۔ یہ کہنے کے بعد بابا نے اس کے پکوان سے پورا پورا انصاف کیا ہاتھ دھونے اور منہ صاف کرنے کے بعد تشفی کے ساتھ ڈکار لیتے ہوئے اپنی جگہ پر آکر بیٹھ گئے۔ اس خاتون نے بابا کے سامنے جھکتے ہوئے ان کی ٹانگوں کو دھونا شروع کر دیا بابا نے اس سے باتیں کرنا اور اس کے ان بازوں کو دبانا شروع کیا جن سے وہ ان کی ٹانگیں دھو رہی تھی۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کی اس طرح خدمت کرتے ہوئے دیکھ کر شاما نے مذاق میں کہا۔

"یہ بہت اچھا ہو رہا ہے۔ یہ ایک بہت ہی اچھا منظر ہے کہ بھگوان اور اس کا بھگت ایک دوسرے کی سیوا کر رہے ہیں"۔ اس عورت کی اس پر خلوص خدمت سے خوش ہو کر بابا نے اس سے بڑے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"راجا رام۔ راجا رام کا پاٹھ اس وقت بھی کرو اور ہمیشہ کرتی رہو اور اگر تم یہ کرتی رہو گی تو تمہارے مقاصد حاصل ہوں گے۔ تمہارے من کو شانتی ملے گی اور تمہیں بے انتہا فائدہ پہنچے گا۔" روحانی باتوں کو نہ جاننے والوں کے لیے کہ المحض عشق و محبت کی بات ہو گی لیکن حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔ یہ دراصل "شکتی پات" کا معاملہ تھا جس کو گورو سے اس کے بھگت کو قدرت یا روحانی طاقت کی منتقلی کہا جا سکتا ہے۔ بابا کے الفاظ کتنے زور دار تھے۔ ایک لمحے میں وہ اس خاتون کے دل میں اتر کر وہاں جاگزیں ہو گئے۔

اس واقعے سے گورو اور اس کے پیروکار کے درمیان رشتے کی وضاحت ہوتی ہے۔ دونوں کو ایک ہو کر ایک دوسرے سے محبت اور خدمت کرنی چاہیئے۔ ان کے درمیان کوئی فرق یا امتیاز نہیں ہونا چاہیئے۔ دونوں ایک ہیں اور ایک دوسرے کے بغیر زندہ نہیں رہتے۔ پیرو یا بھگت کا گرو کے قدموں پر سر رکھنا محض ایک دکھاوا یا نظر کا

منکسر المزاج اور اچھی طبیعت کے مالک تھے۔ داد صاحب ادویت فلسفے (وحدت الوجود) سے متعلق سنسکرت میں لکھی شری ودیارنیہ کی مشہور کتاب پنچ دشی کی تشریح کرتے تھے۔ مگر وہ جب مسجد میں آتے تو بابا کی موجودگی میں منہ سے ایک لفظ نہ نکالتے۔ کوئی چاہے ویدوں کا کتنا ہی بڑا عالم کیوں نہ ہو جب کسی ایسے انسان کے سامنے آتا ہے جس نے برہم تک رسائی حاصل کر لی ہو اور اس سے ایک ہو گیا ہو اس کے سامنے وہ ٹھہر نہیں سکتا۔ علم ذات کے عرفان کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔ داد صاحب وہاں چار مہینے رکے اور کھاپرڈے کی بیوی سات ماہ تک وہاں رکی رہی۔ وہ دونوں شرڈی میں اپنے قیام سے بہت خوش تھے۔ کھاپرڈے کی بیوی بہت وفادار اور سچی بھگت تھی وہ بابا سے شدید محبت کرتی تھی۔ ہر دوپہر کو وہ خود مسجد میں نوید لے جاتی۔ بابا جب اسے قبول کرتے تو وہ لوٹ کر کھانا کھاتی۔ اس کی اس مستحکم اور پائدار یکسوئی کو دیکھتے ہوئے بابا نے اسے دوسروں پر ظاہر کرنا چاہا۔ ایک دوپہر کو وہ سانجا (گیہوں کی کھیر) پوریوں، چاول، سوپ (چاولوں کی کھیر) اور دوسری چیزوں سے بھری ہوئی ایک پلیٹ لے کر دوراکا مسجد میں آئی۔ بابا جو اکثر گھنٹوں تک انتظار کرتے رہتے، فوراً اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی کھانے کی جگہ پر آکر انھوں نے پلیٹ سے کپڑا ہٹاتے ہوئے بڑے شوق سے اس میں پڑی اشیاء کو کھانا شروع کر دیا۔ تب شاما نے ان سے پوچھا "آپ یہ طرفداری کیوں کر رہے ہیں؟ دوسروں کی چیزوں کو تو آپ پھینک دیتے ہیں اور ان کو دیکھنا تک پسند نہیں کرتے۔ یہ کھاتے ہوئے آپ ان سے انصاف نہیں کر رہے ہیں۔ اس عورت کی پلیٹ میں پڑا پکوان آپ کو اتنا میٹھا لگ رہا ہے۔ آپ کے اس عمل نے ہی ہمارے لیے مشکل پیدا کر دی ہے' بابا نے اس پر وضاحت کرتے ہوئے کہا:- یہ پکوان واقعی غیر معمولی قسم کا ہے۔ اپنے پچھلے جنم میں یہ خاتون ایک سوداگر کی موٹی تازی گائے تھی جو بہت دودھ دیتی تھی۔ اس کے بعد اس نے ایک مالی کے کنبے میں جنم لیا۔ پھر ایک کھتری کے ہاں جنم لے

گیتا کا راز

بابا ہمیشہ ان سے محبت کرنے کے ساتھ ہی ساتھ ان کی حوصلہ افزائی بھی کرتے جو برہم ودیا کا مطالعہ کرتے تھے۔ مثال کے طور پر ایکبار باپو صاحب جوگ نے ڈاک کے ذریعے ایک پارسل وصول کیا۔ اس میں لوک مانیہ تلک کی لکھی ہوئی کتاب ''گیتا رہسیہ'' یعنی گیتا کا راز تھی۔ اسے اپنی بغل میں دباتے ہوئے اس نے مسجد میں آکر بابا کے سامنے تعظیم کے طور پر سجدہ کیا۔ وہ پارسل بغل سے نکال کر بابا کے قدموں میں گر پڑا۔ بابا نے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ تب اسے اسی وقت کھولا گیا اور کتاب کو بابا کے ہاتھ میں دے دیا گیا۔ انھوں نے کچھ منٹوں تک ادھر ادھر سے کچھ صفحے پلٹ کر دیکھے۔ چناں چہ انھوں نے ایک روپیہ جیب سے نکال کر کتاب پر رکھا اور کتاب جوگ کو لوٹاتے ہوئے اس سے کہا:-

''اس کو پوری طرح پڑھو تمہیں اس سے فائدہ حاصل ہوگا''

شریمتی اور شری کھاپرڈے کی بھگتی

یہ باب ختم کرنے سے پہلے آیئے ہم اس باب کو کھاپرڈے کے تذکرے پر ختم کرتے ہیں۔ ایک بار دادا صاحب کھاپرڈے اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ شرڈی آیا اور وہاں کچھ مہینے تک مقیم رہا۔ (اس کے قیام کا روزنامچہ یعنی ڈائری انگریزی زبان میں شری سائی لیلا میگزین کی پہلی جلد میں شائع ہو چکی ہے) دادا صاحب کھاپرڈے کوئی معمولی آدمی نہیں تھا وہ امر داتی (برار) کا سب سے امیر نامور وکیل اور دلی کی ریاستی کونسل کا ممبر بھی تھا۔ وہ بہت ذہین اور اچھا مقرر بھی تھا۔ پھر بھی وہ بابا کے سامنے اپنا منہ کھولنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ بہت سے بھگت کبھی کبھی بابا سے بحث و تمحیص کرتے تھے لیکن کھاپرڈے، نولکر اور بوٹی یہ تین ہمیشہ خاموش رہتے۔ یہ تینوں شریف النفس، حلیم،

ہو وہ کیوں انھیں کے سامنے اس سے لڑے۔ ہمیں پتا نہیں ہے کہ کس پر کتنا الزام دھریں اور کس کو اس کا ذمے دار ٹھہرائیں۔ ہم تو صرف یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ طریقہ اختیار نہ کیا گیا ہوتا تو موضوع کی اہمیت کو شاما پر واضح نہ کیا جا سکتا اور خدا کے نام کی تاثیر بھی واضح نہ ہو پاتی۔ اور نہ خدا کے نام اور وشنو سہسر نام کی تاثیر ہی شاما کے دل پر نقش ہو سکتی۔ چناں چہ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ بابا کا درس و تدریس کا طریقہ کتنا لا مثالی تھا۔ اس معاملے میں شاما نے کتاب کو درجہ بدرجہ پڑھا اور اس پر اس قدر مہارت حاصل کر لی کہ وہ پروفیسر جی جی نر کے کو اس کے بارے میں بتا سکے جس نے پونا کے انجینئرنگ کالج سے ایم۔ کیا تھا اور جو بابا کے ایک بھگت اور شریمان بوٹی کا داماد تھا۔

وٹھل بھگوان کے درشن

ایک دن کاکا صاحب دیکشت اشنان کرنے کے بعد شرڈی کے اپنے واڑا میں صبح سویرے عبادت کرنے میں مشغول تھے کہ ان کو بھگوان وٹھل کا جلوہ نظر آیا۔ اس کے بعد جب وہ بابا سے ملنے کے لیے گئے تو بابا نے ان سے کہا کیا تم نے وٹھل پاٹل کو دیکھ لیا؟ کیا تم نے انھیں نہیں دیکھا؟ وہ ایک چھلاوے کی طرح ہے اور پھسل جاتا ہے اس لیے اسے مضبوطی سے پکڑے رہو۔ ورنہ وہ تمہیں فریب دے کر او جھل ہو جائے گا۔ دوپہر کو آواز لگا کر تصویریں بیچنے والا ایک شخص پنڈھرپور کے وٹھل کی بیس پچیس تصویریں لے کر وہاں بیچنے کے لیے آیا۔ دیکشت یہ دیکھ کر حیران ہو گیا کہ اس نے عبادت کے دوران وٹھل بھگوان کی جو شبیہ دیکھی تھی وہ اس تصویر سے ہو بہو ملتی تھی۔ چناں چہ اسے بابا کے الفاظ بھی یاد آ گئے۔ اس نے ایک تصویر خرید کر مسجد میں عبادت کے لیے رکھی۔

کتاب واپس نہیں کی تو وہ اپنا سر پھوڑے گا۔ شاما نے بڑے تحمل سے اسے سمجھانے کی کوشش کی لیکن کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ تب بابا نے بڑی نرم دلی سے اس سے یوں کہا" اور رام داسی کیا بات ہے؟ تم کیوں اس قدر مشتعل ہو گئے۔ کیا شاما ہمارا آدمی نہیں ہے تم اسے کیوں خواہ مخواہ گالیاں دے رہے ہو؟ کیا وجہ ہے کہ تم اس قدر جھگڑالو ہو، کیا تم محبت پیار کی زبان میں بات نہیں کر سکتے ہو؟ تم روز یہ مقدس کتابیں پڑھتے ہو پھر بھی تمہارا من صاف نہیں ہے اور تمہیں اپنے جذبات پر قابو نہیں ہے۔ تم کیسے رام داسی! نہیں تو دنیاوی اشیاء سے کوئی تعلق واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے کہ تم اس کتاب کے لیے اس قدر للچا رہے ہو۔ ایک سچے رام داسی کو کسی سے تعلق یا لگاؤ نہ ہونا چاہئے بلکہ اسے سب کو برابر سمجھنا چاہئے اور سب سے برابری کا سلوک کرنا چاہئے۔ تم شاما سے یہاں محض ایک کتاب کے لیے جھگڑ رہے ہو۔ جاؤ اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ پیسے سے بہترین کتابیں خریدی جا سکتی ہیں لیکن انسان نہیں۔ اس بات پر غور کرو اور دوسروں کا لحاظ کرو۔ تمہاری کتاب کی کیا اہمیت ہے۔ شاما کو اس کی ضرورت نہ تھی۔ میں نے اسے یہ کتاب اٹھا کر دی۔ تمہیں یہ کتاب زبانی یاد ہے۔ میں نے سوچا شاما شاید اس کو پڑھے اس سے فائدہ اٹھائے اس لیے میں نے یہ کتاب اسے دی"۔

بابا کے یہ الفاظ کتنے میٹھے اور اچھے تھے۔ نرم، نازک اور امرت کی طرح ان کا بہت اچھا اثر ہوا۔ رام داسی نرم پڑتے ہوئے شاما سے مخاطب ہوا کہ میں اس کے بدلے میں اس سے پنچ رتنی گیتا لوں گا۔ شاما کو بہت خوشی ہوئی اور اس نے کہا" ایک کیوں میں بدلے میں تمکی دس کاپیاں دوں گا"۔

اس طرح سے یہ معاملہ سمجھوتے پر ختم ہوا۔ سوال یہ ہے کہ ایک رام داسی کیوں پنچ رتنی گیتا لینے کے لیے اس قدر مصر ہوا جس کے اندر موجود خدا کو اس نے جاننے کی بھی کوشش نہ کی اور ایک ایسا شخص جو ہر روز بابا کے سامنے مسجد میں مذہبی کتابیں پڑھتا

ہے اور یہ کہ اس کا مالک ایک رام داسی ہے جو ایک پاگل ضدی اور جلد ناراض ہونے والا شخص ہے۔ وہ اس سے ضرور جھگڑے گا۔ مزید یہ کہ وہ خود دیہاتی ہونے کی وجہ سے ٹھیک طور پر سنسکرت زبان نہیں پڑھ سکتا تھا۔ شاما نے سوچا کہ بابا اس کے اور رام داسی کے بیچ میں جھگڑا کرانا چاہتا ہے لیکن دراصل اسے بالکل پتا نہ تھا کہ بابا اس کے لیے کیا سوچ رہے ہیں۔ بابا یقیناً وشنو سہسر نام کو شاما کی تحویل میں ڈالنے کی سوچ رہے تھے کیوں کہ وہ ان کا سب سے قریبی بھگت تھا۔ گو دیہاتی ہی سہی۔ اس طرح بابا اس کو دنیا کے عذابوں سے بچانا چاہتے تھے۔ بابا نے شاما سے کہا یہ ہمیں تمام گناہوں اور برے امکانات سے بچاتا ہے بار بار جنم لینے اور مرنے سے نجات دلاتا ہے۔ اس سے آسان سادھنا اور کوئی نہیں ہے یہ ہمارے من کو پاک کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اس کے لیے کسی ساز و سامان کی ضرورت نہیں اور نہ پابندیوں کی۔ یہ بہت ہی آسان اور موثر ہے۔ بابا چاہتے تھے کہ شاما اس سادھنا پر عمل کرے حالاں کہ وہ اس کی خواہش نہیں کرتا تھا۔ اس لیے بابا نے اسے ایسا کرنے کے لیے مجبور کیا۔ ایسا کہا جاتا ہے کہ بہت عرصے پہلے ایکناتھ مہاراج نے بھی اسی طرح وشنو سہسر نام کو ایک برہمن ہمسائے پر تھوپ کر اسے بچایا تھا۔ اس کا مطالعہ من کو صاف کرنے کا ایک واضح راستہ ہے چنانچہ بابا نے اس کو شاما پر تھوپا یعنی اسے اس کا مطالعہ کرنے کے لیے مجبور کیا۔

رام داسی جلد ہی دوا لے کر لوٹا۔ انا چنچنی کر اس وقت وہاں موجود تھا جو نارومنی کا کردار نبھانے کے لیے تیار بیٹھا تھا۔ چناں چہ اس نے رام داسی کو بتا دیا کہ اس کی غیر موجودگی میں کیا ہوا۔ رام داسی کو ایک دم اشتعال آگیا۔ وہ شاما پر برس پڑا۔ اس نے شاما پر یہ الزام لگایا کہ اس نے بابا سے درد کا بہانہ کرا کے اسے بازار دوا لینے کے لیے بھجوایا اور اس طرح کتاب حاصل کی۔

اس نے شاما کو گالیاں دینا اور برا بھلا کہنا شروع کیا اور یہ بھی کہا کہ اگر اس نے

ہوئے اسے اچھی طرح حفاظت سے رکھنے کو کہا اور یقین دلایا کہ یہ کتاب اس کے بہت کام آئے گی۔ کاکا نے جھک کر بڑے ادب سے وہ کتاب بابا سے لی۔

شاما اور وشنو سہسر نام

شاما بابا کا ایک بہت ہی قریبی بھگت تھا اور بابا اس کو تبرک کے طور پر وشنو سہسر نام دے کر ایک خاص انداز میں فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔ یہ کام انھوں نے اس طرح کیا۔ شاما صبح سویرے اٹھ کر منہ ہاتھ دھونے اور نہانے کے بعد زعفرانی کپڑے پہنتا اور بھبھوت مل کر وشنو سہسر نام (جس میں وشنو کی تعریف میں ہزار نام دیئے گئے ہیں اور جس کو اہمیت کے اعتبار سے بھگوت گیتا کے بعد دوسری اہم کتاب تصور کیا جاتا ہے) اور ادھیاتم رامائن کو پورے اعتقاد کے ساتھ پڑھتا۔ وہ ان کتابوں کو اکثر پڑھتا۔ کچھ دنوں کے بعد بابا نے سوچا کہ وہ شاما کو وشنو سہسر نام شروع کرادے۔ چناں چہ انہوں نے رام داسی کو بلایا اور اس سے کہا میرے پیٹ میں سخت درد ہو رہا ہے اور جب تک سونا مکھی دوا نہیں لوں گا درد میں افاقہ نہیں ہوگا۔ اس لیے بازار جا کر میرے لیے دوا لاؤ۔ رام داسی کتاب بند کر کے بازار گیا۔ تب بابا اپنی کرسی سے اتر کر رام داسی کی جگہ آئے اور وشنو سہسر نام نکالا اور واپس اپنی جگہ پر آکر شاما سے یوں مخاطب ہوئے: ''شاما یہ کتاب بہت اہم اور تمہیں متاثر کرنے والی ہے۔ اس لیے میں اسے تحفتاً تمہیں دیتا ہوں۔ تم اسے پڑھو۔ ایک بار مجھے شدید تکلیف ہوئی میرا دل زور زور سے دھڑکنے لگا اور میری جان خطرے میں تھی۔ اس نازک موقع پر میں نے اس کتاب کو چھاتی سے لگایا۔ اس نے مجھے آرام پہنچایا۔ مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے خود آکر میری جان بچائی۔ چناں چہ میں یہ کتاب تمہیں دیتا ہوں۔ اسے روز تھوڑا تھوڑا پڑھو۔ اس سے تمہیں فائدہ پہنچے گا۔'' شاما نے کہا کہ اسے اس کتاب کی ضرورت نہیں

148.1

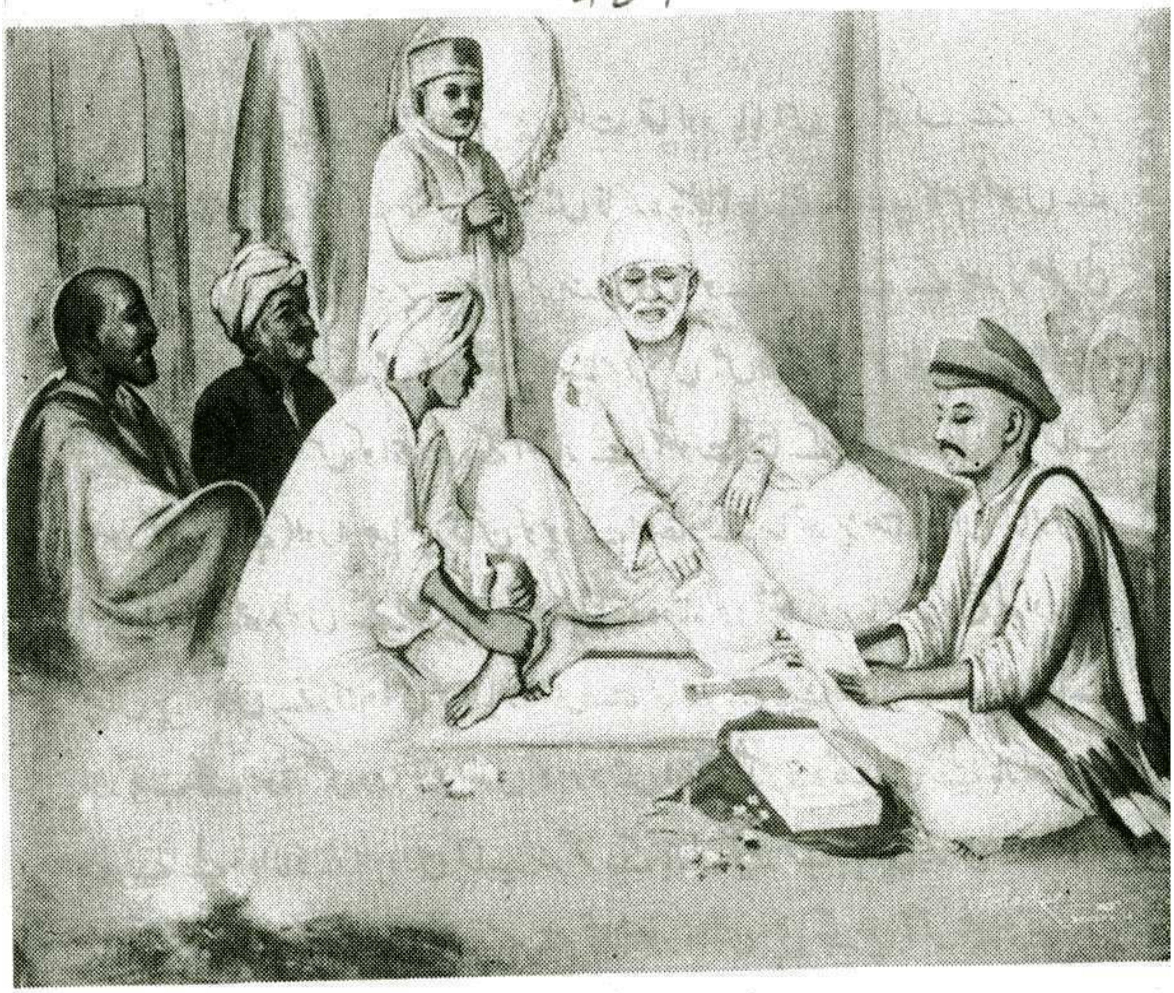

سائی باباتمام اُن ویدوں، شاستروں، گیتا، پُران اور قرآن شریف کی آیات سے واقفیت رکھتے تھے جن کا باضابطہ مطالعہ انھوں نے کبھی نہیں کیا تھا۔ عالم، پنڈت، مولوی جوان تمام مقدس کتابوں کے ماہر تھے۔ باباکے پاس آکران مقدس کتابوں کی تشریح اور اصلی مقصد جاننے کے لیے آتے تھے۔

پہچاننے کی طاقت دیتا ہے۔ سائی شکتی کی کہانیاں پڑھ کر ان پر وشواس کریں۔ اور اس جھوٹے سنسار کی زنجیروں سے آزاد ہو جائیں۔ ہمیں ست گورو ناتھ کے فضل و کرم سے پورا فائدہ اٹھانا چاہیے۔ ان کی راہ لینے سے کامیابی حاصل ہوتی ہے۔ پوری احتیاط سے نگاہ ہمیشہ اپنی منزل پر رکھنی چاہیے۔ ست گورو کی عبادت کرنا ہی ہماری کامیابی کا راز ہے۔ بھگت جتنی زیادہ روحانی دولت کو سنبھال کر رکھے اتنا ہی زیادہ اس کا ذخیرہ اس دولت سے بھرتا جائے گا اس لیے ایسا ماحول پیدا کرنا چاہیے۔

متبرک کتاب کو چھو کر دینا

گذشتہ ابواب میں سائی بابا کے ان طور طریقوں کا ذکر کیا گیا ہے جو وہ درس و تدریس کے سلسلے میں اپنایا کرتے تھے۔ اس باب میں ہم ان کے صرف ایک پہلو پر بحث کریں گے۔ یہ بھگتوں کا طریقہ تھا کہ وہ بابا کے پاس مذہبی کتابیں خصوصی مطالعے کے لیے لے جاتے اور پھر انھیں بابا کے ہاتھوں چھو کر پاک ہو جانے پر واپس بھی لیتے۔ ان کتابوں کو روز پڑھتے ہوئے وہ محسوس کرتے کہ بابا ان کے ساتھ ہیں۔ ایک بار کا کا مہاجنی ایک ناتھی بھاگوت کے ساتھ شرڈی آئے۔ اس کتاب کو پڑھنے کے لیے شاما بھی مسجد میں آ گئے۔ وہاں بابا نے وہ کتاب کا کا سے لے لی اسے چھوا اور پھر ادھر ادھر سے ورق گردانی کرنے کے بعد اسے واپس لوٹاتے ہوئے کہا کہ کتاب شاما کے پاس رکھو۔ جب شاما نے کہا کہ یہ کتاب کا کا مہاجنی کی ہے اور اسے واپس لوٹانی ہے تو بابا نے منع کرتے ہوئے کہ "نہیں نہیں یہ کتاب چوں کہ میں نے تمہیں دی ہے اس لیے بہتر ہے کہ اسے کسی محفوظ جگہ پر رکھو۔ یہ تمہارے کام آئے گی" اس طرح بہت سی کتابیں بابا نے شاما کی تحویل میں دے رکھی تھیں۔ کا کا مہاجنی چند دنوں بعد اس کتاب کی دوسری جلد کے ساتھ آیا اور اسے بابا کے ہاتھوں میں دیا۔ تب بابا نے اسے تبرکا دیتے

بیسواں باب

علم عناصر اور عالموں تک افضل رسائی

وشنو سہسر نام کی مہما

[اس باب میں بتایا گیا ہے کہ شری سائی بابا کس طرح اپنے بھگتوں کو گیان کے لیے دھارمک کتابیں اپنا ہاتھ لگا کر پڑھنے کے لیے دیتے تھے۔]

ابتدائیہ

فقراء ہدایت کرتے ہیں کہ دنیا میں آنے کا پورا فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ انسانی جامہ بڑی قسمت سے ملتا ہے۔ یہ مالک سے وصال کر کے حیات و موت کے قید خانے سے آزاد ہونے کا سنہرا موقع ہے۔ دنیا میں اپنے اعمال کا حساب چکاتے ہوئے ہمیں اپنے ست گورو سے لگاؤ رکھنا چاہیئے اور ست گورو کے عشق میں محو رہنا چاہیئے۔ ست گورو ہی ہماری کائنات کا مالک ہے۔ اس لیے اس کو حاصل کر کے ہمیشہ کے لیے ہمیں منزل مقصود مل سکتی ہے۔

جب کوئی بھی آدمی سیدھا سمندر میں کود پڑتا ہے اس سے ہر تیر تھ میں نہانے کا ثواب ملتا ہے۔ اسی طرح جب کوئی آدمی اپنے ست گورو کے چرنوں کا سہارا لیتا ہے اس کو اس قدر ہی فائدہ ملتا ہے جیسے کسی آدمی کو برہما وشنو اور مہیش کا جپ دن رات کرنے سے ملتا ہے۔ شری سائی بابا کا گیان سمندر ہے۔ اس میں شکتی ہے کہ وہ خود کو

کنویں میں چھلانگ مارے گا۔ اتنی دیر مین اس کا گورو مہاراج ساکشات پر کٹ ہوا اور اس کو بچالیا۔ اور کہا یہ جو مصیبتیں اور لاچاری ہے یہ تمہارے پچھلے جنموں کا بندھن ہے۔ جب تک تم ان بندھنوں سے آزاد نہ ہو جاؤ گے تب تک یہ تم کو بھگتنا پڑیں گی۔ اور اگر کچھ باقی رہ بھی جائے گا تو تمہیں اگلے جنم میں چکانا ہوگا۔ اس طرح اگر تم خودکشی کرو گے تو تمہیں جنم جنم کے پاپ چڑھ جائیں گے۔ تو آپ ایک کام کیوں نہیں کرتے ہو کہ تم اسی جنم مین اپنا انجام صاف وشفاف رکھو گے اور اگلے جنم کے لیے خوشی سے رہ سکو گے۔ اس طرح امبیڈکر کے والدین الوک مہاراج کے پوجاری تھے۔ بابا چاہتے تھے کہ امبیڈکر بھی ان کی پوجا کرتا رہے۔ جب وہ سرکاری ملازم تھا تو اس وقت وہ اپنے پرم پتا گورو کی پوجا کرنا بھی بھول گیا تھا۔ اور اپنی مستی میں زندگی گذارتا تھا۔ ان کے والد کے گورو کو کبھی آداب نہ کیا تھا اسی طرح یہی حال امبیڈکر کا بھی ہوا تھا جب کتاب کا ورقہ بند کیا گیا تو اس میں ایک گیان کی روشنی نظر آئی اور اس کی نظر کھل گئی۔ تب سے اس نے بابا کا دامن پکڑ لیا۔ اور اس کی زندگی میں ایسا مقام آیا کہ وہ دوسرے آدمیوں سے امیر بن گیا۔ اس طرح زندگی کا باقی حصہ بڑی شان وشوکت سے گذارا اور بابا کو اپنا ست گورو مان لیا۔ سچدانند ست گورو سائی ناتھ کی جے۔

دوسرے دن جب وہ بابا سے اپنا گورو اپدیش مانگنے گیا تو بابا بولنے لگا۔ یہ دنیا ہمارا اصلی گھر نہیں ہے۔ یہ ایک میدانِ عمل (کرم بھومی) ہے۔ کرموں کا کھیت ہے۔ ہم اپنے اعمال کا لین دین بے باق کرنے کے لیے یہاں آتے ہیں۔ جو بھی کچھ آنکھوں سے نظر آرہا ہے وہ سب کچھ عارضی اور فانی ہے۔ چاہے ساری زندگی دنیاوی چیزیں اکٹھی کرنے میں صرف ہو جائے۔ آخری وقت دنیا کی کوئی بھی چیز کبھی کسی کے ساتھ نہیں جاتی۔ ساتھ اگر جاتی ہے تو اپنے گورو کی کرپا۔ وہی ان کی سچی دوستی۔ صرف اپنے گورو کے ساتھ رابطہ رکھنا چاہیئے۔ ان کی طرف ہی متوجہ ہونا چاہیئے۔ اور اس سے ہی وصال کی تڑپ ہونی چاہیئے۔

فائدہ ہو گا۔اس طرح ان سب کو بابا نے آشیر واد دے دیا اور جانے کے لیے اجازت دے دی۔

گوپال راؤ امبیڈکر کی کہانی

شری گوپال نارائن امبیڈکر پونا میں رہتا تھا اور بابا کا پکا بھگت تھا۔ اس نے عمر بھر سرکاری محکمہ تحصیل میں کام کیا تھا۔ تحصیل ڈسٹرکٹ جوہر میں ہے۔ وہاں کے دفتر سے وہ ریٹائر ہو گیا۔ اس نے کوئی دوسرا کام کرنے کی کوشش کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہوا۔ اس کو نوکری چھوٹنے کے بعد بہت سی مصیبتیں آئیں۔ وہ جگہ جگہ نوکری کی تلاش میں بھٹکتا رہا۔ اس طرح اس کی مالی حالت دن بہ دن خراب ہونے لگی۔ اس طرح وہ سات سال بھٹکتا رہا وہ شرڈی ہر سال جاتا تھا اور اپنے گلے شکوے بابا سے کرتا تھا۔ 1867 سن کی بات ہے کہ نارائن امبیڈکر کی مالی حالت بہت خراب ہو گئی۔ اس نے ارادہ کیا کہ وہ شرڈی میں جاکر خودکشی کرے گا۔ اس طرح وہ اپنی بیوی کے ساتھ آیا اور دو مہینے رہنے کا فیصلہ کیا۔ ایک رات اس نے کنویں کی طرف رخ کیا۔ چھلانگ لگانے کی کوشش کی۔ یہ کنواں دیکشت کے واڑا کے نزدیک تھا۔ نارائن امبیڈکر کی مرضی ایسا کرنے کی تھی لیکن بابا کی اور ہی کچھ مرضی تھی۔ دکشت کے واڑا کے پاس جو کنواں تھا اس کے پاس ایک ہوٹل تھا۔ جس وقت نارائن امبیڈکر نے خودکشی کرنے کی کوشش کی اسی وقت اس ہوٹل کا مالک جس کا نام سوگن تھا وہ بھی بابا کا بھگت تھا۔ اس نے امیڈکر کو پکڑا اور اپنے گھر لے گیا اور اس نے امبیڈکر کو کہا کیا تم نے اکل کوٹ مہاراج سنت کی زندگی کی کہانی سنی ہے۔ اس نے ایک کتاب نکالی اور امبید کر کو کہا۔ اس کا ایک باب پڑھو۔ کتاب کھولی۔ قدرتی وہ ورقہ نکل آیا اور اس میں کہانی اس طرح لکھی تھی۔ ایک دفعہ ایک آدمی بیماری لاچاری سے بہت تنگ آیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ وہ خودکشی کرے گا اور

ہے۔ دوسرے دن وہ اپنے بچے اور بیوی کو لے کر شرڈی پہنچ گیا۔ وہ سیدھا دوارکا مسجد میں داخل ہوا جہاں بابا موجود تھے۔ ڈنڈوت پرنام کر کے اس مرگی والے بچے کو بابا کے سامنے ڈال دیا۔ بابا نے اس بچے کو اس طرح نظر ماری کہ بچہ اچانک بے ہوش ہو گیا اور مرگی آنی شروع ہو گئی۔ اس بچے کی ماں جو مسجد کے کھمبے کے کونے میں بیٹھی تھی اس طرح روئی جیسے برسات ہو رہی ہو۔ بابا نے اس عورت کو بلایا اور کہا اماں ادھر آؤ، تم اس بچے کی والدہ ہو غمگین مت ہو۔ بابا کا یہ حوصلہ دیکھ کر والدین پر اور بھی کا عالم طاری ہو گیا۔ اس طرح اتنی دیر میں بابا نے ان کو کہا۔ بچے کو اپنے واڑہ میں لے جاؤ اور اس مٹکے کا پانی جو کہ مسجد کے کونے میں پڑا ہے، اُس کو اوپر ڈال دو۔ بچے کو آدھے گھنٹے کے بعد ہوش آئے گا۔ فکر کی کوئی بات نہیں۔ جب پتلے بچے کو واڑہ لے گیا اور ایسا ہی کیا جیسا بابا نے کہا تو پورے آدھے گھنٹے کے بعد بچہ ہوش و حواس میں آ گیا۔۔ اس طرح پتلے خاندان کو یقین ہو گیا۔ بچے کو اب دودھ وغیرہ پلا کر اس کو پھر بابا کے پاس لائے۔ جب وہ مسجد میں داخل ہوئے تو پتلے کی گھر والی سیدھی بابا کے پاس آ گئی اور بابا کے پیر کو دباتی ہوئی بولی۔ بابا اس بچے کو ہم کیا کریں گے۔ بابا بولنے لگے۔ ایشور پر بھروسہ کرو اللہ مالک ہے وہ سب کی بھلائی کرے گا۔ بابا نے اپنی دھونی سے اُودی اٹھائی اور بچے کے ماتھے پر لگادی اور مرگی ختم ہو گئی۔ ہریش چندر پتلے بہت امیر بھی تھا شریف زادہ تھا اور سیدھا سادہ آدمی تھا۔ اس نے کچھ میوہ جات لائے تھے۔ بابا کے سامنے رکھ دئے۔ بابا نے کہا ان کو مسجد کے سب لوگوں میں تقسیم کرو۔ پتلے کی گھر والی بابا سے باطن میں صرف رحم کی نظر مانگتی تھی۔ بابا کے پاس جو جاتا تھا۔ خاص کر وہ بھگت جو سچی بھگتی سے جاتا تھا۔ وہ کبھی خالی نہیں لوٹتا تھا بابا نے ہریش چندر پتلے کو کہا۔ یہ تین روپے لے لو۔ اس سے پہلے میں نے آپ کے گھر میں دو روپے دیئے تھے۔ اپنے ٹھاکر دوارے میں رکھو۔ وہ جو دو روپے دیئے تھے آپ کے کسی آدمی نے وہ خرچ کیے یا چوری ہو گئے۔ اور ان روپیوں سے تم کو

پنت جب مسجد میں داخل ہوا تو بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔ اس کی سنگت کے لوگ بہت پریشان ہو گئے۔ بابا کہنے لگا اس مٹکے سے پانی نکالو اور اس کے منہ پر چھینک دو۔ سنگت نے ایسا ہی کیا اور بھگت پنت کو ہوش آ گیا۔ ایسا ہوش میں آیا جیسا ابھی نیند سے بیدار ہوا ہو۔ بابا نے جو ہر چیز کو جانتا تھا اس بھگت پنت کو بلایا اور کہا جب ایک گورو تم کو سہارا دیتا رہا تو میرا سہارا لینے کی کیا ضرورت تھی۔ جب بھی کوئی مصیبت آئے یا مدد کی ضرورت ہو تو اپنے گورو کو ہی بلاؤ۔ اگر تم نے عمر بھر اپنے گورو پر بھروسہ کیا اور ہر وقت اس نے تمہاری مدد کی تو شرڈی میں کیا لینے آئے ہو۔ اس طرح بھگت پنت کو یقین ہو گیا کہ بابا انتریامی ہیں۔ اور تب سے اسے بابا پر اعتماد پیدا ہو گیا۔ بابا اُس سے کہنے لگا سنو پنت ہماری بنیادی بناوٹ اتنی ہی پاک ہے جتنی آپ کے گورو کی۔ جیسے سونے کا ٹکڑا بھی سونا ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم اس مالک کے چھوٹے چھوٹے ذرے ہیں۔ اسی لیے خوبی کے لحاظ سے ہم اتنے ہی اچھے ہیں جتنے آپ کے گورو۔ ہماری کیمیاوی بناوٹ ایک ہے۔

ہریش چندر پتلے

ہریش چندر نامی ایک آدمی بمبئی میں رہا کرتا تھا اس کا بچہ تھا جس کو مرگی کی بیماری لگی تھی۔ اس بیماری کے علاج کے لیے اس نے بہت سے آیورویدک اور ہومیو پیتھک ڈاکٹروں سے مشورہ اور علاج کرایا۔ لیکن کوئی اس بیماری کو ٹھیک نہ کر سکا۔ اس کے پاس صرف ایک ہی درشٹی نظر آئی کہ وہ شرڈی جائے اور بابا سے التجا کرے۔ پچھلے ابواب میں ہم نے داس گنو کے کیرتنوں اور بھجنوں کا ذکر کیا تھا۔ ہریش چندر پتلے جو بمبئی کا رہنے والا تھا ایک دن داس گنو کا کیرتن سن رہا تھا، جس میں بابا کی لیلا اور انتریامی ہونے کا کا ذکر تھا۔ اس طرح بابا کی شہرت پوری پھیل گئی تھی۔ 1910ء کا واقعہ ہے کہ ایک صبح جب اس کے بچے کو مرگی آ گئی تو اس نے فیصلہ کیا کہ اب صرف بابا ہی اس کو بچا سکتا

باباایسے سنت تھے کہ ان کو انسان کی دردناک حالت کا علم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ لوگ مادیت کے فریب اور لاعلمی کا شکار ہوتے ہیں۔ اس لیے وہ دنیا کی اصلیت بیان کرتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ دنیاوی کھیل تماشے ہیں۔ اس خالق کا کھیل ہے۔ یہ کھیل ایک خواب ہے جس کی کوئی اصلیت یا حقیقت نہیں ہے۔ بابا بھی اس کھیل سے قدر بندھے ہوئے تھے کہ وہ اپنے بھگتوں کی خدمت میں ہی لگے رہتے تھے۔ بابا فرماتے تھے انسان کا سب سے خطرناک دشمن من ہے لیکن یہ سب سے وفادار نوکر بھی ہے۔ من منہ زور ہو کر ہاتھ سے نکل جائے تو تباہی کا سبب بنتا ہے۔ اس کو بیدار کر کے بس میں کر لیا جائے تو یہ بہت زیادہ فائدہ پہنچا سکتا ہے۔ بابا فرماتے تھے کہ نجات کا پہلا قدم من کو دوست بنانا ہے۔

بھگت پنت کی کہانی

ایک بھگت جس کا نام پنت تھا جو کہ ایک دوسرے گورو کا چیلہ تھا خوش نصیبی سے ایک بار شرڈی گاؤں میں آیا۔ اس کو شرڈی جانے کا کوئی خیال نہیں تھا۔ لیکن جس طرح ایک بندہ سوچتا ہے ویسا ہوتا نہیں۔ وہ ایک ریل گاڑی میں سفر کر رہا تھا۔ اس گاڑی میں اس کے بہت سے دوست اور رشتہ دار مل گئے جنھوں نے شرڈی جانے کا پروگرام بنایا ہوا تھا۔ ان سبھی نے اس پر زور ڈالا کہ تم بھی ہمارے ساتھ شرڈی چلو۔ حالانکہ اس کی چاہت شرڈی جانے کی تھی تاہم اپنے گورو کی اجازت کے بغیر شرڈی جانے سے انکار کیا۔ اتنی دیر ریلوے اسٹیشن وِرار آیا اور پنت اسٹیشن پر اترا جہاں اس کا گورو تھا۔ پنت اپنے گورو کے پاس گیا اور شرڈی جانے کی اجازت مانگی۔ کچھ خرچہ پانی جمع کرنے کے بعد وہ شرڈی اپنی سنگت کے ساتھ چلا۔ دوسرے دن وہ صبح سویرے شرڈی پہنچ گیا اور منہ ہاتھ دھو کر نزدیک صبح گیارہ بجے مسجد شریف میں داخل ہوا۔ وہاں سب لوگ بابا کی پوجا کر رہے تھے۔ اور وہ سنگت بھی جو اس کے ساتھ پہلے ہی وہاں پہنچ گئی تھی۔ بھگت

انیسواں باب

کچھ اور بھگتوں کی کہانیاں

(1) بھگت پنت(2)ہرش چندر پتلے اور گوپال امبیڈکر کی کہانیاں

ابتدائیہ

اس جہاں میں ہم جو کچھ دیکھتے ہیں وہ سب مایا کا کھیل ہے جو خدایا بھگوان کی تخلیقی قوت ہے۔ یہ اشیادراصل وجود نہیں رکھتیں۔ جو وجود رکھتا ہے وہ حقیقی قادرِ مطلق ہے۔ جس طرح اندھیرے میں ہم رسی کو سانپ سمجھ لیتے ہیں اسی طرح ہم اشیا کی وہی صورتیں دیکھتے ہیں جیسے وہ بظاہر نظر آتی ہیں اور اس صورت کو نہیں جو نظر آنے والی ہر شے کے اندر موجود ہوتی ہے۔ یہ صرف سدگورو ہی ہے جو ہماری بصیرت کی آنکھ کو کھول کر ہمیں اس قابل بناتا ہے کہ ہم اشیا کو حقیقت کی روشنی میں دیکھیں نہ کہ جیسی وہ بظاہر نظر آتی ہیں۔ اس لیے آیئے ہم سدگورو کی عبادت کریں اور دعا مانگیں کہ وہ ہمیں سچی اور صحیح بصیرت عطا کریں جو خدا کے جلوے سے دوچار ہونے کے سوائے اور کچھ نہیں ہے۔

اندرونی پوجا

ہیماڈ پنت نے ہمیں پوجا کرنے کا ایک انوکھا طریقہ بتایا ہے وہ کہتا ہے کہ ہمیں دِل کی گہرائیوں سے اپنے ست گورو کی پوجا کرنی چاہیئے۔ ان کی صورت کا دھیان کرنا چاہیئے۔ ان کے شریر پر چندن گھول کر لگادینا ان کے شریر پر اپنے یقین کا کپڑا لگانا بھی سچی بھگتی ہے۔

کریں گے۔ بحث مباحثے کی ہماری عادت اور گناہ کو قطعی طور پر ختم کریں۔ ہماری زبان کو اپنا نام رد کرنے کا جوش و جذبہ عطا کریں۔ ہمارے اچھے یا برے خیالات کو باہر نکال دیں۔ ہمیں اس قابل بنائیں کہ ہم اپنے جسموں اور مکانوں کو فراموش کر دیں۔ ہماری انا کو ختم کریں۔ اس قابل بنائیں کہ ہم ہمیشہ آپ کا نام یاد رکھیں اور دوسری سب اشیا بھول جائیں۔ ہمارے من کی بے قراری کو دور کریں اور اسے پر سکون بنائیں۔ اگر آپ ہمیں صرف چھو دیں تو رات کی تاریکی اور جہالت کا اندھیرا دونوں چھٹ جائیں گے اور ہم آپ کی روشنی میں خوشی سے زندگی گزاریں گے۔ یہ آپ کی عظمت اور مہربانی ہمارے پچھلے اچھے کرموں کا پھل ہے کہ ہمیں آپ کی لیلاؤں کا امرت پینے کی سعادت نصیب ہوئی۔

کوئی امکان نہیں ہے۔ لیکن اسے بابا پر بڑا بھروسہ اعتماد تھا۔ پارسل ملنے کے دو گھنٹے کے بعد جب وہ شرڈی بابا کی عبادت کرنے کے لیے گیا تو بابا نے اس سے کہا: دوسرے لوگ اگرچہ آموں کی تلاش میں ہیں پر وہ دامو کے ہیں۔ وہ جس کے ہیں وہی اسے کھا کر مرے گا۔ یہ الفاظ سن کر دامو کو پہلے شدید صدمہ ہوا لیکن شرڈی کے ایک بھگت جس کا نام مہالساپتی تھا نے اسے بتایا کہ موت کا مطلب جھوٹی انا کی موت تھا ور بابا کے قدموں میں بیٹھ کر پھلوں کو کھانا ایک سعادت تھی۔ اس نے کہا کہ وہ پھل ر قبول کر کے کھا جائے گا۔ لیکن بابا نے اس سے کہا: انھیں تم نہ کھانا بلکہ اپنی چھوٹی بیوی کو دینا۔ یہ آم کی لیلا یعنی چار آموں کا کرشمہ اس کے ہاں چار بیٹے اور چار بیٹیاں پیدا کرے گا" ایسا ہی کیا گیا اور ضروری وقت گزرنے کے بعد بابا کے الفاظ درست ثابت ہوئے، نہ کہ نجومیوں کے۔

دعائے خیر

ہیماڈ پنت اس باب کو اس ایک دعا کے ساتھ ختم کرتا ہے: سائی سد گورو، آپ بھگتوں کو خواہشات کا ہر میوہ دینے والے درخت کی مانند ہیں۔ ہم دعا کرتے ہیں کہ ہم آپ کے قدموں سے نہ تو کبھی اپنی نگاہیں ہٹائیں اور نہ انھیں فراموش کریں۔ ہم اس سنسار میں جینے اور مرنے کی صعوبتوں، تکلیفوں سے بار بار گزرتے ہیں۔ اب ہمیں جنم لینے اور مرنے کے اس چکر سے نجات دیں۔ ہمیں خارجی اشیا سے ہٹا کر اپنے اندر کی دنیا میں جھانکنے کے قابل بنائیں۔ اپنے وجود، اپنی آتما کے سامنے کھڑا کریں۔ جب تک حواس کو بیرونی دنیا کی اشیا کی طرف توجہ دینے سے ہٹایا نہیں جاتا اور اس کا رخ اپنی ذات، اپنی آتما کی طرف موڑا نہیں جاتا تو خود کو پایا نہیں جا سکتا۔ کوئی بیٹا، کوئی بیوی یا کوئی دوست آخر میں کام نہیں آئے گا۔ یہ صرف آپ ہی ہیں جو ہمیں نجات اور خوشی عطا

اس بیوپار میں اس کی مدد کریں تو وہ منافع کا کچھ حصہ بابا کی نذر بھی کرے گا۔ داموانا راز داری سے ان ساری باتوں کے بارے میں سوچ رہا تھا لیکن بابا سے کچھ بھی چھپا نہیں تھا۔ ماضی، حال، مستقبل سب بابا کے سامنے اسی طرح عیاں تھے جس طرح ہاتھ میں آملا کا پھل ہو۔ بچہ مٹھائی مانگتا ہے لیکن ماں اسے کڑدی گولی دیتی ہے۔ میٹھے سے اس کے دانت خراب ہو جاتے ہیں جب کہ کڑوی گولی سے وہ مضبوط ہوتے ہیں۔ چنانچہ ماں بچے کی فلاح کے لیے اسے کڑوی گولی کھانے پر مجبور کرتی ہے۔ بابا ایک ماں کی طرح اپنے بھگتوں کے حال اور مستقبل کے امکانات کے بارے میں سب کچھ جانتے تھے۔ چنانچہ داموانا کے من کی حالت کو جان کر انھوں نے اس سے کھلے انداز میں بات کی۔ "باپو میں اس طرح کی جھنجھٹ میں خود کو پھنسانا نہیں چاہتا ہوں" بابا کی بات کو سن کر دامو نے بیوپار کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

آم کی لیلا

ایک دفعہ تین سو آموں کا ایک پارسل شرڈی میں وصول کیا گیا۔ یہ گوا کے ایک معاملت دار جس کا نام "رالے" تھا نے شاما کی معرفت بابا کے لیے بھیجا تھا۔ جب یہ کھولا گیا تو سارے آم بالکل ٹھیک حالت میں پائے گئے۔ ان سب کو شاما کی تحویل میں دے دیا گیا چار کے سوائے جنھیں بابا نے برتن میں رکھ لیا۔ انھوں نے کہا یہ چار پھل داموانا کے لیے ہیں۔ انھیں اس میں رہنے دیا جائے۔

اس داموانا کی تین بیویاں تھیں۔ اس کے اپنے بیان کے مطابق اس کی تین نہیں دو بیویاں تھیں۔ اس کے کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے بہت سے نجومیوں سے مشورہ کیا بلکہ خود بھی نجوم میں دست گاہ پیدا کی جس سے اسے معلوم ہوا کہ اس کے ٹیوے میں ایک ایسا نحس سیارہ ہے جس کی وجہ سے اس کے ہاں کم سے کم اس جنم میں اولاد ہونے کا

میں بابا سے مشورہ کرنے کے لیے کہا۔ شاما کو دوسرے دن خط مل گیا۔ چنانچہ اس نے دوار کا مسجد جا کر خط بابا کے سامنے رکھ دیا۔ بابا نے اس سے خط کے بارے میں دریافت کیا اور یہ بھی کہا کہ آس پاس میں کیا لکھا ہے۔ اس نے بابا کو بتایا کہ یہ ناگر کے رہنے والے ایک شخص دامودر انا کا خط ہے جو آپ سے کچھ مشورہ کرنا چاہتا ہے۔ بابا نے پھر پوچھا کہ وہ کیا لکھتا اور کیا چاہتا ہے۔ لگتا ہے اس سے اس کی تشفی نہیں ہوئی ہے جو خدا نے اسے دے رکھا ہے۔ وہ آسمان کو چھونا چاہتا ہے، چلو اس کا خط پڑھو۔ تب شاما نے کہا کہ خط میں وہی باتیں ہیں جن کا ذکر آپ نے کیا ہے۔ اودیوا، آپ یہاں خود خاموش اور مطمئن بیٹھے ہوئے اپنے بھگتوں کو تحریک دیتے رہتے ہیں اور جب وہ پریشان ہو جاتے ہیں تو آپ کچھ کو یہاں بہ نفس نفیس بلوا لیتے ہیں اور کچھ سے خط لکھواتے ہیں۔ جب آپ سب کچھ جانتے ہیں تو پھر خط پڑھنے کے لیے کیوں کہہ رہے ہیں۔ بابا نے اس پر پھر خط پڑھنے کی درخوات کی۔

تب شاما نے خط پڑھا جسے بابا نے بڑی توجہ سے سن کر کہا "داموانا پاگل ہو گیا ہے۔ اسے جواب میں لکھو کہ اس کے گھر میں کسی چیز کی کمی نہیں ہے اس لیے اسے آدھی روٹی میں خوش رہنا چاہئیے اور لاکھوں کے لیے پریشان نہیں ہونا چاہئیے۔ شاما نے اسی طرح خط کا جواب لکھا جس کا شدت سے دامو منتظر تھا۔ اسے پڑھ کر اسے یوں لگا کہ لاکھوں روپے کا منافع کمانے کی اس کی ساری امیدوں پر پانی پھر گیا ہے۔ اس نے سوچا کہ بابا سے مشورہ کر کے اس نے غلطی کی ہے۔ لیکن جیسا کہ شاما نے اسے لکھا تھا کہ دیکھنے اور سننے میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ اس لیے اسے شرڈی آکر خود بابا سے ملنا چاہئیے۔ چنانچہ اس نے مناسب سمجھا کہ وہ شرڈی جا کر خود بابا سے مشورہ کرے۔ چنانچہ اس نے شرڈی آکر بابا کو سر جھکا کر سلام کیا۔ پھر ان کی ٹانگیں دھونے لگا۔ اس میں ہمت نہیں ہو پا رہی تھی کہ بابا سے اس موضوع پر بات کرے لیکن اس نے دل میں سوچا کہ اگر بابا

طرح ہے جس سے سائی بابا کی لیلاؤں کی شکل میں امرت ٹپکتا ہے تاکہ قارئین اسے اپنی ضرورت کے مطابق پی کر تسکین حاصل کریں۔ جب بھی کسی بھگت نے پوری یکسوئی اور دل جمعی سے خود کو بابا کے لیے وقف کیا تو اس کی ساری مصیبتوں کا ازالہ ہو گیا اور بابا اس کی بھلائی اور بہتری کا خاص خیال رکھنے لگے۔ اس کی وضاحت کے لیے نیچے احمد نگر (اب پونے) کے داموانا کی کہانی پیش کی جاتی ہے۔

داموانا

قارئین جانتے ہیں کہ اس شریف آدمی کا ذکر ہم نے پچھلے باب میں شرڈی میں رام نومی کا تہوار منانے کے حوالے سے پہلے ہی کیا ہوا ہے۔ وہ شرڈی 1895ء میں اس وقت گیا جب وہاں رام نومی کا تہوار منایا جارہا تھا اور اس دن سے لے کر آج تک وہ ہر سال اس موقعے کو منانے کے کے لیے ایک نمائشی جھنڈا فراہم کرتا رہا ہے۔ وہ ان فقیروں اور غریبوں کو کھانا بھی کھلاتا ہے جو وہاں اس تہوار کو منانے کے لیے آتے ہیں۔ یہ واقع 1895ء کے فوراً بعد کا ہے اور اصل کتاب، کی طرح یہاں بھی "حال" میں بیان کیا جارہا ہے۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ داموانا کے ایک دوست جو بمبئی میں رہتے تھے نے داموانا کو خط لکھا کہ وہ اس سے مل کر روئی کا کاروبار کرنا چاہتا ہے، جس میں کم از کم دو لاکھ کا منافع ہونے کا امکان ہے۔ روئی کا کاروبار کرنے کی تجویز ایک دلال نے پیش کی تھی جس نے یہ بھی بتایا تھا کہ اس کا بیوپار خوب تھا اور اس میں کسی طرح کا خطرہ نہیں تھا۔ اس لیے اس موقع کو ضائع نہیں کیا جانا چاہیے۔ داموکی حالت ڈانواں ڈول سی تھی۔ وہ فیصلہ نہیں کر رہا تھا کہ کیا کرے کیا نہ کرے۔ اس نے کافی دیر تک اس بارے میں غور و خوض کیا اور چونکہ سائی بابا کا بھگت تھا اس لیے اس نے شیاما کو ایک مفصل خط لکھ کر اس بارے

باب اٹھارہواں

احمد نگر کا دامولنّا کاسار

(1)تصورات (2)آم کی لیلا

ابتدائیہ

ہم اس باب کا آغاز اپنے آٹھوں انگوں سے بابا کے سامنے سر جھکا کر کرتے ہیں جو رحم کا سمندر، بھگوان کا اوتار اور برہما اور عظیم یوگیشور کے برابر ہیں۔ سائی بابا کی جے ہو۔ جو سنتوں کے تاج کا موتی اور تمام مبارک اشیا کا مسکن، ہمارے آتمارام اور بھگتوں کی قابلِ تعظیم پناہ گاہ ہیں۔ ہم ان کے سامنے سجدہ کرتے ہیں جنھوں نے زندگی کے مقاصد اور اس کی آخری منزل تک رسائی حاصل کرلی ہے۔

سائی بابا ہمیشہ رحم سے پُر ہوتے ہیں۔ ہم سے جس بات کی توقع کی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ پوری طرح ان سے لو لگائیں۔ جب ایک بھگت کو ان پر پورا بھروسا، اعتماد اور ایمان ہو تو اس کی ساری خواہش جلد پوری ہو جاتی ہیں۔ جب ہیماڈ پنت کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بابا کی زندگی اور ان کی لیلاؤں کے بارے میں لکھے تو بابا نے یہ کام اس سے فوراً پورا کرالیا۔ جب ہیماڈ پنت کو ایسا کرنے کا حکم دیا گیا تو اسے بڑی تحریک ملی اور اس کی ذہانت کو مزید تقویت اور کام کرنے کا حوصلہ ملا۔ وہ یہ کام کرنے کے قابل نہیں تھی لیکن بابا کی دعاؤں سے اسے اس کام کو مکمل کرنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ کے ہاتھ میں یہ کتاب "ست چرتر" ہے جو ایک ایسی بوٹی کی

دوسرے بھگتوں کے کام میں دخل نہ دینا چاہیئے اور انھیں اپنے طریقے سے بابا کی خدمت کرنے دینا چاہیئے ۔ کیوں کہ وہ جانتے تھے کہ کس کی خدمت کی کتنی قدر و منزلت کی جانی چاہیئے۔

زور اور تیزی سے مالش کرتے ہوئے دیکھ کر سب لوگ جو وہاں موجود تھے بہت پریشان ہوئے۔ انھوں نے موسی سے کہا:

"ماں تھوڑے دھیرے اور احتیاط سے مالش کرو ورنہ تم بابا کی شریانوں اور ناڑیوں کو توڑ دو گی" اس پر بابا یک لخت اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے سٹکے کو انھوں نے زمین میں گاڑھ دیا۔ انھیں بہت غصہ آیا جس سے ان کی آنکھیں دھکتے انگارے کی طرح سرخ ہو گئیں۔ کسی میں اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ بابا کے سامنے کھڑا ہو کر ان کا سامنا کرے۔ تب انھوں نے اپنے سٹکے کے ایک سرے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کے اسے زور سے اپنے پیٹ میں لگایا۔ دوسرے سرے کو انھوں نے ایک ستون سے ٹکا کر اسے پیٹ پر دبانا شروع کیا۔ سٹکا جو لمبائی میں تین فٹ کے برابر تھا یوں لگ رہا تھا جیسے وہ سارا پیٹ میں گھس گیا ہو۔ چنانچہ جو لوگ وہاں سب دیکھ رہے تھے انھیں یقین ہو گیا کہ بابا کا پیٹ جلد ہی پھٹ جائے گا۔ ستون تو غیر متحرک تھا پر بابا اس کے قریب سے قریب تر ہوتے چلے گئے۔ یہاں تک کہ انھوں نے اسے بڑی مضبوطی سے پکڑ لیا۔ بابا کا پیٹ کسی بھی لمحے پھٹ سکتا تھا جس کی وجہ سے وہاں موجود سب لوگ مایوس ہو گئے۔ انھیں پتہ نہیں چل رہا تھا کہ وہ کیا کریں۔ اس لیے وہ حیرت اور خوف سے گونگے کھڑے کے کھڑے دیکھتے رہ گئے۔ بابا نے اپنے بھگتوں کے لیے اس تکلیف کو برداشت کیا۔ دوسرے بھگت موسی بائی کو صرف ایک اشارہ کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ آہستہ اور احتیاط سے مالش کرے تاکہ بابا کو کوئی تکلیف یا درد وغیرہ نہ ہو۔ ہر کام انھوں نے نیک نیتی سے کیا لیکن بابا نے اسے بھی برداشت نہ کیا۔ انھیں شدید حیرانی تھی کہ ان کی نیک خواہشات کا انجام کیسا ہوا تھا اور وہ اس کے مداوے کے لیے کچھ نہ کر سکے سوائے انتظار کرنے اور دیکھنے کے۔ خوش قسمتی سے بابا کا غصہ جلد ہی ٹھنڈا ہو گیا اور وہ سٹکا چھوڑ کر اپنی جگہ پر آن بیٹھے۔ اس واقعے کے بعد لوگوں نے یہ سبق حاصل کر لیا کہ انھیں

عورت تھی۔ وہ اس وقت اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو جوڑے ہوئے بابا کے پیٹ کی مالش کر رہی تھی۔ وہ یہ کام اتنے زور سے کر رہی تھی کہ بابا کی پیٹھ اور پیٹ ایک ہو گئے تھے اور ایک پہلو سے دوسرے پہلو کی طرف بار بار حرکت کرتے تھے۔ انا دوسری طرف بالکل متوازن انداز میں کام کر رہا تھا جب کہ موسی بائی کا چہرہ مالش کی ہر چوٹ کے ساتھ اوپر نیچے حرکت کر رہا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ اس کا منہ انا سے بہت قریب آ گیا۔ فطرتاً مزاحیہ ہونے کی وجہ سے اس نے کہا: "اوہ یہ انا بڑا بد کردار انسان ہے۔ یہ میرا بوسہ لینا چاہتا ہے۔ میرے سفید بالوں کو دیکھنے کے باوجود اسے میرا بوسہ لینے میں کوئی شرم محسوس نہیں ہوتی" اس الزام نے انا کو غصہ دلا دیا اور وہ آستین اوپر چڑھا کر بولا۔

"تم یہ کہتی ہو کہ میں ایک بُرا بوڑھا ہوں۔ کیا میں بیوقوف ہوں۔ یہ تم ہی ہو جس نے چھیڑ خانی کر کے جھگڑا شروع کیا ہے اور مجھ سے جھگڑ رہی ہو" وہاں موجود سب لوگ ان کے درمیان ہونے والے جھگڑے سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔ بابا جوان دونوں سے پیار کرتے تھے انھیں پر سکون کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اس صورتِ حال کو بڑی خوش اسلوبی سے سلجھایا۔ بڑے پیار بھرے انداز میں انھوں نے کہا:

"اونا تم کس لیے فضول شور و غل کر رہے ہو۔ مجھے نہیں لگتا کہ ماں کا بوسہ لینے میں کوئی قباحت ہے" بابا کے ان الفاظ کو سن کر دونوں کی تسلی ہو گئی اور سب لوگ جو وہاں موجود تھے وہ بابا کی بذلہ سنجی کی داد دیتے ہوئے ہنس پڑے۔

بابا کے اوصاف اور بھگتوں پر ان کا کرم

بابا ہمیشہ اپنے بھگتوں کو اپنے طور طریقے سے خدمت کرنے کا موقع دیتے تھے اور اس کام میں وہ کسی کی مداخلت کو پسند نہیں کرتے تھے۔ ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ ایک دوسرے موقعے پر یہی موسی بائی بابا کے پیٹ کی مالش میں مصروف تھی۔ اس کو اس قدر

کہ وہ سب کی خبر رکھتے ہیں تو وہ اس طرح عمل نہ کرتے جس طرح انھوں نے کیا۔ وہ اگرچہ بھگوان کرشن کے قریبی دوست تھے لیکن انھیں اسی وجہ سے ساری عمر غربت میں بتانی پڑی۔ لیکن جب بعد میں انہوں نے اپنی بیوی کا دیا ہوا اور محنت سے بنایا ہوا باسی بھات بھگوان کرشن کو پیش کیا تو انھیں بہت مسرت ہوئی اور انھوں نے اسے سونے کا ایک شہر پیش کیا تاکہ وہ اس سے لطف اندوز ہو سکے۔ اس کہانی سے ان لوگوں کو سبق لینا چاہئے جو تنہا کھانے کے عادی ہیں اور جو دوسروں سے مل کر نہیں کھاتے۔

شرتی (مقدس وید) بھی اس بات پر زور دیتی ہے کہ ہمیں پہلے خدا کو بھینٹ دینی چاہئے اور پھر جو اس سے بچے اسے خود کھانا چاہئے۔ بابا نے بھی ہمیں اپنے ناقابلِ تقلید اور مزاحیہ انداز میں یہی سبق دیا ہے۔

اناچنچنی کر بالمقابل موسی بائی

اب ہیماڈ پنت ایک اور مزاحیہ واقعہ پیش کرتا ہے جس میں بابا نے صلح صفائی کرانے کا کردار ادا کیا۔

بابا کے ایک بھگت کا نام دامودر گھنشیام بابرے عرف اناچنچنی کر تھا۔ وہ ایک سیدھا سادا بے باک قسم کا انسان تھا۔ وہ کبھی کسی کی پرواہ نہ کرتا، صاف گوئی سے کام لیتا اور ہر کام نقد انجام دیتا۔ گو وہ بظاہر سخت طبیعت کا مالک اور سمجھوتہ نہ کرنے والا دکھائی دیتا تھا۔ لیکن حقیقت میں وہ فطرتاً اچھا اور دھوکہ نہ دینے والا انسان تھا۔ اسی وجہ سے بابا اس سے پیار کرتے تھے۔ ایک دن دوسروں کی طرح بابا کی خدمت کرتے ہوئے دوپہر کے وقت وہ جھکے ہوئے بابا کے بائیں بازو کو جو ریلنگ پر رکھی تھی دھو رہا تھا۔ وائیں طرف ایک بوڑھی بیوہ وینو بائی کو جلگی جس کو بابا ماں اور دوسرے موسی بائی کہتے تھے اپنے انداز میں بابا کی خدمت کرنے میں مصروف تھی۔ یہ موسی بائی دل کی صاف و پاک

کہانی یاد آگئی جو اسی اصول کی وضاحت کرتی ہے اس لیے اسے یہاں پیش کیا جارہا ہے۔
شری کرشن اور ان کا بڑا بھائی بلرام اپنے ایک ہم جماعتی جس کا نام سداما تھا کے ساتھ گورو سندیپن کے ساتھ آشرم میں رہ رہے تھے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ بھگوان کرشن اور بلرام کو بالن لانے کے لیے جنگل کی طرف روانہ کیا گیا پھر سندیپن کی بیوی نے سداما کو بھی اس مقصد کے لیے روانہ کیا اور ساتھ ہی کچھ چنے بھی تینوں کے لیے بھیجے۔ جب بھگوان کرشن جنگل میں سداما کو ملے تو انھوں نے اس سے کہا۔
''دادا مجھے پیاس لگی ہے پانی چاہیے'' سداما نے فوراً جواب دیا ''خالی پیٹ پانی نہیں پینا چاہیے۔ اس لیے بہتر یہ ہے کہ کچھ دیر کے لیے آرام کرلو'' اس نے یہ نہیں بتایا کہ اس کے پاس چنے ہیں اور کرشن ان میں سے کچھ کھالے'۔ بھگوان کرشن چوں کہ تھکے ہوئے تھے اس لیے وہ سداما کی گود میں سر رکھ کے لیٹ گئے اور تھوڑی دیر میں خراٹے لینے لگے۔ یہ دیکھ کر سداما نے چنے نکالے اور کھانے لگے۔ تب بھگوان کرشن نے اچانک اس سے پوچھا۔
''دادا تم یہ کیا کھارہے ہو؟ اور یہ آواز کہاں سے آرہی ہے'' اس نے جواب دیا یہاں کھانے کو کیا رکھا ہے۔ مجھے تو سردی لگ رہی ہے اور میرے دانت اسی کی وجہ سے بج رہے ہیں۔ میں تو اس وجہ سے وشنو سہسر نام بھی ٹھیک طور پر دہرا نہیں سکتا ہوں۔ اس جواب کو سن کر بھگوان کرشن جو سب کچھ جانتے تھے نے کہا: میں نے ابھی ایک خواب دیکھا ہے جس میں میں نے ایک شخص کو دوسروں کی چیز کھاتے ہوئے دیکھا اور جب اس کے بارے میں دریافت کیا تو وہ کہنے لگا کہ وہ کیا خاک کھائے گا یعنی یہ کہ وہ کچھ نہیں کھارہا ہے۔ تب دوسرے آدمی نے کہا چلو ایسا ہی ہو۔ دادا یہ صرف خواب ہے میں جانتا ہوں کہ تم میرے بغیر کچھ نہ کھاؤ گے۔ میں نے خواب کے زیر اثر یوں ہی تم سے دریافت کیا کہ کیا کھارہے ہو'' اگر سداما کو بھگوان کرشن کے بارے میں یہ معلوم ہوتا

جا تا ہے کہ شے بذاتِ خود اس قابل ہے کہ اس سے لطف حاصل کیا جائے؟ پھر وہ شے جو اس قابل نہیں ہے کہ اس سے لطف حاصل کیا جائے خود بخود ترک کر دی جائے گی اور اس طرح ہمارے برے عادات یا برائیاں غائب ہو جائیں گی اور ہمارا کردار بہتر ہو جائے گا۔ تب گورو کے لیے محبت پیدا ہو گی اور خالص علم پھوٹے گا۔ جب یہ علم پیدا ہو تا ہے تو وجود کے احساس کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور ہماری عقل روحانی شعور میں تحلیل ہو جاتی ہے اور یوں لگتا ہے جیسے ہم صرف روحانی وجود رکھتے ہیں۔ تب ہم کو سکون و طمانیت کی دولت حاصل ہوتی ہے۔ گورو اور خدا میں کوئی فرق نہیں ہے۔ جو ان میں فرق محسوس کرتا ہے۔ اسے خدا کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ چنانچہ تفریق کے سارے خیالات کو ترک کر کے ہمیں خدا اور گورو کو ایک تسلیم کرنا چاہیے اور اگر اس طرح ہم اپنے گورو کی خدمت کرتے ہیں تو اس سے خدا خوش ہو تا ہے اور پھر وہ ہمارے من کو پاک کرتے ہوئے ہمیں ہمارے وجود سے ہم کنار کرتا ہے۔ یعنی ہمیں اپنی ذات سے ہم کنار کرتا ہے۔ مختصراً یہ کہ گورو کو یاد کیے بغیر ہمیں اپنے حواس کے ذریعے اشیا سے لطف حاصل نہیں کرنا چاہیے۔ جب ہمارا من یہ تربیت حاصل کر لیتا ہے تو پھر ہمیں بابا ہمیشہ یاد آتے ہیں اور بابا کے بارے میں ہمارا دھیان زیادہ تیز ہو جاتا ہے۔ تب بابا کی سگن شکل ہمیشہ ہمارے سامنے رہتی ہے اور تب یکسوئی **Nonattachment** اور نجات ہماری ہوتی ہے۔ جب بابا کی یہ ہیئت یا تشبیہ ہماری باطنی آنکھ کے سامنے ہوتی ہے تو بھوک، پیاس یہ دنیا اور دنیاوی لطافتوں کا شعور غائب ہو جاتا ہے اور ہمارا من شانتی اور سکون حاصل کرتا ہے۔

سدا ما کی کہانی

جب مندرجہ بالا کہانی بیان کی جارہی تھی تو ہیماڈ پنت کو اس سے ملتی جلتی سدا ما کی

دانے چباتا ہوا آیا۔ مجھے اس کی عادت کا علم ہے اور یہ دانے اس کا واضح ثبوت ہیں۔ اس میں حیرانی کی کیا بات ہے"

ہیماڈ نے جواب دیتے ہوئے کہا" بابا میں تنہا کچھ کھانا جانتا ہی نہیں پھر آپ کیوں اس بری عادت کا بار میرے کندھوں پر ڈال رہے ہیں۔ میں نے شرڈی بازار کو آج تک نہیں دیکھا پھر میں دال کیسے خرید سکتا ہوں اور اسے کیسے چبا سکتا ہوں جب کہ میں نے اسے خریدا ہی نہیں۔ میں کھانے کے وقت اپنے قریب موجود لوگوں میں بانٹے بغیر کچھ کھا ہی نہیں سکتا ہوں"۔

بابا نے پھر کہا" یہ درست ہے کہ تم موجود لوگوں کو کھانے میں شریک کرتے ہو لیکن اگر قریب کوئی ہو ہی نہ تو پھر میں یا تم کیا کر سکتے ہو؟ کیا کھانے سے پہلے تم مجھے یاد کرتے ہو؟ کیا میں ہر وقت تمہارے ساتھ نہیں ہوتا ہوں تو کیا تم خود کھانے سے پہلے مجھے بھی پیش کرتے ہو؟"

کہانی کا سبق

اس کہانی کی وساطت سے بابا ہمیں جو سبق دینا چاہتے ہیں آؤ ہم اس کے بارے میں غور و خوض کریں۔ انھوں نے ہمیں سبق دیا ہے کہ اس سے پہلے کہ حواس، من اور عقل اشیا سے لطف اندوز ہوں انھیں پہلے یاد کیا جانا چاہیے، اور اگر ایسا کیا جاتا ہے تو یہ ان کے تئیں بھینٹ چڑھانے کے مترادف ہے۔ حواس اپنی اشیا کے بغیر رہ ہی نہیں سکتے ہیں لیکن وہ اشیا اگر پہلے گرو کو بھینٹ چڑھائی جاتی ہیں تو ان سے ہماری رغبت یا لگاؤ ختم ہو جاتا ہے۔ اسی طرح خواہش، غصہ، حسد وغیرہ اگر پہلے گورو کو بھینٹ چڑھائے جائیں اور یہ عمل مسلسل جاری رہے تو ان سب کو ختم کرنے میں خدا مدد کرتا ہے۔ اشیا سے لطف اندوز ہونے سے پہلے تم یہ سوچو کہ بابا قریب ہی موجود ہیں تو یہ سوال پیدا ہو

لوگ اس پر اعتراض نہ کرتے چاہے انھیں لعنت ملامت کا ہی نشانہ کیوں نہ بنایا جاتا۔ ہیماڈ پنت نیچے، اپنی مثال دیتے ہوئے یہ بات بیان کرتا ہے۔

چنے کی لیلا

شرڈی میں ہر اتوار کو ایک خاص بازار لگا کرتا تھا جس میں نزدیک اور دور کے گاؤں سے لوگ آکر چھوٹی چھوٹی دکانیں اور اسٹال لگاتے اور اپنی اشیا فروخت کرتے۔ مسجد میں ہر روز لوگوں کا ہجوم ہوتا لیکن اتوار کے دن تو وہاں سانس لینا بھی مشکل ہو جاتا۔ ایسے ہی ایک اتوار کے دن ہیماڈ پنت بابا کے سامنے بیٹھا خدا کے نام کو جپتے ہوئے ان کی ٹانگوں کو دھو رہا تھا۔ شاما بابا کی بائیں طرف اور وامن راؤ دائیں طرف بیٹھے ہوئے تھے۔ شریمان بوٹی اور کاکا صاحب دیکشت اور دوسرے حضرات بھی وہاں موجود تھے۔ ایسے میں شاما نے قہقہہ لگاتے ہوئے انا صاحب سے کہا۔

"دیکھو کچھ دانے تمہارے کوٹ کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں" یہ کہتے ہوئے اس نے کوٹ کی آستین کو چھوا اور دیکھا کہ وہاں واقعی کچھ دانے موجود تھے۔ ہیماڈ پنت نے اپنے بائیں بازو کا اگلا حصہ سیدھا کیا اور سب کی حیرانی کی حد نہ رہی جب دال کے کچھ دانے لڑھکتے ہوئے نیچے آ رہے۔ جنھیں وہاں بیٹھے ہوئے لوگوں نے چن لیا۔

اس واقعے نے مزاح کے لیے موضوع فراہم کیا۔ وہاں موجود ہر شخص نے اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ ضرور کہا کہ کس طرح یہ دانے کوٹ کے آستین تک پہنچے اور پھر اتنا عرصہ وہاں لگے رہے۔ ہیماڈ پنت بھی یہ اندازہ نہ لگا سکا کہ یہ دانے کس طرح وہاں پہنچے اور وہاں پڑے رہے۔ کوئی بھی اس سلسلے میں تسلی بخش وضاحت نہ کر سکا۔ ہر شخص اس معمے کے بارے میں حیران تھا تو بابا یوں گویا ہوئے:-

"انا صاحب کو اکیلے کھانے کی بری عادت ہے۔ آج بازار کا دن ہے اور یہ دال کے

سترہواں باب

عقیدت کی پہچان

[(1)بابا کی حس مزاح(2)بماڈپنت (3) سداما

(4) انا چنچنی کر اور موسی بائی ۔]

ابتدائیہ

یہ کہنا کہ ہم اس یا اگلے باب میں یہ یہ باتیں بیان کریں گے محض انانیت ہے۔ جب تک ہم اپنی انا کو ست گورو کے قدموں پر نثار نہیں کرتے ہم اپنے کام میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتے۔ جب ہم انانیت ترک کرتے ہیں تو کامیابی یقینی ہو جاتی ہے۔

سائی بابا کی عبادت کرنے سے ہمیں یہ دونوں روحانی مقاصد حاصل ہوتے ہیں۔ اور ہم حقیقی فطرت سے ہم کنار ہوتے ہوئے امن وسکون تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ جو لوگ خوشحال زندگی پانا چاہتے ہیں انھیں ادب سے بابا کے کرشموں کا بیان یا کہانیاں سننا چاہئے، اور ان پر اپنا دھیان مرکوز کرنا چاہیئے۔ اگر وہ ایسا کریں تو انھیں آسانی سے اپنی زندگی کے مقاصد حاصل ہوں گے اور وہ امن وسکون کی دولت پائیں گے۔

لوگ عام طور پر طنز و مزاح کو پسند کرتے ہیں لیکن وہ اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ان کی قیمت پر لطائف سنائے جائیں۔ بابا کا طریقہ بالکل الگ تھا۔ اس میں ان کی نقل و حرکت بھی شامل ہوتی تھی۔ وہ بہت ہی دلچسپ اور سبق آموز ہوتا تھا۔ اس لیے

"رکو۔ تم کتنے ظالم ہو۔ براہمن ہوتے ہوئے بھی تم بکری کو مار رہے ہو" کاکا صاحب نے حکم کی تعمیل کی اور چھری کو ایک طرف رکھتے ہوئے کہا:

"آپ کے امرت جیسے الفاظ ہمارے لیے قانون کی طرح ہیں اور ہم کوئی قانون یا حکم نہیں جانتے۔ ہم ہمیشہ آپ کو یاد کرتے ہیں، آپ کی شخصیت کا دھیان کرتے ہیں اور آپ کے حکم کی دن رات تعمیل کرتے ہیں۔ ہم آپ کے احکامات کو عقل و دانش کے ترازو پر نہیں تولتے نہ ان کے بارے میں بحث کرتے ہیں۔ صرف ان کی فوراً اور واضح تعمیل کرتے ہیں۔ اسی کو ہم اپنا فرض یا دھرم سمجھتے ہیں"۔

تب بابا نے کاکا صاحب سے کہا کہ وہ خود قربانی کرنے کا کام کریں گے۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ بکری کو تکیے والی جگہ پر قربان کیا جائے جہاں فقیر لوگ بیٹھتے تھے۔ جب بکری کو اس طرف لے جایا جا رہا تھا تو راستے میں بکری گر کر مر گئی۔

ہیماڈ پنت اس باب کو مریدوں کی قسموں کے بیان کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ دنیا میں تین قسم کے مرید ہوتے ہیں پہلی قسم یا سب سے بہتر قسم ان مریدوں کی ہوتی ہے جو پہلے جان لیتے ہیں کہ گورو کیا چاہتا ہے اور اسکے کہنے کے بغیر ہی فوراً وہ سب کچھ کر گزرتے ہیں جو ان کے گورو چاہتے ہیں۔ تیسری قسم کے مرید معمولی قسم کے ہوتے ہیں جو گورو کے حکم کی تعمیل کو ملتوی کرتے جاتے ہیں اور ہر قدم پر غلطیاں کرتے ہیں۔

مرید کو اپنی ذہانت کو کام میں لاتے ہوئے اپنے گورو پر پورا اعتماد ہونا چاہیئے اس سے زیادہ اس میں صبر و تحمل ہونا چاہیئے۔ یہ اگر ہے تو ان کی روحانی منزل پھر دور نہیں ہوتی۔ اسے اپنے آتے جاتے سانس پر بھی پورا کنٹرول ہونا چاہیئے۔ اس کے لیے ہٹھ یوگ کی مشکل ورزش کرنے کی قطعی ضرورت نہیں ہے۔ جب مریدوں میں یہ خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں تو پھر ان کے پیر و مرشد سامنے آجاتے ہیں جو انھیں روحانی سفر کی تکمیل تک لے جاتے ہیں۔

تھے۔ بابا نے انھیں بکری کو ایک ہی وار سے ذبح کر کے اسے صدقے کے طور پر تقسیم کرنے کے لیے کہا۔ سائی بابا اس بڑے بابا کی عزت کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ سائی بابا کے دائیں طرف بیٹھتے تھے۔ تمباکو کی چلم بھی پہلے وہی پیتے اور پھر سائی بابا اور دوسروں کو پینے کے لیے دی جاتی۔ دوپہر کو جب کھانا لگایا جاتا تو سائی بابا انھیں بلاتے اور اپنے بائیں ہاتھ بٹھاتے اور پھر سب کھانا کھانا شروع کرتے۔ سائی بابا دن بھر کی حاصل کی ہوئی دکشنا کی رقم میں سے روز 50 روپے دیتے۔ وہ جب بھی جاتے بابا تقریباً سو قدم تک ان کے ساتھ الوداع کہنے کے لیے جاتے۔ بابا کی نظر میں ان کو یہ حیثیت تھی۔ لیکن جب بابا نے انھیں بکری ذبح کرنے کے لیے کہا تو انھوں نے یہ کہتے ہوئے صاف انکار کر دیا کہ اس کو خواہ مخواہ کیوں مارا جائے۔ تب سائی بابا نے شاما سے اسے مارنے کے لیے کہا۔ شاما نے رادھا کرشنا مائی کے پاس سے چاقو / چھری لا کر بابا کے سامنے رکھ دیا۔ مائی کو معلوم تھا کہ چھری کیوں لی جا رہی ہے اس نیوہ فوراً واپس مانگ لی۔ تب شاما دوسری چھری لانے کے لیے گیا لیکن جلدی واپس نہ آیا۔ اب کاکا صاحب دیکشت کی باری آئی۔ وہ بے شک کھرے سونے جیسا تھا لیکن اس کی ابھی تک آزمائش نہیں کی گئی تھی۔ بابا نے اس سے چھری لا کر بکری کو مارنے کے لیے کہا۔ وہ بابا کے حکم پر اسے مارنے کے لیے تیار تھا۔ وہ ایک خالص براہمن خاندان میں پیدا ہوا تھا اور مارنے کے فن سے آشنا نہیں تھا۔ حالانکہ وہ تشدد کے کسی بھی کام کے سخت خلاف تھا لیکن وہ بکری کو مارنے کے لیے تیار ہو گیا۔ سب لوگ حیران تھے کہ بڑے بابا مسلمان ہوتے ہوئے بھی اس کو مارنے کے لیے تیار نہ تھے جب کہ یہ خالص براہمن اسے مارنے کی تیاریاں کر رہا تھا۔ دکشت نے اپنی دھوتی کو ٹھیک سے کسا اور پھر دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہوئے بابا کی طرف آخری اشارے کے لیے دیکھنے لگا۔ بابا نے پوچھا تم کیا سوچ رہے ہو؟ چھری چلاؤ۔ تب جب کہ ہاتھ نیچے آنے ہی والا تھا بابا نے کہا۔

پنچوں نے وبا پر قابو پانے کے لیے مل کر دو احکامات جاری کیے۔ ایک یہ کہ بالن لانے والی کسی گھوڑا گاڑی کو گانو میں نہ آنے دیا جائے اور دوسرا کسی بکری کو وہاں نہ مارا جائے۔ اگر کسی نے بھی ان احکامات کو توڑا تو اسے گاؤں کے پنچ جرمانہ کریں گے۔ بابا جانتے تھے کہ یہ سب کچھ محض توہمات کی وجہ سے تھا اس لیے انھوں نے احکامات کی کوئی بھی پرواہ نہ کی۔ اسی زمانے میں جب یہ احکامات نافذ تھے وہاں بالن لے کر ایک گھوڑا گاڑی آئی جو گاؤں میں داخل ہونا چاہتی تھی۔ گاؤں کے سب لوگ یہ جانتے تھے کہ وہاں بالن کی سخت قلت ہے۔ اس کے باوجود لوگوں نے گاڑی بان سے کہا کہ وہ گاڑی کو مسجد لے جائے۔ بابا کے حکم کی مخالفت کرنے کی کسی میں ہمت نہ ہوئی۔ انھیں اپنی دھونی کے لیے بالن کی ضرورت تھی اس لیے انھوں نے وہ بالن خرید لیا۔ ایک اگنی ہوتری کی طرح جو اپنی دھونی کو ہمیشہ جلائے رکھتا ہے بابا نے بھی اپنی دھونی کو ہمشیہ دن رات جلائے رکھا تھا۔ اس مقصد کے لیے وہ بالن کو ہمیشہ جمع رکھتے۔ بابا کے گھر یعنی مسجد کے دروازے سب کے لیے کھلے تھے۔ وہاں کوئی تالا وغیرہ نہ ہوتا تھا۔ اس لیے کچھ غریب لوگ وہاں سے جلانے کے لیے بالن لے جاتے تھے۔ بابا اس پر کبھی شکایت نہ کرتے۔ بابا کو معلوم تھا کہ خدا ہر شئے میں موجود ہے اس لیے وہ کسی سے دشمنی یا نفرت نہ کرتے تھے۔ وہ اگرچہ ہر شے سے بے تعلق تھے لیکن ایک گھر گرہستی والے انسان کی طرح عمل کرتے تاکہ لوگوں کے سامنے مثال قائم ہو۔

گورو بھکتی کی دشواری

آیئے اب ہم دیکھیں کہ ہیضے کے دوسرے حکم نامے سے متعلق بابا پر کیا بیتی۔ جب کہ ابھی وہ نافذ تھا تو کوئی شخص ایک بکری یا بھیڑ مسجد میں لایا۔ وہ بہت کمزور، بوڑھی اور مرنے والی تھی۔ اس موقعے پر مالی گاؤں کے بڑے بابا فقیر پیر محمد بھی موجود

مسجد اس کا گھر اور سائی بابا اس کی آخری جائے پناہ تھی۔ اگر یہاں اسے نکال دیا گیا تو وہ کہاں جائے گا۔ اس نے زندگی کی ساری امید چھوڑتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی۔ تھوڑی دیر کے بعد بابا معمول کی حالت میں لوٹ آئے۔ اب شاما ان کے قریب جا کر بیٹھ گیا۔ تب بابا نے اس سے کہا "گھبراؤ نہیں۔ پرواہ مت کرو تمھیں یہ رحیم فقیر بچائے گا۔ جاؤ اپنے گھر جا کر آرام سے بیٹھو۔ باہر مت نکلو، مجھ پر بھروسا رکھو، بے فکر رہو اور پریشان نہ ہو" تب اسے گھر بھیج دیا گیا۔ اس کے تھوڑی دیر بعد ہی بابا نے تاتیا پاٹل اور کاکا صاب دیکشت کو ہدایات دے کر اس کے پاس بھیجا کہ وہ جو چاہتا ہے یا جو چیز اسے پسند ہے اسے کھائے گھر میں ادھر ادھر ٹہلے اور کسی بھی صورت میں نہ لیٹے نہ سوئے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے کہ ان ہدایات پر عمل کر کے شاما ٹھیک ہو گیا۔ اس سلسلے میں ایک بات یاد رکھنے کی ہے وہ بابا کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ہیں۔ "جاؤ بھاگ جاؤ نیچے اترو"۔ یہ الفاظ شاما کے لیے نہیں بلکہ سانپ کو حکم دینے کے لیے کہے گئے تھے تاکہ اس کا زہر شاما کے رگ و پے میں سرایت نہ کرے۔ دوسرے منتر شاستر کو جاننے والوں کی طرح بابا کو کچھ بھی پڑھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ نہ کوئی چاول یا پانی چھڑکنے کی ضرورت تھی۔ بابا کے الفاظ شاما کی جان بچانے میں تیر بہ ہدف ثابت ہوئے تھے۔ یہ اور اس طرح کی دوسری کہانیوں کو سننے والے کے دل میں بابا کے قدموں کی کرامات پر پورا اعتقاد ہو جائے گا۔ اس مادی دنیا کے سمندر کو پار کرنے کا یہی ایک واحد وسیلہ ہے کہ ہمیشہ بابا کے قدموں کو دل میں یاد کیا جائے۔

ہیضے کی وبا

ایک بار شرڈی میں ہیضے کی وبا نے تباہی نازل کی۔ مقامی لوگ بہت پریشان تھے اور انھوں نے بیرونی دنیا سے ڈر کے مارے سارے تعلقات منقطع کر دیے۔ گاؤں کے

شیاما کے سانپ کے کاٹنے کا علاج

کہانی شروع کرنے سے پہلے ہیماڈ پنت روح کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے اسے طوطوے سے مشابہ قرار دیتے ہیں۔ پھر دونوں کو قیدی بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ روح جسم میں قید ہوتی ہے جب کہ طوطا لوہے کے پنجرے میں۔ دونوں یہ سوچتے ہیں کہ ان کی موجودہ قید ان کے لیے بہتر ہے۔ یہ اس وقت ہوتا ہے جب گورو مہاراج خدا کی مہربانی سے دونوں کی آنکھیں ایک وسیع دنیا میں کھولتے اور انھیں قید سے آزاد کرتے ہیں۔ اس وسیع تر دنیا کے مقابلے میں ان کی اپنی محدود دنیا کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔

پچھلے باب میں ہم نے بتایا ہے کہ بابا کو کس طرح اس مصیبت کا پہلے ہی پتہ چل گیا تھا جو مسٹر مری کر پر نازل ہونے والی تھی اور کس طرح اس کو اس سے بابا نے بچایا۔ اب آیئے ہم آپ کو اس سے بھی زیادہ اچھی کہانی سناتے ہیں۔ ایک بار شاما کو زہریلے سانپ نے کاٹا۔ اس کے ہاتھ کی چھوٹی انگلی پر سانپ نے ڈنک مارا اور زہر پورے بدن میں پھیلنے لگا۔ درد بہت شدید تھا جس کی وجہ سے شاما نے سوچا کہ وہ جلد ہی مر جائے گا۔ اس کے دوست اس کو بھگوان وِٹھوبا کے پاس لے جانا چاہتے تھے جہاں اکثر اس قسم کے لوگوں کو لے جایا جاتا تھا لیکن وہ مسجد کی طرف بھاگا جہاں اس کا بھگوان وٹھوبا (سائی بابا) مقیم تھا۔ جب بابا نے اسے دیکھا تو انھوں نے اس کو گالیاں دینا شروع کیں۔ انھوں نے غصے میں آتے ہوئے کہا:-

"او زہریلے بمن ☆ (برہمن) ☆ اوپر مت چڑھو۔ خبردار اگر تو نے ایسا کیا پھر انھوں نے گرجتے ہوئے کہا "جاؤ بھاگو، نیچے اتر آؤ" بابا کو اس طرح غصے سے لال پیلے ہوتے ہوئے دیکھ کر شاما کو کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ کیا کرے۔ وہ بہت مایوس ہو گیا۔ اس نے سوچا

☆ بمن = بامن = براہمن۔ سانپ پچھلے جنم میں براہمن تھا۔

ہیں اور کیا کھاتے ہیں وغیرہ۔ ہم صرف یہ جانتے ہیں کہ خدا کی مدد سے وہ خود کو اس دنیا میں ظاہر کرتے ہیں تاکہ جاہلوں کو جہالت سے نجات دلائیں اور زنجیروں میں جکڑی ہوئی روحوں کو آزاد کرائیں۔

یوگ اور پیاز

ایک بار ایسا ہوا کہ یوگ کی مشق کرنے والا ایک شخص نانا صاحب چندور کر کے ہمراہ شرڈی آیا۔ اس نے یوگ سے متعلق ساری کتابیں پڑھی تھیں جن میں مہارشی پتن جلی کے یوگ سے متعلق سوتر بھی شامل تھے لیکن اسے تجربہ حاصل نہیں تھا۔ وہ تھوڑے وقت کے لیے بھی اپنے خیالات کو ایک نکتے پر مرکوز کر کے سادھی نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے سوچا کہ اگر سائی بابا اس پر مہربان ہو جاتے ہیں تو وہ اسے طویل وقت تک سادھی، میں ڈال اس سلسلے میں رہنمائی کریں گے۔ اس مقصد کے تحت وہ شرڈی آگیا۔ جب وہ مسجد میں گیا تو اس نے سائی بابا کو پیاز کے ساتھ روٹی کھاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے دل میں ایک خیال آیا کہ یہ آدمی جو پیاز کے ساتھ باسی روٹی کھا رہا ہے کس طرح اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے اس کی مدد کر سکتا ہے۔ سائی بابا نے اس کے خیالات کو پڑھ لیا اور نانا صاحب سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا:-

"ارے نانا صاحب! صرف وہ آدمی پیاز کھا سکتا ہے جو اسے ہضم کرنے کی سکت رکھتا ہے۔ دوسروں کو اسے ہرگز نہیں کھانا چاہیئے" یہ سن کر یوگی حیران ہو گیا اور اس کے بعد وہ بابا کے قدموں پر گر پڑا۔ اس نے صاف دلی سے بابا کو اپنی دشواریاں بتائیں اور ان کا حل بابا نے اس کو سمجھایا۔ اس طرح وہ بہت خوش ہو کر بابا سے اودی لینے کے بعد وہاں سے واپس چلا گیا۔

سولہواں باب

عبادتی بندوں کو پیار

ابتدائیہ

آدمی کی روح تین عناصر سے بنی ہے جن کے نام ستوگُن، رجس گُن اور تمس گُن ہیں لیکن مایا کے جال میں پھنس کر وہ یہ اپنی فطرت بھول جاتا ہے جو "وجود، علم اور نجات" پر مشتمل ہے۔ وہ یہ سمجھنے لگتا ہے کہ وہی کرنے والا اور لطف اٹھانے والا ہے اور اس طرح وہ کبھی نہ ختم ہونے والی مشکلات میں خود کو پھنسا دیتا ہے اور ان سے نجات کی راہ نہیں جانتا۔ اس سے نجات کی صرف ایک ہی راہ ہے اور وہ ہے گورو کے قدموں سے عقیدت و محبت۔ سب سے بڑے کھلاڑی اور ایکٹر سائی مالک نے اپنے بھگتوں کو خوشی عطا کی ہے اور انھیں اپنے وجود کا حصہ بنایا ہے۔

ہم سائی بابا کو پرماتما کا اوتار تصور کرتے ہیں جس کی وجوہات پہلے ہی بیان کی جاچکی ہیں لیکن انھوں نے ہمیشہ یہی کہا کہ وہ پرمیشور کے ایک وفادار غلام ہیں۔ انھوں نے لوگوں کو اپنے فرائض کے راستے دکھائے۔ انھوں نے کسی بھی طرح سے دوسروں کی نقل نہیں کی اور نہ انھیں ان کے لیے کچھ کرنے کے لیے کہا۔ ان کے لیے جو خدا کو ہر متحرک غیر متحرک شے میں دیکھتے تھے۔ انھوں نے کبھی خدا ہونے کا دعوا نہیں کیا لیکن وہ خدا کے ایک ادنیٰ غلام تھے اور ہمیشہ "اللہ مالک" کہہ کر اسے یاد کرتے تھے۔

ہم نہیں جانتے کہ سارے صوفی سنت کس طرح کا عمل کرتے ہیں وہ کیا کرتے

شرڈی پنڈھر پور سے **100** کوس کے فاصلے پر ہے۔اس کے باوجود بابا ہر بات کو اپنی صلاحیت سے جانتے تھے کہ وہاں بار روم میں کیا گفتگو ہوئی ہے۔اس طویل فاصلے میں موجود دریا، جنگل، اور پہاڑ ان کی دور درشٹی (نگاہ) میں حائل نہ ہو سکے تھے۔ وہ سب کے دل کی باتیں جانتے تھے اور کوئی بھی راز ان سے پوشیدہ نہیں رہ سکتا تھا۔دور یا نزدیک کی ہر چیز ان کے سامنے اسی طرح عیاں ہوتی تھی جس طرح دن کی روشنی۔ آدمی چاہے کہیں بھی دور یا نزدیک ہو تا وہ ان کی نگاہ سے نہیں بچ سکتا تھا۔اس واقعے سے وکیل نے یہ سبق لیا کہ کسی کے خلاف بات نہیں کرنی چاہیئے نہ غیر ضروری طور پر ان کی تنقید کرنی چاہیئے۔

اس کہانی کا تعلق یوں تو وکیل کے ساتھ ہے لیکن دراصل یہ ہم سب کے لیے ایک سبق ہے۔اس طرح وکیل کے کردار کی خامی دور ہو گئی اور اسے صحیح راستے پر ڈال دیا گیا۔

سائی بابا کی عظمت ماپی نہیں جا سکتی وہ لا محدود ہے۔اسی طرح ان کے کرشمے ان گنت ہیں۔

حاصل ہوئی۔

پنڈھرپُر کے وکیل کو نصیحت

ہم اس باب کا اختتام ایک کہانی کے بیان کے ساتھ کریں گے جس سے ہمیں بابا کے ہر چیز کا علم رکھنے اور اسے دوسروں کی اصلاح کے لیے برتنے اور انھیں صحیح راستے پر لگانے کا پتہ چلے گا۔ ایک بار پنڈھرپور کا ایک وکیل شرڈی آیا۔ اس نے مسجد میں جاکر بابا کو سلام کرتے ہوئے بغیر مانگے کچھ دکشنا دی اور ایک کونے میں بیٹھ کر بابا کی گفتگو سننے لگا۔ تب بابا نے اس کی طرف مڑ کر دیکھا اور کہا لوگ کتنے مکار ہیں۔ وہ پاؤں میں گر کر دکشنا دیتے ہیں لیکن اندر سے گالیاں دیتے ہیں۔ کیا یہ عجیب بات نہیں ہے؟ یہ ساری گفتگو وکیل کے حسبِ حال تھی۔ اس لیے اسے سننا پڑی۔ یہ گفتگو کسی کی سمجھ میں نہیں آئی۔ وکیل نے اسے سمجھ لیا لیکن کچھ کہا نہیں۔ جب وہ واپس آیا تو اس نے کاکا صاحب دکشت سے کہا: ”جو کچھ بابا نے فرمایا وہ بالکل صحیح تھا۔ یہ تیر انھوں نے میری طرف چلایا تھا۔ انھوں نے مجھے اشارتاً کہا تھا کہ مجھے دوسروں کو گالیاں نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کے خلاف سازشیں کرنا چاہیے۔ پنڈھرپور کا سب جج جب خرابیِ صحت کی وجہ سے شرڈی آکر صحت یابی کے لیے آکر ٹھہرا تو وہاں کے بار روم میں یہ بحث چل نکلی کہ سب جج جیسے پڑھے لکھے انسان کو کیا اس طرح کی حرکات کرنی چاہیں اور آیا کیا اس طرح یعنی بغیر دوا لیے اور صرف بابا کی خدمت میں حاضر ہو کر وہ بیماری دور ہو سکتی ہے، جس کا شکار سب جج ہوا تھا۔ سب جج کی کڑی تنقید کی گئی اور بابا کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا۔ میں نے بھی اس تنقید میں کچھ حصہ لیا۔ اب بابا نے میرے کردار کی خامی کو ظاہر کیا ہے۔ انھوں نے مجھے گالی نہیں دی بلکہ یہ نصیحت کی کہ مجھے اس طرح دوسروں پر الزام تراشی نہ کرنی چاہیے اور نہ دوسروں کے معاملات میں دخل دینا چاہیے۔

Shri Sai Baba's Gurusthan

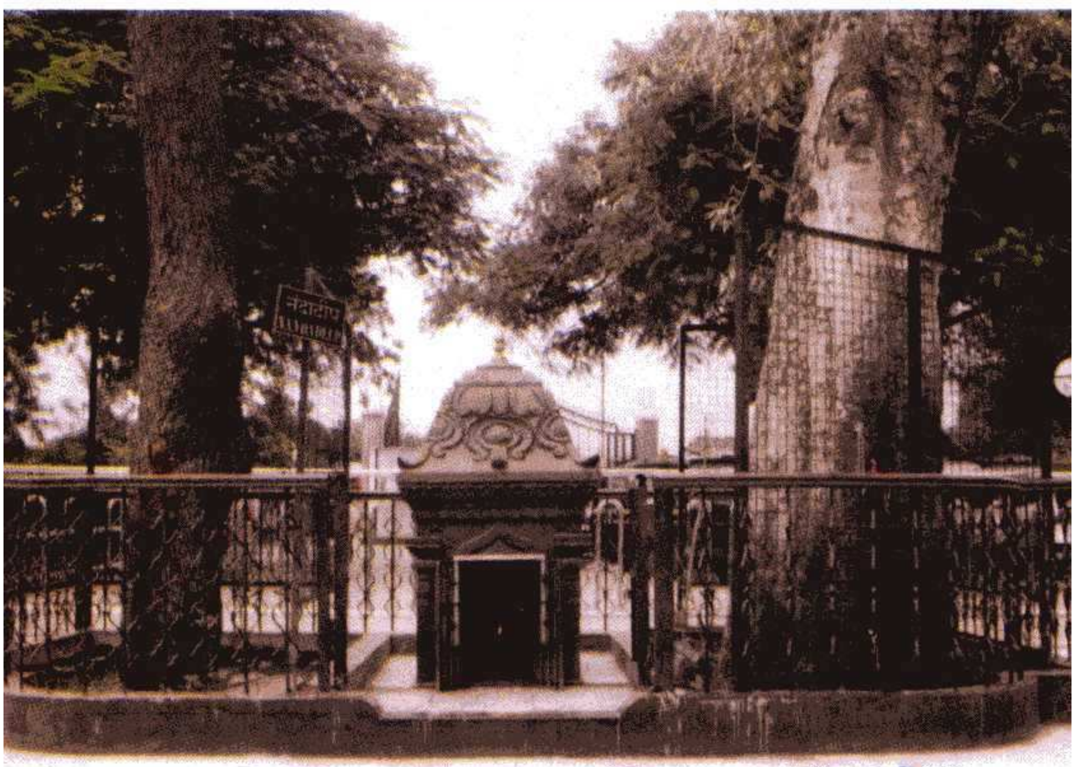

Nandadeep

Shri Sai Baba's Dwarkamai

Shri Sai Baba's Chawadi

کہانی نوگیندوں کی

ایک بار ایک سوداگر یہاں آیا۔ اس کے سامنے ایک خچر نے نو گیندوں کی شکل میں لید کی۔ سوداگر نے اپنی جستجو کو جاری رکھتے ہوئے اپنی دھوتی پھیلا کر لید کی ان گیندوں کو اس میں سمیٹ لیااور اس طرح اس کے دل کو سکون مل گیا۔

پاٹنکر اس کہانی کا مطلب نہ سمجھ سکا۔ چنان چہ اس نے گنیش دامودار سے کہا:" اس سے بابا کا کیا مطلب ہے؟" اس نے جواب دیا" میں خود بھی وہ سب کچھ نہیں سمجھتا جو بابا کہتے ہیں لیکن انھیں کی تحریک پہ مجھے جو کچھ معلوم ہوتا ہے میں بتاتا ہوں۔ وہ خچر خدا کی شان ہے اور لید کی نو گیندوں میں بھگتی کی حسبِ ذیل نو قسمیں ہیں۔ (1) سننا (2) دعا مانگنا (3) یاد کرنا (4) خلق کی خدمت کرنا (5) عبادت (6) سجدہ کرنا (7) خدمت (8) دوستی (9) خودی کو قربان کرنا۔ یہ بھگتی کی نو قسمیں ہیں۔ ان میں سے اگر ایک کی بھی پوری طرح پیروی کی جاتی ہے تو خدا خوش ہو کر اپنے بھگت کے گھر میں جلوا نما ہوتا ہے۔ ساری سادھنائیں یعنی جپ تپ یوگ اور مذہبی کتابوں کو پڑھنا اور ان کی شرح کرنا بے کار ہے۔ اگر اس کے ساتھ بھگتی بھی شامل نہ ہو یعنی ریاضت۔ ویدوں کا علم یا عارف والے کی شہرت بھگتی کے بغیر بے کار ہے۔ جس چیز کی ضرورت ہے وہ مکمل ریاضت ہے۔ اپنے آپ کو محض سوداگر یا سچ کی جستجو کرنے والا سمجھیں اور اسی کی طرح نو قسم کی ریاضتوں کا علم حاصل کرنے اور انھیں فروغ دینے کی زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ تب تمہیں استحکام اور سکونِ قلب حاصل ہوگا۔

دوسرے دن جب وہ بابا کو سلام کرنے کے لیے گیا تو اس سے پوچھا گیا کہ کیا اس نے لید کی نو گیندیں جمع کیں؟ اس نے کہا کہ غریب ہونے کی وجہ سے پہلے بابا مجھے کو آشیر واد دیں تب وہ آسانی سے جمع کی جا سکیں گے۔ تب بابا نے اسے یہ کہتے ہوئے آشیر واد دیا کہ تم کو سکون اور فارغ البالی حاصل ہوگی۔ یہ سن کر پاٹنکر کو بہت خوشی

آشیر واد دیں۔ بابا نے کہا:

اپا نے تجھے جو کچھ بتایا تھا وہ بالکل درست تھا لیکن ان باتوں پر عمل کرتے ہوئے انھیں اپنی زندگی کا حصہ بنانا ضروری ہے۔ صرف ان کو پڑھنا کافی نہ ہوگا۔ اس پر غور کرتے ہوئے عمل کرنا ضروری ہے ورنہ اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ گورو کے آشیر وار اور خود کو سمجھے بغیر کتاب کو پڑھنا بے سود ہے۔ شری ٹھاکر نے اب تک وچار ساگر کا صرف اصول والا حصہ پڑھا تھا جب کہ عمل کا راستہ اسے شرڈی میں دکھایا گیا تھا۔ نیچے دی ہوئی ایک اور کہانی اس سچائی کو زیادہ پرزور طریقے سے پیش کرے گی:-

اننت راؤ پٹنکر کو سکون

پونا کا رہنے والا اننت راؤ پٹنکر نامی ایک شخص سائی بابا کو دیکھنے کا خواہش مند تھا۔ اس نے شرڈی آکر بابا کے درشن کیے۔ اس کی آنکھوں کی تشفی کے ساتھ ہی ساتھ اسے بہت خوشی بھی ہوئی۔ اس نے بابا کے قدموں پر گرتے ہوئے پوری پرستش کرنے کے بعد بابا سے کہا: "میں نے بہت مطالعہ کیا ہے، وید، ویدانت اور اپنشد کو پڑھا ہے اور تمام پرانوں کو سنا ہے پر مجھے کبھی شانتی نہیں ملی اس لیے میں کہتا ہوں کہ میرا انھیں پڑھنا بے سود ثابت ہوا ہے۔ جاہل اور عبادت گزار اشخاص مجھ سے بہتر ہیں۔ جب تک من کو شانتی نہیں ملتی ساری کتابوں کو پڑھنا بے کار ہے۔ میں نے کئی لوگوں سے سنا ہے کہ آپ محض لفظوں کی مدد سے اور ایک نگاہ ڈال کر لوگوں کو من کی شانتی عطا کر دیتے ہیں۔ اس لیے میں یہاں آیا ہوں۔ مہربانی کر کے مجھ پر رحم کیجیے۔ اور مجھے آشیر واد دیجیے۔ تب بابا نے اسے ایک حکایت سنائی جو اس طرح ہے:-

بھی عطا کرے گا"

اس کے بعد شری ٹھاکر کی تبدیلی جنر ہو گئی جہاں اس کو نانے گھاٹ پار کر کے گاؤں میں پہنچنا ہوتا تھا۔ یہ گھاٹ بہت گہرا اور نا قابلِ عبور تھا اور اس گھاٹ کو پار کرنے کے لیے بھینس کے سوائے کوئی سواری مفید نہیں ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اسے بھی پار جانے کے لیے بھینس کی سواری ہی کام میں لانی پڑتی تھی جس سے اسے خاصی دشواری اور تکلیف ہوتی تھی۔ اسی زمانے میں ترقی پا کر اس کا تبادلہ کلیان کر دیا گیا جہاں اس کی شناسائی "نانا صاحب چندور کر" سے ہوئی۔ دوسرے دن نانا صاحب کو شرڈی جانا تھا۔ چنانچہ اس نے ٹھاکر کو چلنے کے لیے کہا۔ ٹھاکر ایسا نہیں کر سکا کیوں کہ اسے کسی کیس کے سلسلے میں عدالت جانا تھا۔ چنانچہ نانا صاحب تنہا ہی چلے گئے۔ ٹھاکر عدالت میں حاضر ہوا لیکن اس کا کیس ملتوی کر دیا گیا۔ اسے نانا صاحب کے ساتھ نہ جانے کا افسوس ہوا۔ اس کے باوجود وہ شرڈی کے لیے روانہ ہو گیا۔ لیکن اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے ہی نانا صاحب وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ وہاں اس کی ملاقات کچھ دوستوں سے ہوئی جو اسے بابا تک لے گئے۔ بابا کو دیکھ کر وہ ان کے قدموں پر جھک گیا جس سے اسے بہت مسرت حاصل ہوئی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو نکل آئے نیز اس کے بال تک کھڑے ہو گئے۔ تب کچھ دیر کے بعد بابا صاحب اس سے یوں مخاطب ہوئے:-

"اس جگہ کا راستہ اتنا آسان نہیں ہے جتنی کنڈی سنت اپا کی تعلیمات اور نانے گھاٹ کو پار کرنے کے لیے بھینس کی سواری ہے۔ اس روحانی راستے پر تمہیں بہترین کوشش اور محنت کی ضرورت ہے کیوں کہ یہ بہت مشکل کام ہے۔ جب ٹھاکر نے یہ اہم الفاظ اور اشارے سنے جو صرف اسی کے حصے میں آئے تھے تو اسے بے انتہا خوشی ہوئی اسے معلوم ہوا کہ کنڈ سنت کے الفاظ سچ ثابت ہوئے تھے۔ تب اپنے دونوں ہاتھوں کو جوڑتے ہوئے بابا کے قدموں پر گر کر اس نے التجا کی کہ بابا اسے قبول کرتے ہوئے

گیا۔ بدنصیب لوگوں کو سنتوں سے تعلقات استوار کرنے کے موقعے نہیں ملتے۔ صرف خوش نصیبوں کو ہی ایسے موقعے ہاتھ آتے ہیں۔

سادھو سنتوں کی محفل

بہت قدیم زمانے سے ہی اس دنیا میں مختلف سادھو سنتوں کے سلسلے موجود رہے ہیں۔ مختلف صوفی سنت مختلف جگہوں پر نمودار ہو کر اس مشن کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو قدرت نے انھیں تفویض کیا ہوتا ہے۔ وہ اگرچہ مختلف جگہوں پر کام کرتے ہیں لیکن بنیادی طور پر ایک ہوتے ہیں۔ وہ اکٹھے مل کر ایک مشترک حاکم کل خدائے باری تعالیٰ کے تحت کام کرتے ہیں اور انھیں پوری طرح معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دوسرے ساتھی اپنی اپنی جگہ پر کیا کر رہے ہیں اور جہاں ضرورت پڑتی ہے ایک دوسرے کی مدد بھی کرتے ہیں۔ اس قسم کی ایک مثال نیچے دی جارہی ہے:-

مسٹر ٹھاکر

شری وی۔ ایچ ٹھاکر محکمہ مال میں ایک کلرک تھا۔ ایک بار وہ بیل گام کے نزدیک واقع ایک قصبے وڈگام ایک سروے پارٹی کے ہمراہ آیا۔ وہاں اس کی ملاقات ایک کنڈ سنت اپا سے ہوئی۔ اس نے انھیں جھک کر سلام کیا۔ سنت اس وقت نشچل داس کی کتاب "وچار ساگر" کے کسی حصے کو سامعین کے سامنے وضاحت کے ساتھ پیش کر رہے تھے۔ یہ کتاب ویدانت پر ایک مستند دستاویز کا درجہ رکھتی ہے۔ جب ٹھاکر ان سے اجازت لے کر جانے والا تھا تو انھوں نے اسے کہا "تمھیں یہ کتاب پڑھنی چاہئے اور اگر تم ایسا کرو گے تو تمہاری خواہشات پوری ہوں گے اور جب تم اپنے فرائض کی ادائیگی کے لیے شمال کی طرف جاؤ گے تو خوش قسمتی سے تمہاری ملاقات ایک عظیم صوفی سنت سے ہوگی جو تمھیں مستقبل کی راہ بتائے گا اور تمھیں خوشی کے ساتھ ساتھ اطمینانِ قلب

پندرہواں باب

باباکی رُوحانی پگ ڈنڈی اور طرزِ عمل

کہانیاں: شری ٹھاکر کی۔ اننت رائے کی اور پنڈر پر کے وکیل کی

[اس باب میں ہیماڈ پنت و ناٹك ہریش چند ر ٹھاکر اننت راوپٹنکر اور پنڈر پور کے ایك وکیل کی کہانیاں بیان کرتے ہیں - یہ سب کہانیاں بڑی دلچسپ ہیں اور اگر انہیں غور سے پڑھا جائے تو قاری کو روحانیت کے راستے پر چلنے کی ترغیب ملے گی-]

ابتدائیہ

یہ ایک عام اصول ہے کہ پچھلے جنموں کے اچھے کاموں کی وجہ سے انسان کو سنتوں کی صحبت میں بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوتی ہے جس سے ان سے استفادہ کرنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ اس بات کا ثبوت فراہم کرنے کے لیے ہیماڈ پنت اپنی مثال پیش کرتے ہیں۔ وہ ممبئی کے متصل واقع مقام باندرہ کے رہنے والے تھے جہاں مجسٹریٹ کے طور پر کئی سال تک متعین رہے۔ ایک مشہور مسلمان صوفی جس کا نام پیر مولانا تھا وہاں رہتا تھا اُن کے پاس بہت سے ہندو، پارسی اور دوسرے فرقوں کے لوگ درشنوں کے لیے جاتے تھے۔ ان کے ایک مجاور نے ہیماڈ پنت پر دن اور رات زور ڈالا کہ وہ ان کے پاس آئے لیکن کچھ وجوہات کی بنا پر وہ وہاں نہ جا سکا۔ کئی سال بعد اس کی باری آئی اور اسے شرڈی بلایا گیا جہاں سائی بابا کے دربار کی فہرست میں اس کا نام ہمیشہ کے لیے شامل کر لیا

فرش پر اندھیرا ہونے سے کچھ پہلے بیٹھے ہوئے تھے ایک سانپ کھڑکی کے چوکھٹے کے کسی سوراخ سے اندر داخل ہو کر وہاں کنڈلی بنا کر بیٹھ گیا۔ روشنی لائی گئی۔ اگرچہ پہلے وہ چند ھیا گیا پھر بھی وہ وہاں سے ہلا نہیں صرف اپنا سر اوپر نیچے کرتا رہا۔ پھر بہت سے لوگ وہاں لاٹھیاں اور ڈنڈے لے کر دوڑے لیکن وہ چوں کہ ایک بہت ہی ناموزوں جگہ بیٹھا ہوا تھا اس لیے کچھ نہ کیا جاسکا۔ لوگوں کا شور سن کر سانپ اسی سوراخ سے فوراً وہاں سے نکل بھاگا۔ تب سب لوگوں کو وہاں اطمینان نصیب ہوا۔

باباکی رائے

اس پر ایک بھگت جس کا نام مکتارام تھا نے کہا کہ یہ اچھا ہوا کہ سانپ بھاگ گیا۔ ہیماڈپنت نے اس سے اختلاف رائے کرتے ہوئے کہا کہ سانپ کو مارنا ہی بہتر ہوتا ہے۔ چنانچہ اب ان کے بیچ گرماگرم بحث چل پڑی۔ مکتارام کا کہنا تھا کہ سانپ اور اس طرح کے زہریلے جانوروں کو نہیں مارنا چاہیے جب کہ ہیماڈپنت کا انھیں مارنے پر اصرار تھا۔ رات پڑنے کی وجہ سے یہ بحث بغیر کسی نتیجے تک پہنچے ختم ہو گئی دوسرے دن یہ سوال بابا کے سامنے پیش کیا گیا جنھوں نے اپنی سوچی سمجھی رائے اس طرح سے دی:-

خدا ہر شئے میں بستا ہے چاہے وہ شے سانپ ہو یا بچھو وغیرہ۔ خدا ساری دنیا کے نظم و نسق کو چلاتا ہے۔ سارے سانپ بچھو اور انسان اسی کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں جب تک وہ نہ چاہے کوئی کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس لیے ہمیں سب پر رحم کرنا چاہیے اور محبت سے پیش آنا چاہیے لڑائی جھگڑے یا قتل و غارت گری کو ترک کرنا چاہیے اور صبر سے کام لینا چاہیے۔ خُدا سب کا محافظ ہے۔

سوچا کہ شاید بابا کو کسی سانپ کے آنے کا شک ہوا ہے۔ عبدل چونکہ عرصہ دراز سے بابا کے ساتھ رہا تھا اس لیے وہ بابا کی حرکات اور الفاظ کے معنی سمجھ سکتا تھا۔ تب بابا نے امیر کے سرہانے کے پاس کوئی چیز ہلتی ہوئی دیکھی۔ بابا نے عبدل سے روشنی لانے کے لیے کہا اور جب روشنی لائی گئی تو بابا نے ایک سانپ کو دائرے کی شکل میں وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا جو اپنا سر اوپر نیچے ہلا رہا تھا۔ اس کے بعد سانپ کو فوراً مار دیا گیا۔ بابا نے وقت پر تنبیہ کی اور اس طرح امیر کی جان بچائی۔

ہیماڈ پنت کو سانپ اور بچھو سے کیسے بچایا

(1) بابا کی سفارش پر کاکا صاحب دیکشت ہر روز شری ایک ناتھ مہاراج کی بھاگوت اور بھاوارتھ رامائن کا پاٹھ کیا کرتا تھا اور ہیماڈ پنت کی یہ خوش نصیبی تھی کہ جب یہ پاٹھ ہوتا وہ سامعین میں ضرور موجود ہوتا۔ ایک بار جب رامائن کا وہ حصہ پڑھا جا رہا تھا جس میں شری رام کی والدہ کے کہنے پر ہنومان کے ہاتھوں شری رام کی عظمت کا امتحان کیے جانے کا بیان تھا تو سب سامعین پر جادو کا اثر طاری تھا۔ ہیماڈ پنت بھی ان میں سے ایک تھا۔ ایک بڑا بچھو نہ جانے کہاں سے آیا اچھلا اور ہیماڈ پنت کے دائیں کندھے پر بیٹھ گیا۔ پہلے تو اس کا پتہ نہیں چلا لیکن خُدا ان لوگوں کی حفاظت کرتا ہے جو اس کی کہانی کو سن رہے ہوتے ہیں۔ ہیماڈ پنت نے ناگاہ اپنے دائیں کندھے کی طرف نگاہ ڈالی۔ موت کا سا سناٹا طاری ہونے لگا کوئی ادھر ادھر نہیں ہل رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے بچھو بھی کہانی کے بیان سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔ خدا کی مدد سے ہیماڈ پنت کو بغیر پریشان کیے بابا نے اپنی دھوتی کے دو کناروں کو اٹھا کر اسے اس طرح لپیٹ لیا کہ بچھو بیچ میں آ گیا۔ پھر انہوں نے باہر جا کر بچھو کو باغ میں پھینک دیا۔

(2) ایک دوسرے موقع پر جب کہ کچھ لوگ کاکا صاحب کے واڈا کے اوپر والے

سے التجا کی کہ اس مرض سے چھٹکارہ دلائیں۔ بابا نے اسے چاوڑی میں قیام کرنے کے لیے کہا۔ چاوڑی اس وقت سیلن کی وجہ سے ایسے مریضوں کے ٹھہرنے کے لیے مناسب جگہ نہ تھی۔ کورلے کی کوئی بھی دوسری جگہ اس کے لیے مناسب ہوتی لیکن بابا کا حکم فیصلہ کن بات تھی اور سب سے اچھی دوا بھی۔ بابا نے اسے مسجد میں آنے نہیں دیا اور وہیں چاوڑی میں ہی رکھا جو اس کے لیے بہت فائدہ مند ثابت ہوا۔ بابا ہر روز صبح و شام چاوڑی کے راستے سے گزرتے تھے اور ہر دوسرے دن بابا جلوس کی شکل میں چاوڑی جاتے اور وہاں سوتے تھے۔ چنانچہ امیر کو بابا سے آسانی سے ملنے کا اکثر موقع ملتا۔ امیر وہاں 9 ماہ تک مقیم رہا پھر اچانک کسی وجہ سے وہ اس جگہ سے کچھ مایوس ہو گیا۔ چنانچہ ایک رات وہ چپکے سے وہاں سے نکل کر کوپرگاؤں آکر ایک دھرم سالہ میں ٹھہرا۔ وہاں اسے ایک بوڑھا فقیر ملا جو دم توڑ رہا تھا۔ اس نے اس سے پانی مانگا۔ امیر نے اسے پانی لا کر دیا۔ پانی کو پیتے ہی وہ جاں بحق ہو گیا۔ امیر اب شش و پنج میں پڑ گیا۔ اس نے سوچا کہ اس نے اگر جا کر اس کی اطلاع حکام کو دی تو وہ اسے ہی موت کا ذمے دار قرار دیں گے کیوں کہ وہ پہلا اور واحد اطلاع دہندہ تھا جو اس کے بارے میں کچھ جانتا تھا۔ اسے بابا کی اجازت کے بغیر شرڈی چھوڑنے پر بہت افسوس ہوا۔ چنانچہ اس نے بابا سے دعا مانگی اور شرڈی لوٹ جانے کا فیصلہ کیا اسی رات بابا کا نام جپتے ہوئے وہ واپس بھاگا اور سورج نکلنے سے پہلے شرڈی پہنچ کر فکر سے آزاد ہو گیا۔ وہ بابا کی خواہشات کے عین مطابق شرڈی میں مقیم رہا جس سے اس کی بیماری کا بھی علاج ہو گیا۔ ایک دن آدھی رات کے وقت کچھ ایسا ہوا کہ بابا نے عبدل کو لالٹین لانے کے لیے پکارتے ہوئے کہا "کوئی شیطانی جاندار میری چارپائی سے ٹکرا رہا ہے" عبدل لالٹین لے کر آیا، لیکن وہاں کچھ بھی دکھائی نہ دیا۔ بابا نے عبدل کو ساری جگہوں پر ڈھونڈنے کے لیے کہا اور خود اپنے سٹکے سے زمین کو زور زور سے پٹنے لگے۔ بابا کی اس لیلا کو دیکھتے ہوئے امیر نے

اور بالا صاحب سے دور چلا گیا پھر اسے جلد ہی مار دیا گیا۔ یہ وہ تباہی تھی جس کی پیشن گوئی بابا نے کی تھی اور اسے ناکام بھی بنا دیا تھا۔ اس سے بالا صاحب کی محبت بابا کے تئیں ثابت ہو گئی تھی۔

باپو صاحب کو بے انتہا مسرت

ایک بڑے جوتشی نانا صاحب ڈینگلے جو ان دنوں شرڈی میں تھے نے ایک دن باپو صاحب بوٹیسے کہا: "آج کا دن آپ کے لیے بڑا منحوس ہے، آپ کی جان کو خطرہ ہے" اس بات نے باپو صاحب کو پریشان کر دیا۔ جب وہ معمول کے مطابق مسجد میں آئے تو بابا نے اُن سے کہا

"یہ نانا کیا کہتا ہے؟ وہ آپ کی موت کی پیشن گوئی کرتا ہے۔ آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں اس سے نڈر ہو کر کہیئے "ہم دیکھیں گے کہ موت ہمیں کس طرح مارتی ہے" رات کو دیر سے باپو صاحب جب بیت الخلا میں گئے تو انھیں وہاں ایک سانپ دکھائی دیا۔ ان کے نوکر نے اسے دیکھا اور مارنے کے لیے پتھر اٹھایا پر باپو صاحب نے اسے ایک ڈنڈا لانے کو کہا لیکن اس سے پہلے کہ وہ ڈنڈا لے کر لوٹتا سانپ وہاں سے نکل کر غائب ہو گیا۔ باپو صاحب کو بے خوفی سے متعلق بابا کے الفاظ یاد آگئے جس سے انھیں بے انتہا مسرت ہوئی۔

امیر شکر کو ریح کی بیماری

امیر شکر کوپر گاؤں تعلقہ کے ایک گانو کورلے کا رہنے والا تھا۔ وہ ذات کا ایک قصائی تھا۔ وہ باندرہ میں ایک کمیشن ایجنٹ کے طور پر کام کرتا تھا۔ بہت مشہور تھا۔ ایک بار اسے ریح کی شکایت ہو گئی جس سے اس کو کافی درد ہوتا تھا۔ اسی تکلیف کی وجہ سے اسے خدا کی یاد آئی اور وہ سارا کام کاج چھوڑ کر شرڈی پہنچا اور مسجد میں داخل ہو کر بابا

بہت زہریلا و خطرناک ہوتا ہے پر دوار کامائی کے بچوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ جب دوار کامائی حفاظت کرتی ہو تو ناگ کچھ نہیں کر سکتا۔

کچھ لوگ جو وہاں موجود تھے انھیں اس سب کا مفہوم جاننے کی خواہش تھی اور یہ بھی کہ مری کر کا اس سے کیا تعلق تھا۔ لیکن کسی میں حوصلہ نہیں تھا کہ وہ بابا سے اس کے بارے میں دریافت کرے۔ تب بالا صاحب نے بابا کو سلام کیا اور شیاما کے ساتھ مسجد سے نکل گیا۔ بابا نے شیاما کو واپس بلا کر بالا صاحب کے ساتھ چتلی تک جانے کے لیے کہا۔ تب شیاما نے بالا صاحب کے پاس آکر ان سے کہا کہ وہ بابا کی خواہش کے مطابق ان کے ساتھ جائے گا۔ بالا صاحب نے جواب دیتے ہوئے اس سے کہا کہ اسے آنے کی ضرورت نہیں ہے کیوں کہ اس کے لیے یہ تکلیف دہ ثابت ہوگا۔ اس پر شیاما نے بابا کے پاس واپس آکر وہ سب کچھ بتایا جو بالا صاحب نے اس سے کہا تھا۔ بابا نے کہا: ٹھیک ہے مت جاؤ۔ ہمیں اچھا سوچنا اور اچھا کرنا چاہیے تاہم جو کچھ ہونا مقدر ہے وہ ہو کر رہے گا۔

اسی دوران بالا صاحب نے دوبارہ غور کرتے ہوئے شیاما کو بلا کر ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ تب شیاما نے واپس بابا کے پاس جا کر ان سے اجازت لی اور آکر بالا صاحب کے ساتھ ٹانگے پر سوار ہو گیا۔ وہ نو بجے رات چتلی کے مقام پر پہنچے اور ماروتی مندر میں قیام کیا۔ دفتر کے لوگ اب تک نہیں آئے تھے اسی لیے وہ مندر میں بیٹھے ہوئے گپ شپ کرتے رہے۔ بالا صاحب ایک چٹائی پر بیٹھے ہوئے اخبار پڑھ رہے تھے۔ ان کی دھوتی کا اوپر والا حصہ ان کے سینے پر پھیلا ہوا تھا جس کے ایک حصے پر ایک سانپ بیٹھا ہوا تھا جو کسی نے نہ دیکھا تھا۔ اس نے سرسراہٹ پیدا کرتے ہوئے حرکت کرنا شروع کی جسے چپراسی نے سن لیا۔ اس نے لیمپ لا کر اس کی روشنی میں اسے دیکھا اور سانپ سانپ کہہ کر شور مچایا۔ دہشت کے مارے بالا صاحب کانپنے لگے۔ شیاما بھی حیران تھا۔ تب اس سب نے بغیر شور کیے لاٹھیاں اور ڈنڈے اٹھا لیے۔ سانپ خاموشی سے چھاتی سے اتر آیا

ہم ان میں سے ایک پر بات کرتے ہیں یعنی یہ کہ وہ کس طرح اپنے بھگتوں کے مصائب کو روکتے یا ان پر آنے والی تباہیوں سے انھیں بچاتے تھے یا وقت سے پہلے انھیں ان سے باخبر کر دیتے تھے۔

بالا صاحب مری کر کو نصیحت

سردار کاکا صاب مری کر کے فرزند بالا صاحب مری کر کو پر گاؤں کے معاملہ دار تھے۔ وہ "چتلی" جا رہے تھے۔ جاتے ہوئے وہ بابا سے ملنے کے لیے شرڈی آئے۔ جب انھوں نے مسجد میں جا کر بابا کی قدم بوسی کے فرائض انجام دیے تو صحت اور دوسری باتوں سے متعلق بات چیت کرتے ہوئے بابا نے ان کو حسبِ ذیل تنبیہ کی۔ بابا نے پوچھا کیا تم ہماری دوار کا کو جانتے ہو؟ بالا صاحب کو چوں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آیا اس لیے وہ خاموش رہے۔ بابا نے اپنی بات جاری رکھی "جس جگہ آپ بیٹھے ہوئے ہیں یہ ہماری دوراکا مائی ہے۔ یہ ان تمام بچوں کو خطروں اور پریشانیوں سے محفوظ رکھتی ہیں جو اس کی گود میں پناہ لیتے ہیں۔ مسجد مائی بڑی رحم دل ہیں وہ تو سیدھے سادے مریدوں کی ماں ہیں جنھیں وہ تمام تباہیوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ اگر ایک بار کوئی ان کی گود میں پناہ لے لے تو اس کی ساری مشکلات جاتی رہتی ہیں۔ وہ جو ان کے سائے میں بیٹھ جاتا ہے اسے سکون و طمانیت کی دولت ہاتھ آجاتی ہے" بابا نے پھر انھیں اودی دی اور ان کے سر پر اپنا ہاتھ رکھا جو ساری بلاؤں سے محفوظ رکھتا ہے۔ بالا صاحب جب جانے والے تھے تو انھوں نے (بابا نے) ان سے پھر کہا: "کیا آپ لمبے (سانپ) کو جانتے ہیں جو بظاہر تو دراز قد اور شریف ہوتا ہے لیکن حقیقت میں آگ ہے" اس کے بعد انھوں نے بائیں ہاتھ کی مٹھی کو بند کرتے ہوئے اسے دائیں ہاتھ کی کہنی تک لایا اور بائیں بازو کو ناگ کے پھن کی طرح لہراتے ہوئے کہا:-

اچھی اور تسکین دہ ہے بابا اس میں وہ اپنی ٹانگوں کو سمیٹے دائیں ٹانگ کو بائیں گھٹنے پر رکھے بیٹھے ہیں۔ بائیں ہاتھ کی انگلیاں دائیں پاؤں پر پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی دائیں پاؤں کے نیچے پر ہیں۔ اس شبیہ سے بابا یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر تم میری روشنی دیکھنا چاہتے ہو تو انا کو تج کر اور انکساری کے ساتھ میری انگلیوں کے بیچ سے میرے پاؤں کے انگوٹھے کا دھیان کرو۔ اس طرح تم میری روشنی دیکھ سکو گے۔ لگن و یکسوئی حاصل کرنے کا یہ آسان طریقہ ہے۔

اب تھوڑی دیر کے لیے آیئے ہم بابا کے جیون کے بارے میں غور کریں۔ بابا کے قیام کی وجہ سے شرڈی ایک تیر تھ استھان بن گیا تھا۔ ہر فرقے کے لوگ کونے کونے سے وہاں آنے لگے اور امیر و غریب دونوں ان سے کسی نہ کسی صورت سے استفادہ کرنے لگے۔ بابا کی لامحدود محبت ان کے عجیب و غریب علم اور ان کے ہر جگہ موجود ہونے کو کون بیان کر سکتا ہے۔ وہ شخص بہت ہی خوش نصیب ہے جس کو ان میں سے ایک یا سب کا تجربہ حاصل ہو۔ کبھی کبھی بابا طویل عرصے تک خاموشی اختیار کر لیا کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ وہ برہم کے بارے میں غور و خوض کر رہے ہیں۔ کسی وقت وہ مجسم شعور بن کر اپنے بھگتوں سے گھرے ہوئے ہوتے۔ کبھی وہ پہیلیوں میں بات کرتے اور کبھی مزاحیہ اندازِ گفتگو اختیار کرتے۔ کبھی وہ قطعی غیر مبہم انداز اختیار کرتے اور کبھی بہت غصے میں دکھائی دیتے۔ کبھی وہ بڑے اختصار سے اپنی تعلیمات سے نوازتے اور کبھی بڑی تفصیل سے انھیں پیش کرتے۔ اکثر وہ بہت سادہ گفتگو کرتے اور مختلف لوگوں کو ان کی ضرورت کے مطابق اپنی تعلیمات سے نوازتے۔ چنانچہ ان کی زندگی کا احاطہ کرنا ناممکن تھا۔ وہ ہماری سمجھ سے دور نا قابل گرفت اور نا قابل بیان تھی۔ ان کے چہرے کو دیکھنے ان سے گفتگو کرنے اور ان کے کرشموں کو سننے کی ہماری خواہش کی کبھی تشفی نہ ہوتی تھی۔ اس کے باوجود ہمیں بے انتہا خوشی ملتی۔ اب یہاں پر

چودھواں باب

باباکی امداد اور طاقت کے اسباب

سانپ کے ڈنک سے بچانا

ابتدائیہ :- باباکا دھیان کیسے کیا جائے۔ کوئی بھی خدا کی شکل یا اس کی فطرت کو ماپ نہیں سکا ہے۔ وید اور ہزار زبانوں والے شیش ناگ بھی اسے پوری طرح بیان نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن بھگت اسے دیکھے یا جانے بغیر رہ نہیں سکتے، کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اس کے قدم ہی ان کی پناہ ہیں۔ وہ ان مقدس قدموں پر دھیان لگانے کی بجائے اپنے عظیم مقصد کو حاصل کرنے کا اور کوئی طریقہ نہیں جانتے۔ ہیماڈپنت یکسوئی سے دھیان لگانے کا حسبِ ذیل آسان طریقہ سمجھاتے ہیں۔

جس طرح ہر مہینے اماوس کا اندھیرا دھیرے دھیرے ختم ہوتا ہے اسی طرح چاندنی بھی اس ترتیب میں کم ہو جاتی ہے اور نئے چاند کے دن چاند ہمیں بالکل دکھائی نہیں دیتا اور نہ ہی ہم اس کی روشنی پاتے ہیں۔ چنانچہ جب روشن پکھواڑے کی راتیں شروع ہوتی ہیں تو لوگ چاند دیکھنے کے لیے بہت پریشان ہوتے ہیں۔ پہلے دن چاند نظر نہیں آتا اور دوسرے دن بھی وہ صاف دکھائی نہیں دیتا۔ تب لوگوں سے کہا جاتا ہے کہ وہ درخت کی دو ٹہنیوں کے بیچ سے دیکھیں جب وہ اس طرح سے پوری توجہ سے دیکھنے لگتے ہیں تو ہلال کی صورت میں بہت دور واقع چاند ان کی نظر کے دائرے میں آجاتا ہے اسی طرح آیئے ہم باباکی روشنی کو دیکھنے کی کوشش کریں۔ باباکی شبیہ کو دیکھئے وہ کتنی

لیے وہ اسے جو کچھ بھی دے گا وہ اس کے لیے بہتر ہو گا۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اپنشد اس بات سے منع کرتا ہے کہ دوسرے کی جائیداد پر قبضہ کیا جائے۔ حقیقت میں اس کے ذریعے ہمیں بہتر طریقے سے اپنے مقدر سے اس یقین کے سات مطمئن رہنے کا سبق دیا گیا ہے کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ قدرت کی طرف سے پہلے طے ہوتا ہے اور اس لیے ہمارے لیے بہتر ہوتا ہے۔ اس سے دوسرا سبق ہمیں یہ ملتا ہے کہ انسان کو ہمیشہ خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے عمل کرتے رہنا چاہیے۔ اس اپنشد کے مطابق بے عملی اور کاہلی روح کے لیے سم قاتل ہے۔ جب انسان اپنی زندگی اسی طرح عمل کرتے ہوئے گزارتا ہے تو اس کی زندگی لاثانی منزل تک پہنچنے کی امید کی جاسکتی ہے۔ آخر میں اس کا متن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ وہ انسان جو سب کو خدا کے وجود کا حصہ سمجھتا ہے اور خدا کو سب کے وجود میں دیکھتا ہے اور حقیقت میں جس کے لیے سارے انسان اور ہر شے جو وجود رکھتی ہے وہ خدا کے وجود کا حصہ بن جاتی ہے وہ محبت کے کرب کا شکار نہیں ہو سکتا۔ اس انسان کے لیے دکھ کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟ نفرت، محبت اور دکھ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ ہم ہر شے میں آتما کو نہیں دیکھ سکتے یعنی خدا کو نہیں دیکھ پاتے۔ لیکن وہ انسان جو سب میں وحدت کو دیکھ سکتا ہے اور جس کے لیے ہر شئے اس خدائے واحد کا حصہ بن جاتی ہے اسے انسانیت کے عام دکھ متاثر نہیں کر سکتے۔

اپدیش دینے کا لاثانی طریقہ

اوپر پیش کیے واقعے سے قاری کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ دوسروں کو سکھانے کے لیے بابا مختلف لاثانی طریقے استعمال کرتے تھے۔ بابا تو خود شرڈی سے کہیں نہیں جاتے تھے لیکن وہ کچھ کو پھر ندر گڑھ، کچھ کو کولہا پور یا شولاپور سادھنا کے لیے بھیجتے تھے۔ کچھ کو وہ ظاہرا شکل وصورت میں ملتے تھے۔ کچھ کو وہ جاگتے یا سوتے خواب میں دن رات دکھائی دیتے اور ان کی خواہشات کو پورا کرتے۔ اپنے بھگتوں کو اپدیش دینے کے لیے وہ جو مختلف طریقے استعمال کرتے ان سب کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ جہاں تک اس مثال کا تعلق ہے انھوں نے داس گنو کو ولے پارلے بھیجا جہاں اس کا مسئلہ ایک خادمہ کے ہاتھوں حل ہوا۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ داس گنو کو باہر بھیجنا ضروری نہیں تھا۔ بابا اسے خود بھی سبق سکھا سکتے تھے۔ انھیں ہمارا جواب یہ ہے کہ بابا نے بالکل ٹھیک کیا ورنہ داس گنو کو یہ سبق کیسے ملتا کہ اس غریب خادمہ کے وجود اور اس کی ساڑی کے بھیس میں بابا خود موجود تھے۔ اب ہم اس باب کو اس اپنشد کے ایک اور اقتباس کے ساتھ ختم کرتے ہیں۔

ایش اپنشد کی اخلاقیات

ایش اپنشد کی اہم خصوصیات میں سے ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ اخلاقی درس دیتا ہے اور سب سے قابلِ توجہ دلچسپ بات یہ ہے کہ اس اپنشد کی ساری اخلاقیات فوق الفطری بنیاد پر کھڑی ہے جس کو اس میں پیش کیا گیا ہے۔ اپنشد کے شروع کے الفاظ ہی ہمیں یہ بتاتے ہیں کہ خدا ہر شے میں موجود ہے اس سے یہ اخلاقی درس ملتا ہے کہ انسان کو ہر اس شے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے خوش رہنا چاہیے جو خدا اسے عنایت کرتا ہے اور اس بات پر مکمل یقین رکھنا چاہیے کہ چوں کہ وہ ہر شے میں موجود ہے اس

کاکا صاحب دیکشت کی نوکرانی اور ناسمیاتی بہن ہے وہ یہ گیت گارہی ہے۔ یہ لڑکی ایک پھٹی پرانی ساڑی میں ملبوس برتن صاف کررہی تھی۔ غربت میں بھی خوش رہنے والی اس کی اس حالت کو دیکھ کر داس گنو کو اس پر رحم آگیا۔ جب دوسرے دن راؤ بہادر ایم۔وی۔ پردھان نے گنو کو دھوتیوں کا ایک جوڑا دیا تو اس نے اس سے درخواست کی کہ وہ ایک ساڑی اس غریب لڑکی کو بھی دے دے۔ راؤ بہادر نے ایک خوبصورت چھوٹی ساڑی لاکر اسے بھی دی۔ جس طرح ایک بھوکے انسان کو کھانا ملنے پر بے انتہا خوشی ہوتی ہے اسی طرح ساڑی پاکر اس لڑکی کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ دوسرے دن اس نے نئی ساڑی پہن لی اور خوشی سے ناچنے لگی۔ دوسری لڑکیوں کے ساتھ ناچتے ہوئے وہ ان سب سے بازی لے گئی۔ اگلے روز اس نے نئی ساڑی صندوق میں رکھ کر پھر پرانی پھٹی ہوئی ساڑی پہن لی لیکن اب بھی وہ پچھلے دن کی طرح ہی خوش نظر آرہی تھی۔ یہ دیکھ کر داس گنو کی رحم دل نظر تعریف میں بدل گئی۔ اس نے سوچا کہ غریب ہونے کی وجہ سے لڑکی نے نئی ساڑی کو سنبھال کے رکھ دیا ہے اور پھٹی پرانی ساڑی پہن کر بھی اس کے چہرے پر غم یا مایوسی کا کوئی تاثر نہیں ہے۔ تب اسے پتا چلا کہ خوشی یا غم یا سکھ اور دکھ ہمارے سارے احساسات ہمارے من کے رویے پر منحصر ہوتے ہیں۔ اس واقعہ پر مزید گہرائی سے غور کرنے پر اس نے محسوس کیا انسان کو ہر اس حالت میں خوش رہنا چاہیئے جس میں خدا اسے رکھے اور اس بات پر یقین رکھنا چاہیئے کہ خدا ہی سب کچھ کرتا ہے۔ اس لیے وہ انسان کو جس حالت میں بھی رکھتا ہے اسی میں اس کی بھلائی ہوتی ہے۔ اس واقعے میں لڑکی کی غربت، اس پھٹی پرانی اور نئی ساڑی، نئی ساڑی دینے والا اور اسے لینے والی یہ سب خدا ہی کے کھیل تھے اور وہ ان سب میں موجود تھا۔ اس سب میں داس گنو نے اپنشد کا صحیح مفہوم کا سبق حاصل کیا کہ جو کچھ بھی ہوتا ہے وہ پہلے سے خدا نے طے کرر کھا ہوتا ہے۔ اور اسی میں ہماری یعنی انسان کی بھلائی ہوتی ہے۔

آزادی حاصل کی جا سکتی ہے۔ چنانچہ بابا نے سوچا کہ وہ جس نے خود کو پالیا ہے وہی اپنشدوں کی صحیح ترجمانی کر سکتا ہے۔ جب داس گنو کو کوئی بھی مطمئن نہ کر سکا تو اس نے سائی بابا سے مشورہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب اسے موقع ملا تو وہ شرڈی جا کر بابا سے ملا اور ان کے قدموں میں گر کر انھیں ایش اپنشد سے متعلق اپنی مشکل سے آگاہ کیا اور صحیح حل پیش کرنے کی استدعا کی۔ سائی بابا نے اسے آشیرواد دے کر کہا۔

"تمھیں فکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی مشکل نہیں ہے۔ کاکا صاحب دیکشت کی خادمہ واپس گھر جاتے ہوئے پارلے کے مقام پر تمہارے شکوک رفع کر دے گی۔" جو لوگ وہاں موجود تھے انھوں نے یہ سن کر سوچا کہ بابا مذاق کر رہے ہیں۔ اس لیے انھوں نے کہا۔

"اس طرح کے مشکل مسئلے کو کس طرح ایک ان پڑھ خادمہ حل کر سکتی ہے" لیکن داس گنو اس کے برعکس سوچ رہا تھا۔ اس کو پورا یقین تھا کہ بابا نے جو کچھ کہا ہے وہ بالکل سچ ہوگا۔ بابا کے الفاظ برہم (Brahm) کے حکم کا درجہ رکھتے تھے۔

کاکا کی نوکرانی

بابا کے یہ الفاظ سن کر داس گنو شرڈی سے روانہ ہو کر ممبئی کے مضافات میں واقع ایک جگہ "ولے پارلے" میں کاکا صاحب دیکشت کے ہاں ٹھہرا۔ دوسرے دن صبح کے وقت جب داس گنو نیند کے مزے لے رہا تھا (کچھ کے مطابق وہ اس وقت عبادت میں مشغول تھا) تو اس نے ایک غریب لڑکی کو بہت ہی سریلی آواز میں ایک خوبصورت گانا گاتے ہوئے سنا۔ گانے کا موضوع تھا:- گلابی رنگ کی ساڑی۔ گانے میں ساڑی کی اچھائی اس پر کی گئی کشیدہ کاری اس کے خوبصورت کناروں اور بارڈر وغیرہ کی تعریف کی گئی تھی۔ گنو کو یہ گیت اتنا پسند آیا کہ وہ باہر نکل آیا۔ اس نے دیکھا کہ ایک نوجوان لڑکی جو

انھیں اپنے تصور میں لائیں۔ آپ انھیں تصور میں لا کر ان سے محظوظ ہو سکتے ہیں۔ اب ہم بابا کو تصور میں لاتے ہوئے اور ان کے بارے میں غور و خوض کرتے ہوئے اس کہانی کی طرف لوٹتے ہیں جو اس باب کا مرکزی موضوع ہے۔

ایش اپنشد

داس گنو نے ایک بار ایش اپنشد کو مراٹھی میں لکھنے کی کوشش کی۔ پہلے اس اپنشد کے بارے میں آپ کو کچھ بتادیں۔ اس کو منتر اپنشد کہتے ہیں کیوں کہ یہ ویدوں کے منتروں پر مشتمل ہے۔ یہ یجروید کے چالیسویں باب پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس کو واجسنیسی سمہت اپنشد کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ ویدک سمتھا پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اس کو دوسرے سبھی اپنشدوں سے برتر تصور کیا جاتا ہے۔ یہی نہیں دوسرے اپنشد ایش اپنشد کی تفسیر سمجھے جاتے ہیں۔ مثلاً سب سے بڑے اپنشد یعنی "بر ہدار نیک اپنشد" کو پنڈت ساتویلکر ایش اپنشد کی آزاد تفسیر قرار دیتے ہیں۔ پروفیسر آر۔ڈی رانا ڈے کہتے ہیں کہ ایشو پنشد اگرچہ بہت مختصر سا ہے لیکن اس میں بہت سے ایسے اشارے موجود ہیں جو عمیق نظر کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اٹھارا اشعار کے محدود دائرے میں وہ آتما کے بارے میں بڑی اہم اور صوفیانہ وضاحت سمیٹ لیتا ہے۔ اس میں ایک ایسے غیر معمولی سنت کی تعریف پیش کی گئی ہے جو دنیا کی ساری خوشیوں اور غموں کے بیچ میں ثابت قدم رہتا ہے اور ان سے متاثر نہیں ہوتا۔ اس سے بعد میں کرم یوگی کا تصور ابھرا جس سے علم و عمل کے دعووں میں مفاہمت پیدا کرنے میں مدد ملی۔

ست گورو ہی وضاحت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے

جیسا کہ ہم نے دیکھا کہ یہ اپنشد سارے اپنشدوں کی روح ہے۔ یہ خود کو پانے والی سائینس ہے یہ ایک ایسا ہتھیار ہے جس سے زندگی اور موت کی جکڑ بندیوں کو توڑ کر

تیرہواں باب

بابا فرشتہ حفاظت

[داس گنہ کا مسئلہ جس کو کاکا صاحب دیکشت کی نوکرانی نے حل کیا۔]

ابتدائیہ

سائی شروع میں کوئی مادی وجود نہیں رکھتے تھے۔ انھوں نے اپنے بھگتوں کے لیے مادی ہئیت اختیار کی۔ انھوں نے اداکارہ مایا کی مدد سے اس کائینات کے بڑے ڈرامے میں اداکار کا کردار ادا کیا۔ آیئے سائی بابا کو یاد کرنے کے ساتھ ساتھ انھیں اپنے تصور میں لائیں آیئے ہم شرڈی چل کر وہاں دوپہر کے وقت کی آرتی کا بغور جائزہ لیں۔ جب دوپہر کی آرتی ختم ہوتی تو اس کے بعد بابا مسجد سے باہر آکر اس کے کنارے پر کھڑے ہوتے ہوئے محبت و پیار بھری نظروں سے اپنے بھگتوں میں شیرنی تقسیم کرتے۔ بھگت بھی اسی جوش و جذبے کے ساتھ انھیں دیکھتے ہی کھڑے ہو جاتے۔ وہ ان کے قدموں کو پکڑتے ہوئے ان کی اور دیکھتے اور اودی (راکھ) کی ہوتی ہوئی برسات سے لطف اندوز ہو جاتے۔ وہ مٹھیاں بھر بھر کے اودی بھگتوں کو دیتے اور اسی سے ان کے ماتھے پر نشان بھی لگاتے۔ ان کے لیے بابا کے دل میں بے انتہا محبت تھی۔ پھر وہ بھگتوں سے یوں مخاطب ہوتے۔ ”او بھائیو! دوپہر کا کھانے کھانے کے لیے جاؤ۔ انا تم اپنی قیام گاہ کی طرف جاؤ باپو تم اپنے کھانے کا مزہ لو“ اس طرح وہ ہر بھگت سے مخاطب ہوتے اور پھر اسے گھر روانہ کرتے۔ اب بھی آپ ان مناظر سے لطف اندوز ہو سکتے ہیں۔ اگر آپ

97.1

رادھا کرشنا مائی جو ایک بڑے اونچے خاندان کی بہوتھی بابا کے آشرم کی صفائی کر رہی ہیں۔

بھگت کو جو "ہٹھ یوگ" کر رہا ہو تا یوگ ترک کر کے خاموشی سے انتظار کرنے کی تلقین کرتے۔ ہدایت دینے کے لیے بابا کو کون کون سے طریقے استعمال کرتے ان سب کو بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ انھوں نے روز مرہ کی زندگی کے برتاؤ کے سلسلے میں اپنے اعمال سے مثالیں قائم کیں جن میں سے ایک نیچے بیان کی جارہی ہے۔

مزدور کی اجرت

ایک دن دوپہر کے وقت بابا نے رادھا کرشنا مائی کے گھر کے پاس آکر کہا "میرے لیے سیڑھی لاؤ" کچھ لوگوں نے سیڑھی لائی بابا اس کے ذریعے وامن گوند کر کے گھر کی چھت پر چڑھ گئے۔ پھر رادھا کرشنا مائی کی چھت سے گزرتے ہوئے دوسرے کونے سے نیچے اترے۔ بابا کا مقصد یہ سب کرنے سے کیا تھا؟ کسی کو معلوم نہ تھا۔ رادھا کرشنا مائی اس وقت ملیریا کے بخار میں سردی سے کانپ رہی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ اسے بخار سے نجات دلانے کے لیے وہاں گئے ہوں۔ نیچے اترنے کے فوراً بعد بابا نے سیڑھی لانے والوں کو دو روپے دیے۔ کسی نے ہمت کر کے بابا سے یہ دریافت کیا کہ انھوں نے اتنے سے کام کے لیے اتنے پیسے کیوں دیے۔ انھوں نے جواب میں کہا کہ کسی کو بھی کسی سے محنت مفت نہیں لینی چاہیے۔ مزدور کو اس کی محنت کی اجرت فوراً اور فراخدلی سے دی جانی چاہیے۔ اگر بابا کے اصول کی پیروی کرتے ہوئے مزدوروں کو ان کی اجرت فوراً دی جاتی رہے تو ایک طرف تو وہ زیادہ سے زیادہ محنت کریں گے جس سے مزدوروں اور ان کے مالکوں کو زیادہ فائدہ ہو گا اور دوسری طرف ہڑتالوں اور تالابندیوں کا سلسلہ بھی ختم ہو جائے گا۔ نہ مزدوروں اور ان کے مالکوں کے درمیان نفرت کے جذبات پیدا ہوں گے۔ رادھا کرشن مائی نے کسی مزدور کی اجرت نہیں دی تھی۔ تب سے وہ ہر روز بابا کے آشرم کی صفائی کرتی رہی اور اُس نے بیماری سے نجات پائی۔

نے اس شکل میں جنم لیا تھا اور اگر کوئی بھگت خود کو کلیتاً ان کے تئیں وقف کرتے ہوئے دن اور رات ان کے دھیان یا عبادت میں لگا رہتا تو اسے ان سے اسی طرح مکمل وصال حاصل ہوتا جس طرح کھانڈ اور مٹھاس، سمندر اور لہروں اور آنکھ اور اس کی چمک کے درمیان اتصال ہوتا ہے۔ جو پیدا ہونے اور مرنے کے چکر سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے اسے اپنے من کو شانت اور پرسکون رکھتے ہوئے صحیح زندگی گزارنی چاہیے اسے ایسے سخت الفاظ یا لب و لہجے میں بات نہ کرنی چاہیے جس سے دوسرے کو تکلیف پہنچے۔ اسے ہمیشہ اچھے اعمال کرنے چاہیے اپنے فرائض پورے کرنے چاہئیں اور اپنے دل اور روح کو خدا کے تئیں وقف کر دینا چاہیے۔ اسے پھر کسی سے نہیں ڈرنا چاہیے۔ جو خدا پر یقین رکھتا ہے اس کے کرشمے سنتا اور دیکھتا ہے اور ان کے سوائے کسی اور شے کے بارے میں نہیں سوچتا اس کا خود کو پالینا یقینی ہے۔ بابا کئی لوگوں کو اس کا نام جپنے اور خود و اس کے تئیں وقف کر دینے کے لیے کہتے رہے لیکن جو لوگ یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ وہ کون ہیں ان کو وہ مطالعے اور گیان دھیان کی ہدایت کرتے، کچھ کو وہ خدا کا نام جپنے کی تلقین کرتے، دوسروں کو اس کی لیلاؤں کا ذکر سننے کی، کچھ کو اس کے قدموں کی پوجا کرنے کی، کچھ کو رامائن، گیانیشوری اور دوسری مقدس کتابوں کا پاٹھ کرنے کی۔ کچھ کو وہ اس کے قدموں کے پاس بٹھاتے، کچھ کو کھنڈوبا مندر بھیجتے اور کچھ کو بھگوان وشنو کے ہزار ناموں کا جاپ کرنے کے لیے کہتے۔ کچھ کو گیتا اور چھاندوگیہ اپنشد کا مطالعہ کرنے کی تلقین کرتے۔ بابا کی ہدایات کے لیے کوئی پابندی یا ان کی کوئی حد مقرر نہیں تھی۔ کسی کو وہ خود ظاہر ہو کر ہدایت دیتے۔ کسی کو خواب میں نمودار ہو کر۔ ایک بار ایک شراب پینے والے کے خواب میں نمودار ہو کر اس کی چھاتی پر سوار ہو گئے اور اس وقت تک اس کو دباتے رہے جب تک کہ اس نے شراب کو ترک کر دینے کا وعدہ نہیں کیا۔ کچھ کو وہ گورو برہما کی طرح خواب میں نمودار ہو کر کسی منتر کی وضاحت کرتے۔ کسی

مٹی، پانی اور صابن وغیرہ سے۔ لیکن اسکینڈل بنانے والے کا بالکل اپنا ہی طریقہ ہے۔ وہ دوسروں کی کمزوریاں زبان سے صاف کرتا ہے۔ چنانچہ وہ جس کی برائی کرتا ہے اسے ایک طرح سے پاک کرتا ہے اس طرح اس کا شکریہ ادا کیا جانا چاہیئے۔ اسکینڈل بنانے والے کو درست کرنے کا بابا کا اپنا الگ طریقہ تھا۔ اسے یہ معلوم رہتا تھا کہ برائی کرنے والے نے کیا کیا ہے۔ چنانچہ دوپہر کے وقت جب ان کی اس برائی کرنے والے سے لینڈی باغ کے پاس ملاقات ہوتی تو وہ اشارہ کرتے ہوئے ایک سور کی طرف متوجہ کرتے جو گندگی کھا رہا ہوتا۔ پھر وہ اس سے کہتے: دیکھو کس مزے سے گندگی کھا رہا ہے۔ تمہارا کردار بھی ایسا ہی ہے۔ تم بھی اپنے بھائیوں کی برائی جی بھر کے کرتے ہو۔ بہت سے نیک کام کرنے کے بعد تمہیں انسان کا جنم ملا ہے اور اگر تم ایسا ہی کرتے رہے تو کیا شرڈی گاؤں تمہاری کوئی مدد کر سکتا ہے۔" اس سے بھگت کو سبق مل جاتا اور وہ نیک انسان بن کر وہاں سے جاتا۔

اس طرح بابا کو جب بھی ضرورت محسوس ہوتی اپدیش دیتے رہے۔ اگر تم ان ہدایات کو ذہن میں رکھ کر ان پر عمل کرتے رہو تو روحانی منزل کو حاصل کرنا دور نہیں ہے۔ ایک کہاوت ہے کہ اگر خدا میرے ساتھ ہے تو وہ مجھے چارپائی پر بیٹھے ہوئے بھی کھانا دے گا اور میری ضروریاتِ زندگی پوری کرے گا۔ یہ کہاوت صرف کھانے پینے کے سلسلے میں ہی سچ لگ سکتی ہے۔ لیکن اگر کوئی آدمی صرف بیٹھا رہے اور خدا کو یاد نہ کرے یا کچھ بھی نہ کرے تو وہ تباہ ہو جائے گا۔ خود کو پانے کے لیے انسان کو سخت محنت او ریاضت کرنا پڑتی ہے۔ وہ جتنی کوشش کرتا ہے اتنی ہی اس کے لیے بہتر ہوتی ہے۔

بابا کہتے تھے کہ وہ ہر جگہ موجود ہیں چاہے وہ زمین ہے، ہوا ہے، خلا ہے، روشنی و آسمان ہے۔ انھیں کسی ایک جگہ قید نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے ان لوگوں کی غلط فہمی دور کرنے کی کوشش کی جو ان کے جسم کو صرف پانچ فٹ لمبا تصور کرتے تھے۔ انھوں

جب وہ دیکشت واڈا اور بوٹی واڈ کے قریب سے گزر رہا تھا تو اسے ایک بہت ہی سریلا گانا سنائی دیا جو بابا کے سامنے اورنگ آباد کا ایک گایک گا رہا تھا۔ یہ گانا ایکناتھ کا بھجن:۔ ''گورو کرپانجن پائیو میرے بھائی'' تھا جس کا مفہوم یہ تھا کہ بھگت نے گورو کی شان کی شکل میں ایک ایسا سرمایہ پایا ہے جس نے اس کی نظر کھول دی ہے اور اس نے بھگوان رام کو خواب میں بھی اور جاگتے ہوئے بھی ہر جگہ دیکھا ہے۔'' اور بھی بہت سے بھجن تھے پر بابا کے اس بھگت نے صرف یہی بھجن کیوں چنا تھا۔ کیا یہ ایک عجیب و غریب حسنِ اتفاق نہیں تھا کہ بابا نے یہ ہیماڈپنت کی حوصلہ افزائی کے لیے کیا تھا تاکہ وہ سارا دن لگاتار رام نام جپتا رہے۔

سبھی سنت اس بات پر زور دیتے ہیں کہ رام کا نام جپنے سے بھگتوں کی تمنائیں پوری ہوتی ہیں اور انھیں سب تباہیوں سے بچنے میں کامیابی حاصل ہوتی ہے۔

اپدیش میں تنوع اور تہمت لگانے والے کی مذمت

سائی بابا کو اپدیش دینے کے لیے کسی خاص جگہ یا وقت کے تعین کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ جب بھی کوئی ایسا موقع پیدا ہو جاتا تو وہ آزادانہ طور پر اپدیش دیتے۔ ایک بار ایسا ہوا کہ ایک بھگت نے دوسرے کی غیر حاضری میں یعنی اس کے پیٹھ پیچھے لوگوں کے سامنے اس کی برائی کی۔ اس نے اپنے بھائی کی خوبیوں کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اس کی خامیوں پر طنز کے اس قدر تیر برسائے کہ سننے والوں کو بہت مایوسی ہوئی۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ کچھ لوگوں کو غیر ضروری طور پر دوسروں کے بارے میں سازشیں کرنے اور اسکنڈل کھڑے کرنے کی بری عادت ہوتی ہے۔ اس سے نفرت اور دشمنی پھیلتی ہے۔ سنت لوگ اس طرح کے اسکنڈلوں کو دوسری ہی نظر سے دیکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ گندگی کو صاف کرنے کے بہت سے طریقے ہیں یعنی

اور جب تک یہ احساس ختم نہیں کیا جاتا وصال یا ہم آہنگی ممکن نہیں ہے۔ خدا ہی واحد مالک ہے۔ کوئی دوسرا ہمارا محافظ نہیں ہے۔ اس کے کام کرنے کا طریقہ غیر معمولی، نہایت اہم اور سمجھ سے باہر ہے۔ وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور وہی ہمیں راستہ دکھاتا ہے اور ہمارے دل کی تمنائیں پوری کرتا ہے۔ یہ پچھلے جنم کے تعلقات کی وجہ سے ہی ہے کہ ہم اکٹھے ہوئے ہیں۔ آؤ ہم ایک دوسرے کی خدمت کر کے خوشی حاصل کریں جو زندگی کا اعلا مقصد حاصل کرتا ہے وہ خوشی اور حیاتِ دوام حاصل کر لیتا ہے باقی اور محض وجود رکھتے ہیں اور اس وقت تک زندہ رہتے ہیں جب تک وہ سانس لیتے ہیں۔

اچھے خیالات کو پھل تک پہنچانے کے لیے حوصلہ افزائی

یہ بڑی دلچسپ اور قابلِ توجہ بات ہے کہ سائی بابا کس طرح اچھے خیالات کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور ان کی ترغیب دیتے تھے۔ تمہیں اپنے آپ کو پوری طرح محبت اور یکسوئی سے بھگوان کے حوالے کرنا ہے۔ تم دیکھو گے کہ وہ کس طرح کبھی کبھی بہت سی باتوں میں تمہاری مدد کرتا ہے۔ کسی سنت نے کہا ہے کہ اگر آپ کو سویرے جاگتے وقت کوئی اچھا خیال آئے اور دن کے وقت اگر آپ اسی خیال پر غور وخوض کریں تو آپ کی عقل کھل جائے گی اور من کو شانتی ملے گی۔ ہیماڈ پنت اس پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ ایک بدھ وار کی رات کو سونے سے پہلے اس نے سوچا کل گوروار (جمعرات) ہے جو بہت ہی نیک شگون کا دن ہے اور یہ جگہ یعنی شرڈی بھی اسی طرح مقدس مقام ہے۔ میں کل سارا دن رام کا نام جپنے میں صرف کروں گا۔ اس کے بعد وہ سو گیا۔

اگلے روز جب وہ نیند سے جاگا تو اسے بغیر کسی کوشش کے رام کا نام یاد آ گیا۔ اس سے اسے بہت خوشی ہوئی۔ چنانچہ صبح کے فرائض کی ادائیگی کے بعد وہ پھول لے کر بابا کے پاس گیا۔

طرح میٹھی ہو گی۔ تمہاری ساری خواہشات پوری ہوں گی اور تم خوش ہو جاؤ گے۔ ہیماڈ پنت نے بابا کے سامنے جھکتے ہوئے گزارش کی: اس طرح مجھ پر کرم کرتے رہیں۔ مجھے آشیر واد دیتے رہیں اور میری حفاظت کریں۔ بابا نے جواب دیا: اس کہانی کو سنو، اس کے بارے میں غور و خوض کرو اور اس کی روح کو اپنی زندگی کا حصہ بناؤ۔ تب تم ہمیشہ خدا کے بارے میں غور و خوض کرنا یاد رکھو گے جو تمہیں اپنے درشن سے نوازے گا۔

بابا کی نصیحت ہمارے برتاؤ کے بارے میں

بابا کے مندرجہ ذیل الفاظ بہت ہی اہم ہیں۔ اگر انھیں یاد رکھتے ہوئے ان پر عمل کیا جائے تو ان سے فائدہ ہو گا۔

(1) جب تک کوئی تعلق یا رشتہ نہ ہو کوئی شخص کہیں نہیں جاتا۔ اگر کوئی انسان یا جاندار تمہارے پاس آتے ہیں تو انھیں دھتکارنے کے بجائے ان کا استقبال کرتے ہوئے ان سے بہتر برتاؤ کرنا چاہیے اور ان سے عزت سے پیش آنا چاہیے۔ اگر تم پیاسے کو پانی، بھوکے کو کھانا اور ننگے کو کپڑا دیتے ہو اور اپنے مکان کا برآمدہ بیٹھنے اور آرام کرنے کے لیے اجنبیوں کو دیتے ہو تو اس سے خدا تم سے خوش ہو گا۔ اگر کوئی تم سے پیسے مانگتا ہے اور تم اسے دینا نہیں چاہتے تو نہ دو پر اس پر کتے کی طرح نہ بھونکو۔ اگر کوئی تمہارے خلاف سینکڑوں باتیں کرتا ہے تو اسے کرنے دو پر تم اس کو کوئی کڑوا جواب دے کر غصے کا اظہار نہ کرو۔ اگر تم یہ باتیں ہمیشہ برداشت کرو گے تو تمہیں خوشی حاصل ہو گی۔ دنیا چاہے ادھر کی ادھر ہو جائے یا اتھل پتھل ہو جائے پر تم جہاں کھڑے ہو وہیں کھڑے رہو۔ اپنی جگہ پر ثابت قدم رہو۔ فرق کی اس دیوار کو ڈھا دو جو تمہیں مجھ سے جدا کرتی ہے۔ تب ہمارے ملاپ کی راہ صاف اور ہموار ہو جائے گی۔ فرق کا احساس جیسے کہ میں اور تم یہ ایک ایسی رکاوٹ ہے جو بھگت کو اس کے گورو سے دور رکھتی ہے۔

سچی شانتی مل گئی ہے اور صحیح راستہ بھی نظر آگیا ہے۔

تب بابا نے اس طرح کہا: یاد رکھو میرا طریقہ بالکل مختلف ہے۔ اس کہانی کو اچھی طرح یاد رکھو۔ اس سے آپ کو فائدہ ہوگا۔ اپنے آپ کو جاننے کے لیے غور و فکر کرنا یا دھیان کرنا ضروری ہے۔ اگر تم اس پر مسلسل عمل کرو تو خیالات کی تشفی ہو گی۔ خواہشات سے نجات حاصل کرنے کے لیے خدا کی طرف دھیان لگانا ضروری ہے۔ جو ہر شے میں موجود ہے اور جب من توجہ سے دھیان لگاتا ہے تو منزل آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے۔ میری ساخت سے عاری فطرت کے بارے میں دھیان لگاؤ جو مجسم علم شعور اور روحانی مسرت یا آنند ہے۔ اگر تم یہ نہیں کر سکتے تو سر سے لے کر پاؤں تک میرے جسم کے بارے میں غور و خوض کرو جس کو تم یہاں دن رات دیکھتے ہو۔ تم جیسے جیسے یہ کرو گے تو تمہارے خیالات ایک نقطے پر مرکوز ہو جائیں گے۔ تو غور و خوض کرنے والے، غور و خوض کے عمل اور جس کے بارے میں غور و خوض کیا جا رہا ہے سب کے درمیان فرق مٹ جائے گا اور غور و خوض کرنے والا شعور میں تحلیل ہو کر برہم سے مل جائے گا۔ کچھوے کی ماں دریا کے ایک کنارے پر ہو اور اس کے بچے دوسرے کنارے پر۔ وہ انھیں نہ تو دودھ دیتی ہے نہ گرمی۔ اس کی صرف نظر ان بچوں کے لیے امرت کی پھوار ہے جو زندہ رہنے اور خوشی حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے۔ گورو اور بھگت کے درمیان یہی رشتہ ہے۔

بابا کے ان الفاظ کے ساتھ ہی آرتی ختم ہو گئی اور سب نے مل کر یہ نعرہ بلند کیا ہمارے ست گورو سائی مہاراج کی جے ہو، جو وجود (ست)، علم (چت) اور آنند ہیں۔ آرتی کی رسم ادا کرنے کے بعد سب میں پرشاد تقسیم کیا گیا۔ بابا صاحب جوگ نے آگے بڑھ کر بابا کے ہاتھ میں مٹھی بھر کے گڑ رکھ دیا۔ بابا نے یہ سارا پرشاد ہیماڈ پنت کے ہاتھ میں دیتے ہوئے کہا ''اگر تم اس کہانی کو یاد رکھ لو گے تو تمہاری حالت اس گڑ کی

کے گلے سے ایک لفظ بھی نہ نکلا اس کی اس حالت کو دیکھ کر شاما نے اس سے کہا۔
"کیا بات ہے تم خاموش ہو۔ میں تمہیں بابا کی اور کتنی لیلاؤں کی کہانی سناؤں؟"
عین اس وقت مسجد سے گھنٹی کی آواز آنے لگی جس کا مطلب تھا کہ دوپہر کی آرتی شروع ہو گئی ہے۔ چنانچہ ہیماڈپنت اور شیاما دونوں اُسی طرف جلدی سے روانہ ہو گئے۔ باپو صاحب جوگ نے ابھی ابھی پوجا شروع کی تھی۔ خواتین اوپر مسجد میں اور مرد نیچے کھلے احاطے میں کھڑے تھے اور وہ سب ڈھول کے تال پر اونچی آواز میں آرتی گا رہے تھے۔ شیاما ہیماڈپنت کو کھینچتے ہوئے اوپر چڑھ گیا۔ وہ بابا کے دائیں طرف اور ہیماڈپنت بابا کے سامنے بیٹھ گئے۔ انھیں دیکھتے ہوئے بابا نے ہیماڈپنت کو دکشنا دینے کے لیے کہا۔ اس نے جواب میں کہا کہ شاما نے روپے کی جگہ صرف نمسکار دیا تھا اور وہ خود ان کے پاس موجود تھا۔ بابا نے پھر کہا خیر اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ کیا تم دونوں نے وہاں بیٹھ کر گپ شپ کی اور اگر تمہارا جواب ہاں میں ہے تو مجھے وہ سب کچھ بتاؤ جس کے بارے میں تم نے بات چیت کی۔ ہیماڈپنت بابا کو وہ سب کچھ سنانے کے لیے بے تاب تھا۔ بابا بھی ایسا ہی محسوس کر رہے تھے چنانچہ انھوں نے وہ شہتیر جس پر وہ بیٹھے تھے چھوڑ دی اور آگے کی طرف جھک گئے۔ ہیماڈپنت نے وہ سب کچھ بابا کو کہہ سنایا جو اس نے شاما سے سنا تھا۔ خصوصاً اس بوڑھی عورت کی کہانی بہت ہی اچھی تھی جسے سن کر اس نے سوچا کہ بابا کی لیلا بیان سے باہر تھی اور اس کہانی کے پردے میں دراصل بابا نے اسے آشیرواد دیا تھا۔ بابا نے تب اس سے پوچھا یہ کہانی بہت ہی اچھی ہے پر تمہیں کس طرح آشیرواد ملا میں تم سے یہ ساری بات تفصیل سے سننا چاہتا ہوں۔ تب ہیماڈپنت نے وہ ساری کہانی دوہرا دی جسے اس نے تھوڑی دیر پہلے سنا تھا اور جس نے اس کے دل پر کبھی نہ ختم ہونے والا اثر ڈالا تھا۔ یہ سن کر بابا کو بڑی خوشی ہوئی اور انھوں نے اس سے پھر پوچھا۔ تم نے کہانی کا مفہوم پا لیا؟ اس نے کہا ہاں بابا میرے من کی پریشانی ختم ہو گئی ہے۔ مجھے

بچاتا ہے اور خوف کو ختم کرتے ہوئے تمہیں کامیابی سے ہم کنار کرتا ہے۔ صبر خوبیوں کی کان ہے اور اچھے خیالات کی داشتہ ہے۔ اعتقاد اور صبر دو جڑواں بہنوں کی طرح ہیں جو ایک دوسرے سے بہت پیار کرتی ہیں۔

میرے گورو نے مجھ سے کبھی کوئی اور چیز نہ چاہی۔ اس نے مجھے کبھی نظر انداز نہیں کیا بلکہ ہر وقت میری حفاظت کی۔ میں اس کے ساتھ ہی رہتا تھا لیکن کبھی کبھی اس سے دور بھی چلا جاتا تھا۔ اس کے باوجود میں نے کبھی اس کی محبت کی کمی محسوس نہیں کی۔ اس نے ہمیشہ اپنی نظر کرم کی مدد سے میری حفاظت کی۔ جس طرح ایک کچھوا اپنے بچوں کو غذا فراہم کرتا ہے چاہے وہ قریب ہوں یا دور۔ اوماں! میرے گورو نے کبھی مجھے کوئی منتر نہیں سکھایا۔ اب میں کس طرح تمہارے کان میں کوئی منتر پھونک سکتا ہوں۔ بس اتنا یاد رکھو کہ گورو ایک کچھوے کی طرح ہوتا ہے۔ اس کی محبت بھری نظریں ہمیں خوشی بخشتی ہیں۔ کسی سے بھی کوئی منتر یا اپدیش حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو۔ مجھے اپنے اعمال اور خیالات کا واحد موضوع بناؤ اور تمہیں وہ روحانی منزل حاصل ہو جائے گی۔ میری طرف پوری توجہ سے دیکھو اور میں بھی اس مسجد میں بیٹھے ہوئے اس طرح تمہاری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ میں سچ کہتا ہوں اور سچ کے بغیر اور کچھ نہیں کہتا نہ تو سادھنا اور نہ چھے شاستروں میں مہارت کی ضرورت ہے۔ اپنے گورو پر بھروسا اور اعتقاد رکھو۔ اس بات پر پوری طرح یقین رکھو کہ گورو واحد اداکار یا کام کرنے والا ہے۔ وہ انسان بہت خوش نصیب ہے جو اپنے بزرگوں کی عظمت سے واقف ہے اور اسے ہری یعنی وشنو سمجھتا ہے۔

یہ باتیں سن کر بوڑھی عورت کو اطمینان ہو گیا اور اس نے برت توڑ دیا۔ اس کہانی کو پوری توجہ سے سن کر اور اس کی اہمیت کا احساس کر کے ہیماڈپنت بہت حیران ہوا۔ بابا کی اس لیلا کو دیکھ کو وہ سر سے پاؤں تک اثر میں ڈوب گیا۔ بے انتہا خوشی کے مارے اس

اپنی کہانی سناتا ہوں۔ جس کو اگر تم دھیان اور توجہ سے سنو گی تو تمہیں فائدہ ہوگا۔ میرا ایک گورو تھا جو بہت بڑا مہاتما اور رحم دل تھا۔ میں نے اس کی بہت عرصے تک خدمت کی لیکن اس کے باوجود اس نے میرے کان میں کوئی منتر نہیں پھونکا۔ میری یہ دلی خواہش تھی کہ میں اس کی خدمت کروں اور کبھی اس کو چھوڑ کر نہ جاؤں اور اس طرح سے ہدایت حاصل کروں۔ لیکن اس کا کام کرنے کا اپنا طریقہ تھا۔ اس نے سب سے پہلے میرا سر منڈوایا اور پھر مجھ سے دو پیسے دکشنا کے طور پر طلب کئے۔ تم اگر یہ پوچھو کہ جب میرا گورو مکمل تھا تو اسے پھر پیسوں کی کیا ضرورت تھی۔ اس صورت میں اسے خواہشات سے عاری کیسے قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اُسے کبھی روپے پیسے کی ضرورت نہ ہوتی تھی۔ انھیں لے کر وہ کیا کرتا۔ دو پیسوں سے اس کی مراد (1) اعتقاد یعنی شردھا (2) صُبری یعنی برداشت کا مادہ تھا۔ میں نے یہ دونوں چیزیں اسے دے دیں جنھیں لے کر وہ بہت خوش ہوا۔

میں گورو کے ساتھ بارہ سال تک رہا۔ اس نے میری پرورش کی۔ وہاں خوراک اور کپڑے کی کوئی کمی نہیں تھی۔ وہ محبت سے بھرا ہوا تھا بلکہ اگر میں یہ کہوں کہ وہ مجسم محبت تھا تو بے جا نہ ہوگا۔ میں اسے کس طرح بیان کروں وہ مجھے سب سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ اس طرح کے گورو بہت کم ملتے ہیں۔ میں جب بھی ان کو دیکھتا وہ بڑے گہرے دھیان میں لگے ہوتے۔ تب ہم دونوں الوہی سکون سے ہم کنار ہوتے۔ رات دن میں بھوکا پیاسا انھیں دیکھتا رہتا۔ اس کے بغیر میں پریشان ہو جاتا۔ میرے پاس غور وخوض کے لیے کوئی دوسرا موضوع نہیں تھا۔ وہ میری واحد پناہ گاہ تھا۔ میرا من ہر وقت اس پر مرکوز رہتا۔ دکشنا کا ایک پیسا شردھا تھی اور دوسرا صبر یا برداشت کا مادہ۔ میں بہت عرصے تک گورو کی خدمت کرتا رہا۔ یہی صبر تم کو دنیاوی سمندر سے پار اتار دے گا۔ یہ صبر ہی مرد کی مردانگی ہے۔ یہ گناہوں اور مصائب کو دور کرتا ہے۔ تباہیوں سے

بھگتوں سے کس حد تک محبت اور مہربانی کا برتاؤ کرتے تھے۔ ان سب کہانیوں کو سنتے ہوئے ہیماڈ پنت کو خوشی محسوس ہونے لگی تب شیاما نے حسبِ ذیل کہانی بیان کرنا شروع کی:۔

شریمتی رادھابائی دیش مکھ

ایک بوڑھی عورت تھی۔ جس کا نام رادھابائی تھا وہ کھاشا بادیش مکھ کی ماں تھی۔ باباکی شہرت سن کر وہ سنگم نیر کے لوگوں کے ساتھ باباکے پاس آئی۔ وہ باباکے درشن کر کے خاصی مطمئن ہو گئی۔ وہ بابا سے بہت پیار کرنے لگی اور اس نے اپنے دل میں یہ طے کر لیا کہ وہ بابا کو اپنا گورو بنائے گی اور ان سے کچھ اپدیش لے گی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ جب تک بابا اس کو اپدیش نہیں دیں گے وہ مرن برت رکھے گی۔ اس نے اپنے گھر میں رہتے ہوئے تین دن تک کچھ نہ کھایا نہ پیا۔ اس عورت کی حالت دیکھ کر میں گھبرا گیا اور میں نے بابا کو اس کی حالت سے آگاہ کر دیا۔ میں نے ان سے کہا۔

"دیو!! یہ آپ نے کیا کرنا شروع کر دیا ہے؟ آپ کتنے لوگوں کو یہاں کھینچ لاتے ہو؟ آپ اس بوڑھی خاتون کو جانتے ہو؟ وہ بہت ضدی عورت ہے اور کلیتاً آپ پر دارو مدار رکھتی ہے۔ اس نے مرن برت رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اگر آپ اسے قبول نہیں کرتے یا ہدایت نہیں دیتے اگر اس کے ساتھ کچھ برا ہو جاتا ہے تو لوگ آپ پر الزام دھریں گے۔ اس لیے اس پر رحم کھاؤ اور اسے آشیر واد دیتے ہوئے ہدایت دو" اس عورت کے ارادے کو دیکھتے ہوئے بابا نے اسے بلایا اور یہ کہتے ہوئے اس کے دل کی سوچ ہی کو بدل دیا۔:۔

"او ماں تم کاہے کے لیے خود کو عذاب دے دے کر مار رہی ہو۔ تم تو سچ مچ میری ماں ہو اور میں تمہارا بچہ ہوں۔ مجھ پر رحم کھاتے ہوئے میری باتیں سنو۔ میں تمہیں

نے جواب میں کہا چلو آپ کے پندرہ سلام قبول ہوئے۔ آؤاب کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ کرلیں۔ مجھے بابا کے بارے میں کچھ باتیں بتاؤ تاکہ ان سے ہمیں اپنے گناہوں سے نجات ملے۔ پھر کچھ دیر کے لیے بیٹھ جاؤ۔ شاما نے اس سے کہا۔ اس بابا کی باتیں عجیب و غریب ہیں۔ تمھیں یہ باتیں سب معلوم ہیں۔ میں تو ایک اجڈ دیہاتی ہوں جب کہ تم پڑھے لکھے روشن دماغ شہری ہو۔ جب سے تم یہاں آئے ہو تم نے پہلے ہی بابا کے کچھ کرشمے دیکھے ہیں۔ میں تمہارے سامنے انھیں کس طرح بیان کروں؟ بہر حال تم یہ پان وغیرہ لو جب تک میں اندر جاکر کپڑے وغیرہ پہن کر تیار ہو کے آتا ہوں۔

کچھ منٹوں کے بعد شاما تیار ہو کر باہر آگیا اور بیٹھ کر ہیماڈ پنت سے باتیں کرنے لگا۔ بابا کے کرشموں کی تصدیق نہیں ہو سکتی۔ اس کے کرشمے لامحدود ہیں۔ انھیں کون دیکھ سکتا ہے۔ ہم جاہل اس کے بارے میں کیا جانیں کہ بابا خود کہانیاں کیوں بیان نہیں کرتے۔ وہ تم جیسے پڑھے لکھے لوگوں کو مجھ ایسے بے وقوف لوگوں کے پاس کیوں بھیجتے۔ ان کے طور طریقے ہماری سوچ سے باہر ہیں۔ میں تو یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ صرف انسان نہیں ہیں۔ اس تمہید کے بعد شیاما نے اضافہ کرتے ہوئے کہا،

"مجھے اب ایک کہانی یاد آرہی ہے جو میں تمھیں سناتا ہوں۔ میں اس سے ذاتی طور پر واقف ہوں۔ جس طرح ایک بھگت مضبوط ارادے کا مالک اور ثابت قدم ہوتا ہے اسی طرح بابا کا فوری رد عمل بھی ہوتا ہے۔ کبھی کبھی بابا اپنے بھگتوں کو سخت امتحان میں ڈال دیتے ہیں اور پھر انھیں ہدایات سے نوازتے ہیں۔ جیسے ہی ہیماڈ پنت نے ہدایت کا لفظ سنا اسے بجلی کے ایک کوندے کی طرح مسٹر ساٹھے کے "گورو چرتر" کی کہانی یاد آگئی۔ اس نے سوچا ہو سکتا ہے کہ بابا نے اس سے شیاما کے پاس اس لیے بھیجا ہو گا کہ اس کے پریشان دل کو سکون نصیب ہو جائے۔ تاہم اس نے اس خیال کو جھٹکتے ہوئے شیاما کی کہانیاں سننا شروع کیں۔ ان سب سے یہی ثابت ہوتا تھا کہ بابا اپنے

لڑائیں گے۔ یہ کہہ کر وہ اندر چلا گیا۔ ہیماڈ پنت بر آمدے میں اس کا انتظار کرنے لگا۔ بر آمدے کی کھڑکی پر اسے مراٹھی زبان کی ایک مشہور کتاب جس کا نام "ناتھ بھاگوت" تھا نظر آئی۔ سنسکرت کی یہ کتاب بھاگوت کے گیارہویں باب پر تفسیر ہے جس کو سوامی ایک ناتھ نے لکھا ہے۔ جوگ اور کاکا صاحب ہر روز شرڈی میں بھگوت گیتا اس کی مراٹھی زبان میں لکھی تفسیر جس کا نام بھاوار تھ دیپکایا گیا نیشوری ہے اور ایک ناتھ کی ایک اور بڑی کتاب "بھاوار تھ رامائن کا مطالعہ کرتے تھے۔ جب بھگت آکر بابا سے کوئی سوال کرتے تو بابا اس کا آدھا جواب دے کر ان سے مندرجہ بالا کتابوں کی تلاوت سننے کا مشورہ دیتے جو دھرم کا خزانہ ہیں۔ بھگت جب ان کو سنتے تو انھیں اپنے سوالات کا مکمل جواب مل جاتا۔ ہیماڈ پنت بھی ہر روز ناتھ بھگوت کے کچھ حصے پڑھا کرتا۔ اس دن وہ اس کا مطالعہ نہ کر سکا تھا کیوں کہ اسے ان بھگتوں کے ساتھ جانا پڑا تھا جو دوراکا مسجد کی طرف جارہے تھے۔ جب اس نے شاما کی کھڑکی سے کتاب اٹھا کر کھولی تو اس کی حیرانی کی کوئی حد نہ رہی۔ جب اس نے دیکھا کہ وہی صفحہ اس کے سامنے ہے جس کو اس نے پوری طرح پڑھے بغیر چھوڑ دیا تھا۔ اس نے سوچا بابا نے بڑا کرم کرتے ہوئے اسے شاما کے گھر بھیجا تھا تاکہ وہ روزانہ کی تلاوت کو مکمل کر سکے۔ چنانچہ اس نے چھوڑے ہوئے صفحات کو پڑھ کر اپنا روزانہ کا معمول پورا کیا۔ جب اس نے یہ کام مکمل کر لیا تو شاما بھی اپنی عبادت مکمل کر کے باہر آ گیا۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان حسبِ ذیل گفتگو ہوئی۔

ہیماڈ نے شاما سے کہا کہ بابا نے اسے اس کے پاس مبلغ 15 روپے بطور دکشنا لینے کے لیے بھیجا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ کچھ وقت تک وہ اس کے پاس بیٹھ کر گپ شپ لڑائے۔ شاما نے حیران ہوتے ہوئے کہا کہ اس کے پاس دینے کے لیے کوئی پیسے نہیں ہیں۔ روپے کے بدلے میں مجھ سے بابا کے لیے پندرہ سلام بطور دکشنا لے جاؤ۔ ہیماڈ پنت

بابا سے دریافت کیا کہ آپ نے شری ساٹھے کو خواب میں کیا بتایا۔ کیا وہ مطالعہ ختم کرے یا جاری رکھے۔ وہ ایک سادہ بھگت ہے اس کی تمنا پوری ہونی چاہیئے اور اسے خواب کا مطلب سمجھانے کے ساتھ ساتھ ساتھ آشیر واد بھی دیا جانا چاہیئے۔ بابا نے جواب دیا کہ وہ ایک ہفتہ اور مطالعہ کرے۔ اگر مطالعہ توجہ سے کیا جائے تو بھگت پاک ہو جائے گا جس سے اس کو فائدہ ہو گا۔ خدا بھی اس سے خوش ہو گا اور اسے دنیاوی جکڑ بندیوں سے رہائی عطا کرے گا۔ اس موقع پر ہماڈ پنت بھی وہاں موجود تھا۔ وہ بابا کی ٹانگوں کو دھو رہا تھا۔ جب اس نے بابا کے الفاظ سنے تو اس کے دل میں خیال آیا کہ ساٹھے نے صرف ایک ہفتے اس کا مطالعہ کیا اور اسے انعام مل گیا جب کہ وہ گذشتہ چالیس سال سے اسے پڑھ رہا ہے اور اسے کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ اس کا سات دن کا یہاں قیام پھل لے آیا جب کہ اس کے سات سال کا قیام اکارت گیا چاتک پرندے کی طرح میں ہمیشہ سے رحم کے بادل کا منتظر ہوں کہ وہ مجھ پر اپنا امرت برسائے اور مجھے اپنی تعلیمات کے آشیر واد سے نوازے۔ جیسے ہی اس کے دل میں یہ خیال گذرا تو بابا کو فوراً پتا چل گیا۔ بابا اپنے بھگتوں کے خیالات سے فوراً آگاہ ہو جاتے تھے اور وہ اچھے خیالات کی حوصلہ افزائی کرتے جب کہ برے خیالات کی سرکوبی۔ ہماڈ پنت کے خیالات کو پڑھتے ہی بابا نے اس سے کہا کہ وہ شاما (مادھو راؤ دیش پانڈے) کے پاس جا کر اس سے دکشنا کے طور پر پندرہ روپے حاصل کرے اور کچھ وقت کے لیے اس کے پاس بیٹھ کر گپ شپ کر کے لوٹ آئے۔ بابا کے دل میں رحم پیدا ہو گیا تھا اس لیے انھوں نے یہ حکم دیا تھا۔

ہیماڈ پنت فوراً وہاں سے اٹھ کر شاما کے گھر چلا گیا۔ اس نے اسی وقت اشنان کیا تھا اور وہ دھوتی پہن رہا تھا۔ اس نے باہر آ کر ہیماڈ پنت سے پوچھا "کیا بات ہے ایسا معلوم ہوتا ہے تم دوار کا مسجد سے آئے ہو۔ تم اتنے پریشان اور مایوس کیوں ہو۔ تم اکیلے کیوں ہو؟ تھوڑا آرام کرو تب تک میں پوجا کر آتا ہوں۔ تب تک تم پان لو پھر ہم بیٹھ کر گپ

مشکلات کا سامنا تھا جس کی وجہ سے وہ بہت مایوس اور بد دل ہو چکا تھا۔ اسی پریشانی کے دور میں اس نے گھر چھوڑ کر کہیں دور چلے جانے کی بات سوچی۔ آدمی اکثر آسانی سے خدا کے وجود کو تسلیم نہیں کرتا وہ اس کے سامنے اسی وقت سر بہ سجود ہوتا ہے جب اسے مشکلیں گھیر لیتی ہیں۔ اگر اس کے شیطانی اعمال ختم ہو گئے ہوں تو خدا اس کی ملاقات کسی ولی یا سادھو سنت سے کراتا ہے جو اسے صحیح راستہ دکھاتا ہے۔ شری ساٹھے کو بھی ایسا ہی تجربہ ہوا۔ اس کے دوستوں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ شرڈی چلا جائے جہاں لوگ سائی بابا کے درشن کر کے من کی شانتی اور خواہشات کی تکمیل کے لیے ہجوم در ہجوم جا رہے تھے۔ اسے یہ مشورہ پسند آیا اور 1917ء میں شرڈی چلا آیا۔ بابا کا جلوہ دیکھ کر جو دائمی روشن صاف اور پاک تھا اس کے من کی پریشانی جاتی رہی اور وہ پرسکون حالت میں چلا آیا۔ اس نے سوچا کہ یہ اس کے پچھلے جنموں میں کیے اچھے کاموں کا پھل تھا کہ جن کی وجہ سے وہ بابا کے پاک اور مقدس قدموں تک پہنچا تھا۔ وہ ایک مضبوط ارادے کا انسان تھا۔ اس لیے اس نے فوراً ہی "گورو چرتر" کا مطالعہ کرنا شروع کیا۔ سات دن کے بعد جب مطالعہ مکمل ہوا تو بابا ایک رات اس کے خواب میں آئے۔ صورتِ حال یہ تھی۔ بابا "گرو چرتر" ہاتھ میں لے کر اس کے مندرجات کی وضاحت کر رہے تھے اور وہ ان کے سامنے بیٹھ کر بڑے غور سے اسے سن رہا تھا۔ جب وہ جاگا تو اسے خواب یاد تھا جس سے وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے سوچا کہ یہ بابا کی مہربانی ہے کہ جو اس جیسی سوتی ہوئی روحوں کو جگاتا ہے اور جہالت کے اندھیروں سے انھیں باہر نکالتا ہے اور انھیں "گورو چرتر" کے امرت کو چکھنے کی سعادت بخشتا ہے۔ دوسرے دن اس نے کاکا صاحب دکشت کو اپنے خواب کے بارے میں بتایا اور اس سے درخواست کی کہ وہ اس کے مطلب کے بارے میں بابا سے مشورہ کرے کہ آیا ایک ہفتے کا مطالعہ کافی تھا کہ وہ اسے پھر پڑھنا شروع کرے۔ کاکا صاحب دکشت نے مناسب موقع دیکھ کر

چاہیے تاکہ ان سے سب مستفید ہو سکیں۔ اس اصول کو نہ صرف ان تعلیمات پر لاگو کرنا چاہیے جو وہ ہمیں ہماری بیداری کی حالت میں دیتا ہے بلکہ ان پر بھی جو خوابوں کے ذریعے ہم تک پہنچتی ہیں۔ مثال کے طور پر جس طرح بدھ کو شک رشی نے اپنے خوابوں میں دیکھی ہوئی "رام رکشا ستوتر" نامی کتاب کو شائع کیا۔

سائی بابا اپنے مریدوں کو روحانی اپدیش اسی طریقے سے دیتے تھے۔ جس طرح ایک ماں اپنے بچے کو صحت مند بنانے کے لیے کڑوی دوائی اس کے گلے سے نیچے اتارتی ہے۔ ان کا اپدیش دینے کا طریقہ کوئی پوشیدہ راز کی طرح نہیں تھا۔ بلکہ بالکل کھلا ہوا تھا۔ جو مرید ان کی نصیحت یا ہدایت پر عمل کرتے وہ اپنا مقصد حاصل کر لیتے تھے۔ اے ست گورو سائی بابا ہماری روحانی آنکھیں کھول کر ہمیں ذات کے الوہی حسن کا جلوہ دکھاؤ اور ہماری دیرینہ خواہشات کو پورا کرو۔ جب یہ ہوتا ہے تو مادی اشیا سے متعلق ہماری خواہشات ختم ہو جاتی ہیں اور وویک (امتیاز) اور ویراگ کے دو پھل ہمارے ہاتھ آجاتے ہیں اور سوتے ہوئے بھی علم کی کونپلیں پھوٹتی ہیں۔ یہ سب کچھ اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ہم ست گورو سے تعلق استوار کرتے ہیں اور ان کی خدمت کر کے ان کی محبت حاصل کرتے ہیں۔ وہ مالک جو سب کی تمنائیں پوری کرتا ہے۔ وہ ہماری مدد کرتا ہے اور ہماری مشکلیں آسان کر کے ہمیں خوشی عطا کرتا ہے۔ یہ ساری ترقی ست گورو جو سب کا مالک سمجھا جاتا ہے کی وجہ سے ممکن ہوتی ہے۔ اس لیے ہمیں ہمیشہ ست گورو کے پیچھے لگے رہنا چاہیے اس کی کہانیاں سننی چاہیں اور اس کے قدموں پر گر کر اس کی خدمت کرنا چاہیے۔ اب ہم اپنی متذکرہ کہانی کی طرف آتے ہیں۔

شری ساٹھے جس کو بہت سال پہلے کروفورڈ (Crowford) کے دورِ حکومت میں کافی شہرت حاصل ہوئی تھی اس وقت بمبئی کو گورنر تھا۔ ساٹھے کو کاروبار میں بہت نقصان اٹھانا پڑا تھا۔ اسی طرح دوسرے مخالف حالات کی وجہ سے بھی اسے بہت سی

بارہواں باب

سائی باباشوخ حشم اور مبالغہ آمیز

ہیماڈ پنت کو بابا نے کس طرح منظور اور آسودہ کیا

پچھلے دو ابواب میں ہم نے بتایا کہ کس طرح ایک امیر آدمی جلد از جلد برہم[1] گیان حاصل کرنا چاہتا تھا اور بابا نے اس کے ساتھ کس طرح برتاؤ کیا۔ ان دو ابواب میں ہم بتائیں گے کہ کس طرح بابا نے ہیماڈ پنت پر مہر کر کے اسے آشیرواد دیا اور اچھے خیالات کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے مطمئن کیا اور اسے خود کو بہتر بنانے اور محنت کے صلے کے سلسلے میں اپنی تعلیمات سے بھی نوازا۔

ابتدائیہ

یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ ست گورو سب سے پہلے اپنے بھگتوں کی قابلیت دیکھتا ہے اور پھر بغیر انھیں پریشان کیے اپنی مناسب ہدایات یا تعلیمات سے نوازتا ہے اور اپنی ذات تک رسائی حاصل کرنے میں ان کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس سلسلے میں کچھ لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ ست گورو جو بھی تعلیم دیتا ہے وہ کسی دوسرے کو نہیں بتائی جانی چاہیے۔ ان کا کہنا ہے کہ اگر ان کی تعلیمات کو عام کر دیا جاتا ہے تو وہ بے کار ہو جاتی ہیں۔ یہ خیال صحیح نہیں ہے۔ ست گورو مون سون کے بادل کی طرح ہوتا ہے جو اپنی امرت بھری پھُہاریں کھل کر برساتا ہے۔ ہمیں ان سے لطف اندوز ہوتے ہوئے انھیں جی بھر کر اپنی زندگی کا حصہ بنانا چاہیے اور پھر انھیں بغیر کسی شرط کے دوسروں تک پہنچانا

(1) برہم Brahm

تعلیمات بے کار ہیں۔ من کی صفائی بہت ضروری ہے اس کے بغیر ساری روحانی کوششیں بے کار ہیں اور محض دکھاوا ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ آدمی صرف اتنا ہی حاصل کرے جس کو وہ ہضم کر سکے۔ میرا خزانہ بھرا ہوا ہے اور میں کسی بھی انسان کو اس کی خواہش کے مطابق کچھ بھی دے سکتا ہوں، لیکن ایسا کرنے سے پہلے مجھے یہ دیکھنا پڑتا ہے کہ آیا وہ میرا تحفہ قبول کرنے کے لائق ہے۔ اگر تم میری باتیں غور سے سنو تو تمھیں اس سے ضرور فائدہ ہوگا۔ اس مسجد میں بیٹھے ہوئے میں کبھی غلط بات نہیں کہتا۔

جب کسی مہمان کو گھر میں بلایا جاتا ہے تو جس طرح اس کے ساتھ گھر کے سبھی موجود افراد کی تواضع کی جاتی ہے۔ اسی طرح اس وقت جتنے لوگ دوارکا مسجد میں موجود تھے انھوں نے بابا کی اس گفتگو سے بے پناہ روحانی غذا حاصل کی۔ جو اس امیر آدمی کی تواضع میں بابا نے پیش کی۔ اس کے بعد اس امیر آدمی کے ساتھ ہی دوسرے افراد بھی بابا کا آشیرواد حاصل کرنے کے بعد خوشی خوشی وہاں سے رخصت ہوئے۔

پار اتار تا ہے۔ وجود کو ویدوں کے مطالعے سے حاصل نہیں کیا جا سکتا نہ ہی ذہانت سے نہ زیادہ پڑھنے لکھنے سے۔ جس وجود کو وہ خود چنتا ہے وہ اسے پاتا ہے۔ وجود اس پر اپنے راز کھولتا ہے یا اپنی فطرت سے اسے روشناس کرتا ہے۔ یہ اپنشد کا قول ہے۔

اس مکالمے کے ختم ہونے کے بعد بابا نے اس شخص کی طرف مڑتے ہوئے کہا: جناب آپ کی جیب میں 250 روپے کی شکل میں برہم موجود ہے۔ مہربانی کر کے اسے باہر نکالیے۔ اس آدمی نے اپنی جیب سے روپیوں کی گڈی نکالی اور یہ دیکھ کر بہت حیران ہوا کہ اس کے پاس دس دس کے 25 نوٹ تھے۔ یہ دیکھ کر کہ بابا سب کچھ جانتے ہیں وہ بابا کے قدموں پر گر پڑا اور ان سے آشیرواد دینے کی درخواست کرنے لگا۔ تب بابا نے اس سے کہا۔

"اپنے برہم کی گڈی کو اٹھالو، جب تک تم خود کو مکمل طور پر حسد اور لالچ سے آزاد نہ کراؤ گے، تمہیں سچے برہم تک رسائی حاصل نہیں ہوگی۔ ایسا شخص جس کا من دولت، اور خوشحالی میں کھویا ہوا ہے وہ انھیں ترک کیے بغیر برہم کو پانے کی بات کیسے سوچ سکتا ہے۔ دولت کی محبت یا اس کا فریب ایک ایسا درد کا بھنور ہے جس میں فریب اور حسد کے مگرمچھ رہتے ہیں جو خواہشات سے عاری ہے وہی اس بھنور کو پار کر سکتا ہے۔ لالچ اور برہم ایک دوسرے سے کوسوں دور ہیں۔ وہ ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے کے مخالف ہیں۔ جہاں لالچ ہے وہاں برہم کے گیان ودھیان کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ پھر ایک لالچی آدمی کس طرح مکتی حاصل کر سکتا ہے کیوں کہ لالچی آدمی کے من میں شانتی نہیں ہوتی۔ اس کی ساری روحانی کدوکاوش بے کار ہوتی۔ ایک پڑھا لکھا انسان بھی جو اپنے عمل یا انعام کو پانے کی خواہش سے آزاد نہیں ہے اور جو ان سے متنفر نہیں ہے وہ بے کار ہے اور خود کو پانے میں بھی اس کی کوئی مدد نہیں کی جا سکتی، جو آدمی انا سے بھرا ہوا ہے اور جو صرف مادی اشیا کے بارے میں ہی سوچتا رہا ہے، اس کے لیے گورو کی

قابو نہیں رکھ سکتا۔ چناں چہ اس صورت حال میں وہ اپنی منزل مقصود تک بھی نہیں پہنچ سکتا۔ وہ زندگی اور موت کے چکروں میں الجھا رہتا ہے۔ لیکن جس کو سمجھ ہے اور جس کا من اس کے قابو میں ہے وہ بگھی کے اچھے گھوڑوں کی طرح اپنے حواس کو قابو میں رکھتا ہے اور اپنی منزل تک پہنچ جاتا ہے یعنی خود کو پالیتا ہے اور بار بار جنم نہیں لیتا۔ جس آدمی کی کوچوان کی جیسی سمجھ بوجھ ہے اور اپنے من کو لگام دے سکتا ہے وہ سفر کی منزل تک پہنچ جاتا ہے جو ہر جگہ موجود رہنے والے بھگوان وشنو کا مقدس گھر ہے۔

(8) من کی طہارت۔ جب تک کہ انسان اپنے فرائض منصبی کو پوری طرح سے اور بے تعلقی سے ادا نہیں کرتا۔ (اس کا من صاف نہیں ہوتا) اور جب تک اس کا من صاف نہیں ہوتا وہ خود کو نہیں پا سکتا۔ صرف پاک من میں ہی حقیقی اور غیر حقیقی سے بے تعلقی پیدا ہوتی ہے جو خود کو پانے کا موجب بنتی ہے۔ جب تک انا کو ترک نہیں کیا جاتا۔ حسد کو چھوڑا نہیں جاتا من کو خواہشات سے پاک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ خیال کہ میں صرف اپنا جسم ہوں ایک فریب ہے اور اس خیال کے جال میں پھنسنا قید کی وجہ ہے۔ اس خیال کو ترک کر دیجیے اور تعلق کو بھی اگر آپ خود کو پانا چاہتے ہیں۔

(9) گورو کی ضرورت۔ ذات کا علم اتنا نازک اور پراسرار ہے کہ کوئی بھی انسان صرف اپنی کوشش سے اسے حاصل کرنے کا خواب نہیں دیکھ سکتا۔ اس لیے ایسے استاد کی مدد کی ضرورت پڑتی ہے، جس نے خود کو پالیا ہو۔ جو دوسرے سخت محنت سے بھی عطا نہیں کر سکتے وہ گورو کی مدد سے آسانی سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ چوں کہ اس نے خود اس راہ پر سفر کیا ہوتا ہے، اس لیے وہ شاگرد کو بھی کامیابی سے اس راہ پر چلا سکتا ہے اور دھیرے دھیرے روحانی ترقی کے مرحلے طے کرا سکتا ہے۔

(10) آخر میں خدا کی مہر بہت ضروری ہے۔ جب خدا کسی سے خوش ہو جاتا ہے تو وہ اسے تمیز کی عقل اور ویراگ دونوں دیتا ہے اور اسے آسانی سے دنیاوی سمندر کے

(2) ورکتی یا اس دنیا کی اشیا سے دوری۔ جب تک کہ انسان اشیاء روپیا پیسا اور اعزازات جو اس کے اعمال کے صلے کے طور پر اُسے اس یا بعد کی دنیا میں حاصل ہوں ان سے نفرت اور لگاؤ ختم نہیں کرتا اسے روحانی دنیا میں داخل ہونے کا حق حاصل نہیں ہے۔

(3) انتر مکھتا (اپنے اندر جھانکنا) ہمارے حواس خُدا نے کچھ اس طرح بنائے ہیں کہ ہم اکثر بیرونی دُنیا کی طرف زیادہ راغب ہوتے ہیں۔ آدمی جو خود کو پانا چاہتا ہے یا حیاتِ جاوِداں حاصل کرنے کا متمنی ہے اُسے اپنے اندر جھانکنا چاہیئے اور اپنی ذات کو دیکھنا چاہیئے۔

(4) گناہوں سے پاکی۔ جب تک انسان بُرائی سے منہ نہیں موڑتا اور غلط کام کرنا ترک نہیں کرتا اور خود پر قابو نہیں پالیتا اور جب تک اس کی روح اور اس کا من مطمئن نہیں ہوتا وہ علم کی مدد سے بھی خود کو نہیں پا سکتا۔

(5) صحیح عمل۔ جب تک انسان سچائی کی زندگی بسر نہیں کرتا۔ تلافی مافات کی کوشش نہیں کرتا اور مجرد کی زندگی نہیں گزارتا وہ خدا کو نہیں پا سکتا۔

(6) خوش گوار کے مقابلے میں خیر کو ترجیح دینا۔ یہاں دو طرح کی چیزیں مراد ہیں۔ خیر اور خوشگوار۔ پہلی کا تعلق روحانی معاملات سے ہے اور دوسری کا دُنیاوی اشیا سے۔ یہ دونوں انسان کی طرف بڑھتی ہیں تاکہ وہ انھیں قبول کرلے۔ اسے سوچ کر ان دو میں سے ایک کو چننا ہوتا ہے۔ عقل مند آدمی خوشگوار کے مقابلے میں خیر کو ترجیح دیتا ہے لیکن بے وقوف لالچ اور لگاؤ کی وجہ سے خوش گوار کو چنتا ہے۔

(7) من اور حواس پر اختیار یا قابو۔ جسم ایک بگھی ہے اور روح اس کا مالک۔ عقل اس بگھی کا کوچوان ہے اور من لگام۔ حواس گھوڑے ہیں اور حواس سے تعلق رکھنے والی اشیا ان کے راستے۔ جس کو سمجھ نہیں اور جس کا من بے قابو ہے، وہ منہ زور گھوڑوں پر

تھا۔ چنانچہ اس نے بابا سے درخواست کی کہ بابا مہربانی کر کے مجھے برہم کے درشن جلد کراؤ۔ بابا نے جواب دیتے ہوئے کہا میرے پیارے دوست کیا تمہیں بیٹھنے کے باوجود یہ سمجھ نہیں آیا کہ میں نے یہ سارا طریقہ کیوں استعمال کیا؟ یہ تو صرف اس لیے تھا تاکہ تم برہم کو دیکھنے کے قابل بن جاؤ۔ مختصر یہ کہ برہم کو دیکھنے کے لیے پانچ چیزوں کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ یہ پانچ چیزیں ہیں:۔

(1) پانچ پران

(2) پانچ حواس

(3) من

(4) ذہانت

(5) انا

خودی کو حاصل کرنے کا برہم گیان کا یہ راستہ اتنا مشکل ہے جتنا ریزر کی دھار پر چلنا۔ اس کے بعد بابا نے اس موضوع پر بہت دیر تک گفتگو کی جس کا مقصد یا لب لباب نیچے بیان کیا جارہا ہے۔

اپنے آپ کو پہچاننا

سارے لوگ اپنی زندگی میں برہم تک رسائی حاصل نہیں کر سکتے کیوں کہ اس کے لیے کچھ اہلیتیں ضروری ہیں جو اس طرح ہیں

(1) موکشا یا نجات کی شدید خواہش۔ وہ شخص جو خود کو بندھا ہوا سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس بندھن سے آزادی حاصل کرے اور اس مقصد کے حصول کے لیے ایمانداری سے کام کرتا ہے اور جو کسی دوسری چیز کی پرواہ نہیں کرتا وہی اس روحانی راہ پر چلنے کی اہلیت رکھتا ہے۔

انسلاکات اور پیچیدگیوں کے ساتھ برہم گیان دیتا ہوں۔ بابا نے اس امیر آدمی کو اس جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ بٹھا دیا اور اسے دوسری بات چیت میں مصروف رکھا۔ یہاں تک کہ وہ برہم گیان کو بھول ہی گیا۔ اسی دوران اس نے ایک لڑکے کو بلا کر اس سے کہا کہ وہ جا کر نندو مارواڑی سے 5 روپے ادھار لے آئے لڑکا جا کر فوراً ہی لوٹ آیا اور بابا سے کہنے لگا کہ نندو مارواڑی گھر میں نہیں ہے اور اس کے گھر پر تالہ پڑا ہوا ہے۔ اس کے بعد بابا نے اسے بالا پنساری سے پانچ روپے ادھار لانے کے لیے کہا۔ اس دفعہ بھی لڑکا خالی ہاتھ لوٹا۔ یہ تجربہ بابا نے دو تین بار دہرایا لیکن نتیجہ وہی نکلا۔ دراصل بابا خود ہی مجسم برہم(1) کا ظہور تھے۔ کوئی یہ سوال کر سکتا ہے کہ اگر وہ خود برہم کا اوتار تھے تو پھر وہ کیوں پانچ روپے جیسی حقیر رقم مانگ رہے تھے اور اسے قرض کے طور پر حاصل کرنے کی سر توڑ کوشش کرتے رہے۔ یہ سچ ہے کہ انھیں اس حقیر رقم کی ہرگز ضرورت نہ تھی وہ جانتے تھے کہ نندو اور بالا غیر حاضر ہیں۔ اس لیے انھوں نے برہم کے متلاشی کا امتحان لینے کے لیے یہ طریقہ وضع کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ اس امیر آدمی کی جیب میں روپیوں کی گڈی پڑی ہوئی ہے لیکن وہ اگر سچ مچ برہم کو پانے کا خواہاں ہوتا تو بابا کی بات سن کر بھی خاموش تماشائی نہ بنا رہتا۔ خصوصاً اس صورت میں کہ جب بابا پانچ روپے جیسی حقیر رقم قرض کے طور پر حاصل کرنے کے لیے شدت سے دوڑ دھوپ کر رہے تھے۔ وہ جانتا تھا کہ بابا اپنا وعدہ پورا کرتے ہوئے قرض لوٹا دیں گے اور رقم بہت معمولی ہے۔ اس کے باوجود وہ روپیہ قرض نہ دے سکا۔ ایسا آدمی بابا سے دُنیا کی سب سے بڑی چیز مانگ رہا تھا یعنی برہم گیان۔ اس کی جگہ اگر کوئی دُوسرا ہوتا جو سچ مچ بابا سے محبت کرتا ہوتا تو وہ بغیر وقت ضائع کیے بابا کو پانچ روپے دیتا اور محض تماشائی نہ بنا رہتا۔ یہ شخص تو اس کے بالکل ہی برعکس تھا۔ نہ تو اس نے روپیہ دیا اور نہ وہ خاموش بیٹھا رہا بلکہ بے صبری کا مظاہرہ کرنے لگا کیوں کہ وہ بہت جلد واپس لوٹ جانے کا خواہاں

(1) برہم Brahm

کے بیش بہا دولت مکان، کھیت اور زمین تھی۔ بہت سے نوکر چاکر اور ایسے لوگ تھے جن کا انحصار ہی اس پر تھا۔ جب بابا کی شہرت اس تک پہنچی تو اس نے اپنے ایک دوست سے کہا کہ چوں کہ اسے کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے اس لیے وہ شرڈی جا کر بابا سے برہم گیان (عرفان، حق) حاصل کرنے کی کوشش کرے گا اور اگر وہ اسے حاصل ہو گیا تو اسے بڑی خوشی ہو گی۔ اس کے دوست نے اسے یہ کہہ کر صلح کرنے کی کوشش کی کہ برہم گیان(1) کو پانا آسان نہیں ہے۔ خصوصاً تمہارے جیسے آدمی کے لیے جو ہر وقت دولت بیوی اور بچوں میں کھویا رہتا ہے۔ تم ایک پیسا دان نہیں دیتے ہو برہم گیان کی تلاش میں کون تمہاری تشفی کرے گا۔

اس نے اپنے دوست کی بات کی پرواہ نہ کی اور آنے جانے کے لیے تانگہ سواری کا انتظام کر کے شرڈی پہنچ گیا اس نے دوارکا مسجد جا کر سائی بابا سے ملاقات کی اور ان کے قدموں پر گر کر استدعا کی کہ ہر آدمی کو برہم (قادر مطلق بھگوان) کے درشن کراتے ہو جو یہاں آتا ہے۔ میں بھی بہت دور سے چل کر یہاں آیا ہوں۔ میں آتے آتے تھک کر چور ہو گیا ہوں۔ اس لیے اگر آپ مجھے برہم(1) کے درشن کرادو گے تو میری مشکلوں کا صلہ مجھے مل جائے گا۔ بابا نے فوراً جواب دیا میرے پیارے دوست پریشان نہ ہو میں تمہیں فوراً برہم کے درشن کراؤں گا۔ چوں کہ میں نقد پر یقین رکھتا ہوں ادھار پر نہیں اور یہ بھی کہ اکثر میرے پاس لوگ دولت، صحت، اقتدار، عزت، مرتبہ بیماری کا علاج حاصل کرنے آتے ہیں جو ساری عارضی اور دنیاوی اشیاء ہیں ایسا آدمی تو شاذ ہی آیا ہے جس نے برہم گیان کی التجا کی ہو۔ دنیاوی فوائد حاصل کرنے والو ں کی کمی نہیں ہے لیکن ایسے لوگ جو روحانی باتوں میں دلچسپی رکھتے ہوں بہت ہی نادر ہیں۔ میں اس لمحے کو بہت قیمتی اور خوش قسمت سمجھتا ہوں جب تم جیسے لوگ آکر مجھ پر زور ڈالیں کہ انھیں میں برہم گیان دوں۔ چنانچہ میں تمہیں خوشی سے اس کے

(1) برہم Brahm

گیارہواں باب

دُنیاوی فوائد اور ان کی تاثیر

ابتدائیہ

سائی بابا نے یہ صاف ظاہر کیا کہ وہ محبت سے دیا ہوا چھوٹے سے چھوٹا تحفہ بھی تعریف و توصیف کے ساتھ قبول کر لیتے تھے۔ لیکن اگر کوئی انہیں غرور و تمکنت سے پیش کرتا تو وہ لینے سے انکار کر دیتے۔ وہ چوں کہ خود وجود، علم اور آنند سے بھرے ہوئے تھے اس لیے وہ دنیاوی رسومات کی زیادہ پرواہ نہیں کیا کرتے تھے لیکن اگر کوئی چیز انھیں شرافت اور انکساری سے پیش کی جاتی تو وہ اسے خوشی اور دلدادگی سے قبول کرتے۔ حقیقت میں سائی بابا جیسے گرو سے زیادہ کوئی بھی فراخ دل اور مہرباں نہیں ہو سکتا۔ ان کا موزانہ چنتا منی (وہ پتھر جو سب کی خواہشات پوری کرتا ہے) کلپ ترو (سورگیہ درخت جو ہماری تمنائیں پوری کرتا ہے) یاکام دھینو (مقدس سورگیہ گائے جو ہمیں سب کچھ فراہم کرتی ہے) سے نہیں کیا جا سکتا کیوں کہ یہ ہمیں صرف اتناہی دیتے ہیں جتنا ہم چاہتے ہیں لیکن ست گورو ہم کو سب سے قیمتی شئے عطا کرتے ہیں۔ جو نہ تو سوچی جا سکتی ہے اور نہ اس کہ تہ تک پہنچا جا سکتا ہے۔ (یعنی حقیقت) آیئے اب یہ دیکھیں کہ بابا نے ایک امیر آدمی سے کیسا سلوک کیا جو ان سے برہم گیان حاصل کرنے آیا تھا۔

ایک امیر آدمی تھا (بد قسمتی سے اس کے نام اور پتے کا کوئی حوالہ نہیں ملتا) اس

چھپکلی کے ساتھ آتا ہے اور کس طرح بابا اس کے بارے میں پیشن گوئی کرتے ہیں۔ یہ سب بہت ہی حیران کن ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بابا سب کچھ جانتے تھے۔ انھیں سب کچھ معلوم رہتا تھا۔

ساتھ میرے سامنے ہاتھ پھیلاؤ تو مجھے ہر وقت اپنے ساتھ پاؤ گے۔ میں جسمانی اعتبار سے چاہے یہاں ہوں گا پر مجھے معلوم ہو گا کہ تم کیا کرتے ہو۔ چاہے تم سات سمندر پار ہی کیوں نہ ہو۔ اس وسیع دنیا میں جہاں چاہو میں تمہارے ساتھ ہوں گا۔ میرا گھر تمہارے دل میں ہے اور میں تم میں ہوں۔ ہمیشہ میری عبادت کرو جو تمہارے اور سارے انسانوں کے اندر بیٹھا ہوا ہے۔ وہ بہت خوش نصیب ہے جو مجھے اس طرح جانتا ہے۔

دو چھپکلیوں کا ملاپ

ہم اس باب کا اختتام دو چھوٹی چھپکلیوں کی کہانی پر کرتے ہیں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے بابا مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک بھگت ان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جب کہ ایک چھپکلی نے ٹک ٹک کی آواز کی۔ بھگت نے بابا سے پوچھا کہ کیا اس ٹک ٹک کا کوئی مفہوم ہے؟ اور آیا کیا یہ اچھا شگون ہے؟ بابا نے جواب دیا کہ یہ چھپکلی بہت خوش ہے کیوں کہ اورنگ آباد سے اس کی بہن اس سے ملنے کے لیے آرہی ہے۔ بھگت بابا کا مطلب نہ سمجھتے ہوئے خاموش ہو گیا۔ اسی وقت اورنگ آباد سے ایک گھڑ سوار بابا سے ملنے کے لیے آیا۔ وہ آگے جانا چاہتا تھا لیکن اس کا گھوڑا آگے بڑھنے سے انکار کر رہا تھا کیوں کہ وہ بھوکا تھا اور دانہ کھانا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے دانے والے بیگ کو نکال کر زمین پر پٹک دیا تاکہ اس کی گرد جھڑ جائے۔ ایک چھپکلی اس میں سے نمودار ہوئی اور وہ فوراً سب کے سامنے دیوار پر چڑھ گئی۔ بابا نے سوال کرنے والے بھگت سے کہا کہ وہ اسے غور سے دیکھے۔ وہ ایک دم اچھلتی ہوئی اپنی بہن کے پاس چلی گئی۔ دونوں بہنیں ایک مدت کے بعد ایک دسرے سے ملیں ایک دوسرے کو پیار کر کے گلے لگایا۔ گھوم گھوم کر رقص کرنے لگیں۔ کہاں شرڈی اور کہاں اورنگ آباد! ایک گھڑ سوار کس طرح اورنگ آباد سے

اپنے کنبے کی کفالت بھی نہیں کرپا رہا ہے اگر میں محکمہ جاتی ترقی کے امتحان میں آپ کی مہربانی سے کامیاب ہو گیا تو میں شرڈی آکر آپ کے قدموں کو چوموں گا اور آپ کے نام کی مشری بانٹوں گا۔ خوش قسمتی سے وہ محکمے کے امتحان میں کامیاب ہو گیا اور اسے مستقل نوکری مل گئی۔ اب یہ اس کی ذمے داری تھی کہ وہ جس قدر جلد ہو سکے اپنی منت کو پورا کرے۔ چولکر ایک غریب انسان تھا۔ اس لیے وہ شرڈی آنے جانے کے اخراجات پورے نہ کر سکا۔ جیسا کہ وہاں کہا جاتا ہے کہ ضلع تھانے کے نہانے والے گھاٹ کو پار کرنا آسان ہے پر ایک غریب انسان کے لیے اپنی دہلیز کو بھی پار کرنا بہت مشکل ہے۔ چولکر چوں کہ جلد سے جلد شرڈی جانا چاہتا تھا اس لیے اس نے کفایت شعاری سے کام لیا اور پیسے میں سے پیسا بچانا شروع کر دیا۔ اس نے اپنی خوراک کے ساتھ شکر کھانا بند کر دی اور پھیکی چائے پینے لگا۔ اس طرح جب وہ کچھ روپیہ بچانے میں کامیاب ہو گیا تو وہ شرڈی آیا۔ بابا کے درشن کیے، ان کے قدموں پر گرا، ایک ناریل بھینٹ چڑھایا۔ صاف ضمیر کے ساتھ اس نے مشری تقسیم کی۔ جیسی کہ اس نے منت مانی تھی۔ پھر اس نے بابا سے کہا کہ اسے ان کے درشن کر کے بہت خوشی ہوئی ہے اور اس دن اس کی ساری تمنائیں پوری ہو گئی ہیں۔ مسٹر چولکر اس وقت مسجد میں اپنے میزبان باپو صاحب جوگ کے ساتھ تھا وہ دونوں مسجد سے باہر آنے والے تھے تو بابا نے جوگ سے کہا "اپنے مہمان کو چائے کے کپ میں شکر کے بھرے ہوئے چمچے ڈالنا۔" یہ سن کر چولکر بہت متاثر ہوا اور اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ وہ ایک بار پھر بابا کے قدموں سے لپٹ گیا۔ مسٹر جوگ بھی بابا کے احکامات کو بجا لانے کے لیے تیار تھا کہ اسے میٹھی چائے کے کپ پلا سکے۔ بابا نے یہ بات چولکر کے دل میں یقین و اعتماد پیدا کرنے کے لیے کہی تھی۔ بابا اس پر بھی ظاہر کرنا چاہتے تھے کہ انھیں علم تھا کہ اس نے میٹھا کھانا کیوں بند کیا تھا۔ بابا کے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ اگر تم یقین و اعتماد کے

میں پھولوں کی مالا۔ سارے ہری داس یہ طریقہ نہیں اپناتے ہیں لیکن یہ سب سے بہتر طریقہ ہے۔ نارد منی جن کی وجہ سے اس طریقہ کیرتن کا آغاز ہوا، اپنے سر اور اوپر والے دھڑ پر کچھ نہیں پہنتے تھے۔ ان کے ہاتھ میں ایک وینا ہوتی اور وہ جگہ جگہ گھومتے ہوئے بھجن گاتے پھرتے۔

مسٹر چولکر کی پھیکی چائے

شروع شروع میں بابا صرف ضلع احمد نگر اور پونا میں مشہور تھے۔ لیکن نانا صاحب چولکر اور داس گنو کے بھجنوں کی وجہ سے جن میں بابا کی تعریف ہوتی تھی، بابا کی شہرت میں چار چاند لگ گئے اور وہ سارے کونکن (ممبئ پراونس) کے علاقے میں مشہور ہو گئے۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ داس گنو ہی تھا جس نے بابا کی تعریف میں اچھے اچھے بھجن گا کر ہر طرف ان کی شہرت پھیلا دی۔ جو لوگ کیرتن سننے کے لیے آتے ہیں وہ مختلف مزاج کے مالک ہوتے ہیں۔ کچھ ہری داس کے علم و مطالعے کو پسند کرتے ہیں۔ کچھ اس کی حرکات و سکنات کو کچھ اس کا گانا ظرافت، علم و ہدایت پر اس کے مکالمے اور کچھ دوسرے اس کی کہانیوں کو پسند کرتے ہیں۔ لیکن ان میں سے ایسے لوگوں کی تعداد بہت کم تھی جو بھجن سن کر سادھو سنتوں اور دیوتاؤں کی محبت سے سرشار ہو جاتے ہیں۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ داس گنو کے کیرتن کا اثر لوگوں پر بجلی کی مانند ہوتا۔ ہم یہاں پر ایک مثال سے اس بات کو واضح کرتے ہیں۔

داس گنو ایک بار تھانہ کے مقام پر واقع ایک مندر میں جس کا نام "کوپنیشور" تھا، بابا کی حمد و ثنا بھجن کے روپ میں گا رہا تھا۔ مسٹر چولکر نامی ایک شخص نے جو تھانہ کی مقامی عدالت میں ملازم تھا۔ داس گنو کا کیرتن بڑی توجہ سے سنا اور بہت متاثر ہوا۔ اس نے اسی وقت دل ہی دل میں بابا سے عہد کیا کہ بابا میں ایک بہت ہی غریب آدمی ہوں جو

دسواں باب

بابا کیرتن کی لہروں پر

بابا نے ہری داس کو کیرتن کرنے کا طریقہ بتایا

قارئین کو یاد ہوگا کہ ہم نے شرڈی کے رام نومی کے تہوار کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ کس طرح وہاں اس تہوار کا آغاز ہوا اور شروع میں کسی اچھے "ہری داس" کو کیرتن کرنے کے لیے بلانا کتنا مشکل تھا اور کس طرح بابا نے یہ کام ہمیشہ کے لیے داس گنو کے سپرد کر دیا جو اسے آج تک بڑی اچھی طرح نبھا رہا ہے۔ عام طور پر ہمارے ہری داس (کیرتن کرنے والے) بھجن کے وقت خاص قسم کا چوغا اور لباس پہنتے ہیں اور خاص قسم کا پھٹیا یا پھر پگڑی باندھتے ہیں۔ دوسرا کپڑا جو وہ اپنے کندھوں پر رکھتے ہیں وہ بھی خاص قسم کا ہوتا ہے۔ ایسے کپڑے پہن کر ایک بار داس گنو کسی کیرتن کے لیے تیاری کرنے کے بعد بابا کے پاس آیا تاکہ سلام کر سکے۔ بابا نے اس سے کہا "دولہے میاں اس طرح سج دھج کر اور خوبصورت لباس پہن کر کہاں جا رہے ہو"۔

"کیرتن کرنے کے لیے" داس گنو نے جواب دیا "پھر تمھیں یہ سب لباس پہننے کی کیا ضرورت ہے" میرے سامنے اسے اتار دو۔ انھیں جسم پر پہننے کی کیا ضرورت ہے۔" داس گنو نے انھیں فوراً اتار کر بابا کے قدموں میں رکھ دیا۔ اس واقعے کے بعد داس گنو نے کیرتن کے وقت اس طرح کا لباس پھر کبھی نہیں پہنا۔ چھاتی سے اوپر والے جسم کا حصہ ہمیشہ ننگا رہتا۔ اس کے ہاتھوں میں ایک جوڑی چھنکہ رہتی اور گردن

انھوں نے اپنی سوانح حیات میں کیا ہے۔ بابا ان سے اکثر دکشنا لینے کے لیے دباؤ ڈالتے تھے۔ چنانچہ ایک بار انھوں نے اپنے پیسے کی ساری تھیلی ان کے سامنے الٹ دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعد میں اسے روپے پیسے کی کبھی کمی نہیں ہوئی۔

دکشنا کے ایک اور معنی بھی تھے۔ کئی مثالیں ایسی ہیں جب بابا نے روپے پیسے کی دکشنا طلب نہیں کی۔ دو مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔(۱) بابا نے پروفیسر جی. جی. نارکے سے ۱۵ روپے دکشنا دینے کے لیے کہا۔ انہوں نے جواب میں بابا سے کہا کہ ان کے پاس ایک پائی بھی نہیں ہے بابا نے پھر کہا کہ تم یوگ وششٹھ پڑھتے ہو مجھے اس میں سے دکشنا دو۔ اس سے دکشنا دینے کا مطلب تھا کہ ان لوگوں کو یوگ کی تعلیم دینا جن کے دلوں میں بابا رہتے ہیں۔

ایک اور مرتبہ بابا نے ایک خاتون جس کا نام مسز آر۔ کے ترکھڈ تھا سے چھ روپے کی دکشنا مانگی۔ خاتون کو بہت دکھ ہوا کہ اس کے پاس دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ تب اس کے خاوند نے اسے بتایا کہ بابا چھ بری عادتوں کو دینے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ بابا نے اس کے خاوند کی وضاحت سے اتفاق کیا۔ یہ چھ بری عادتیں (۱) غصہ (۲) لالچ (۳) خود غرضی (۴) اہنکار (۵) چغلی (۶) گھمنڈ تھیں۔ یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ گو بابا دکشنا کے طور پر بہت سارا روپیہ جمع کرتے تھے پر وہ اسے اسی دن لوگوں میں تقسیم کر دیتے تھے اور دوسری صبح تک وہ پھر معمول کی طرح فقیر ہی بن جاتے تھے۔ جب بابا نے سمادھی اختیار کی تو اس وقت ان کے پاس چند روپے ہی تھے حالانکہ وہ دس سال میں لوگوں سے ہزاروں روپے کے طور پر لے چکے تھے۔ مختصر یہ کہ اپنے بھگتوں سے دکشنا لینے سے بابا کا مقصد انھیں دنیا ترک کرنے کا سبق دینا اور پاک کرنا تھا۔

ایک پیسے کا سکہ رکھ دیتا تو وہ اسے جیب میں ڈال لیتے۔ اگر وہ روپے کا مسئلہ ہوتا تو اسے فوراً واپس کر دیتے۔ پھر جب بابا کی شہرت چاروں طرف پھیل گئی اور لوگ بڑی تعداد میں ان کے پاس آنے لگے تو انھوں نے دکشنا مانگنا شروع کر دی۔

ہندوؤں کی شرتی (وید) میں لکھا ہے کہ دیوتاؤں کی پوجا اس وقت تک مکمل نہیں ہوتی جب تک سونے کا سکہ نہ چڑھایا جائے۔ اگر دیوتاؤں کی پوجا کے لیے سکہ ضروری ہے تو سنتوں کی پوجا کے لیے ضروری کیوں نہ ہو۔ بالآخر شاستروں نے اس کو ضروری قرار دیا کہ جب بھی کوئی دیوتا، بادشاہ سنت یا گورو کی زیارت کرنے کے لیے جائے تو اسے خالی ہاتھ نہیں جانا چاہیے۔ اس کو کچھ نہ کچھ ضرور چڑھانا چاہیے خصوصاً کوئی سکہ یا روپیہ۔ اس سلسلے میں اپنشدوں نے جو کچھ کہا ہے اور جو راستہ بتایا ہے اس کا جائزہ لیا جا سکتا ہے۔ مثلاً ایک اپنشد کہتا ہے کہ بھگوان پرجاپتی نے دیوتاؤں کو ہدایت دیتے ہوئے "د" حرف عنایت کیا۔ دیوتاؤں نے اس کے معنی یہ لیے کہ انھیں "دم" یعنی ضبط نفس پر عمل کرنا چاہیے۔ بہتوں نے اس سے "دیا" مراد لی یعنی یہ کہ انھیں رحم کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔ انسانوں کے لیے "دان" کی سفارش کی گئی۔ ایک دوسرے اپنشد میں استاد اپنے شاگردوں کو "دان" دینے اور اپنے اندر دوسرے محاسن پیدا کرنے کی تعلیم دیتا ہے۔ "دان" کے سلسلے میں وہ کہتا ہے:-

"پورے اعتقاد کے ساتھ یا اس کے بغیر بھی دان دو۔ پوری فراخدلی سے دو۔ انکساری، ڈر اور ہمدردی کے ساتھ دو" اپنے بھگتوں کو دان کا سبق دینے اور روپے کی چنگل سے آزاد کر کے ان کے دلوں کو صاف و پاک کرنے کی خاطر بابا ان سے دکشنا لیتے تھے۔ لیکن ان میں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنے بھگتوں سے جو کچھ لیتے اس سے سو گنا زیادہ ان کو لوٹا دیتے تھے۔ اس طرح کے کئی واقعات ہیں جن کو ثبوت کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے۔ مشہور اداکار گنپت راؤ کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ جس کا ذکر

روپے چودہ آنے نکال کر رتن جی کو واپس دے دیئے۔اس نے بہت کوشش کی کہ اس کا مطلب جانے۔اس نے یہ سارا واقعہ اپنے گورو داس گنو کو سنایا۔ تین روپے چودہ آنے کی بات بھی اس نے اپنے گورو کو بتائی۔داس گنو نے اسے کہا شرڈی جانے سے پہلے تمہارے گھر میں ایک مسلمان فقیر جس کا نام "مولی صاحب" تھا آیا تھا۔اس کی خاطر تواضع میں تمہارا کتنا خرچ آیا تھا۔ حساب لگا کر رتن جی نے انھیں بتایا کہ پورے تین روپے چودہ آنے۔اب اس کی سمجھ میں بات آئی کہ بابا نے یہ روپے اس کو کیوں لوٹائے تھے۔ان واقعات سے پتا چلتا ہے کہ بابا ہر جگہ موجود ہوتے تھے۔کچھ دیر کے بعد رتن جی کے گھر اولاد بھی ہوئی اور اس کے من کی مراد پوری ہوگئی۔

دکشنا مانگنے کا فلسفہ

یہاں اب ہم بابا کے دکشنا کے فلسفے پر روشنی ڈالتے ہوئے ختم کرتے ہیں۔شروع شروع میں یہ سب کو پتا تھا کہ جو لوگ بابا کو ملنے کے لیے جاتے تھے بابا ان سے دکشنا مانگتے تھے۔کوئی یہ سوال پوچھ سکتا ہے کہ جب بابا ایک فقیر تھے اور ان کا اس دنیا سے کوئی واسطہ نہ تھا تو پھر ان کا روپے پیسے سے کیا تعلق تھا۔اب ہم اس سوال کا جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

سب سے پہلے یہ بتانا ضروری ہے کہ ابتداء میں بابا کچھ بھی نہیں لیتے تھے۔وہ ماچس کی جلی ہوئی تیلیوں کو جمع کر کے اپنی جیب میں بھر لیتے تھے۔وہ کسی سے بھی کچھ نہ مانگتے تھے چاہے وہ کوئی بھگت ہوتا یا کوئی اور۔کوئی اگر ان کے سامنے پیسے رکھ دیتا تو وہ اس سے تیل یا تمباکو خریدتے تھے۔وہ تمباکو کے بہت شوقین تھے اس لیے بیڑی یا چلم ضرور پیتے تھے۔پھر کچھ لوگوں نے یہ سوچنا شروع کیا کہ وہ سادھو سنتوں کے پاس خالی ہاتھ تو نہیں جا سکتے چنانچہ انھوں نے ان کے سامنے ریزگاری رکھنی شروع کردی۔اگر ان کے سامنے کوئی

نندید کے رتن جی کو اولاد نصیب

نظام کی ریاست کے ایک مقام نندید میں ایک پارسی مل کنٹریکٹر اور تاجر رہتا تھا جس کا نام رتن جی شاہ پور جی واڈیا تھا۔ اس نے بہت دولت جمع کی تھی اور بیش بہا کھیتوں اور زمینوں کا مالک تھا۔ اس کے پاس بے شمار مال مویشی گھوڑے اور آنے جانے کے سادھن تھے اور وہ بہت خوشحال تھا۔ بظاہر وہ بڑا خوش اور مطمئن نظر آتا تھا لیکن اندر سے ایسا نہیں تھا۔ قدرت کا کچھ کھیل ہی ایسا ہے کہ اس دنیا میں کوئی بھی پوری طرح نہ تو خوش ہے اور نہ امیر۔ رتن جی بھی قدرت کے اس قانون سے مستثنیٰ نہیں تھا۔ وہ بہت فراخ دل اور لوگوں کی مدد کرنے والا تھا۔ وہ غریبوں کو روٹی اور کپڑے دیتا اور ہر طرح سے مدد کرتا۔ لوگ اسے بہت ہی خوش سمجھتے لیکن وہ خود کو مصیبت زدہ تصور کرتا۔ اس کو یہ ساری دنیا بے معنی نظر آتی تھی اور جس کی وجہ یہ تھی کہ اس کے ہاں کوئی اولاد نہ تھی۔ اس نے علاج معالجے کا بھی سہارا لیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوا۔ سب کچھ کرنے پر بھی جب اس کی تمنا پوری نہ ہوئی تو اس نے اپنے گورو مہاراج "داس گنو" کے پاس جا کر اسے اپنے دل کا حال بتایا۔ داس گنو نے اس سے کہا کہ وہ شرڈی چلا جائے بابا کو اپنا حال سنائے اور بیان کرے۔ بابا کے پیروں میں بیٹھ کر ان سے التجا کرے وہاں سے وہ یقیناً خالی ہاتھ نہ لوٹے گا۔ یہ سن کر رتن جی خوش ہو گیا اور اس نے فوراً شرڈی جانے کی تیاری کی اور کئی قسم کے پھل بابا کے لیے نندید سے لے کر وہ بڑے ادب و احترام کے ساتھ بابا کے ہاں پہنچ گیا۔ بابا اس وقت مسجد میں بیٹھے تھے اس نے ان کے گلے میں پھول کی مالا ڈال دی اور میوے سامنے رکھ کر بابا کے پاس بیٹھ گیا۔ کچھ دیر انتظار کر کے رتن جی نے بابا کو اپنی بپتا سنائی۔ بابا نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا "مالک ٹھیک کرے گا" جب رتن جی اٹھنے لگا تو بابا نے اس سے کہا "تم اپنے جیب سے مجھے پانچ روپے دکشنا دو" رتن جی خوش ہو گیا اور جیب سے پانچ روپے نکال کر بابا کے سامنے رکھ دیئے۔ بابا نے اس میں سے تین

نواں باب

باباکی اختیار شاہی

پچھلے باب میں ہم نے بتایا کہ کس طرح بابا نے بے علاج بیماریوں کا علاج کیا۔ اب ہم یہ بیان کریں گے کہ کس طرح بابا نے رتن جی واڈیا کو اولاد عطا کی۔ بابا کے مختلف کام ان کا کھانا، پینا یا چلنا پھرنا اور ان کی باتیں سب میں ایک طرح کی مٹھاس تھی۔ ان کی زندگی مانو سکون کا ایک مجسمہ تھی۔ انھوں نے اپنی زندگی اپنے مریدوں کے لیے وقف کی تھی تاکہ وہ انھیں ہمیشہ یاد کرتے رہیں اور اس کا فائدہ اٹھائیں۔ انھوں نے ان کو اپنے فرائض پورے کرنے اور اس طرح بالآخر انھیں مذہب کے سچے راستے پر چلنے کے قابل بنایا۔ بابا کا مقصد صرف یہ تھا کہ لوگ اس دنیا میں آکر ہنسی خوشی خود کو پا سکیں۔ پچھلے جنم کے اعمال کی وجہ سے ہمیں آدمی کا جسم نصیب ہوتا ہے۔ اس جسم کی مدد سے ہمیں اسی زندگی میں بھگتی اور نجات حاصل کرنی چاہئیے۔ آدمی کو کبھی بھی سست نہیں ہونا چاہئیے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئیے تاکہ زندگی کا مقصد حاصل کر سکیں۔ اگر آپ ہر روز بابا کی ان کہانیوں کو سنیں گے تو آپ کو بابا کی زیارت نصیب ہو گی۔ آپ رات دن من میں ان کو یاد کریں گے۔ جب آپ اس طرح سائی بابا کو اپنے وجود کا حصہ بنائیں گے تو آپ کے دل کی کمزوری دور ہو جائے گی اور اگر یہ سلسلہ آپ جاری رکھیں گے تو آپ بالآخر خالص شعور (حقیقتِ مطلق) میں مدغم ہو جائیں گے۔

لوگ جو بھاگ گئے تھے وہ بھی لوٹ آئے اور کام شروع ہو گیا۔ کاکا مہاجنی بھی ان کے ساتھ کام کرنے لگا۔ کیا مونگ پھلی کے دانے ہیضے کے علاج کے لیے بہتر ہیں ؟ ادویات کے علم کے مطابق مونگ پھلی ہیضے کی بیماری میں اضافہ کرتی ہے نہ کہ اس کا علاج ہے۔ اصل دوا در اصل بابا کے الفاظ تھے۔ جیسا کہ پہلے بھی ہو چکا تھا۔

ہاردا کے دتّو پنت

ہاردا کے رہنے والا ایک شخص جس کا نام دتّو پنت تھا چودہ سال تک معدے کے درد کا شکار رہا۔ کوئی بھی علاج کارگر ثابت نہ ہوا۔ بابا کی شہرت سن کے وہ شرڈی دوڑ پڑا اور وہاں پہنچ کر بابا کے قدموں پر گر پڑا۔ بابا نے اپنا ہاتھ اس کے سر پر رکھا اور اس نے بابا کی اودھی (دھونی کی راکھ) دعاؤں کے ساتھ حاصل کی تو اسے راحت محسوس ہونے لگی۔ اس کے بعد اسے کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

کریں۔ تب وہ واپس جاتے ہوئے بابا سے اجازت لینے کے لیے آئے۔ اس موقع پر شیاما نے بابا سے کہا کہ وہ سوامی کے درد کو دور کرنے کے لیے کچھ کریں۔ بابا نے انھیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ اللہ ٹھیک کر دے گا۔ اس کے بعد سوامی پونا لوٹ آئے اور کچھ دنوں کے بعد انھوں نے شرڈی میں بابا کو خط لکھا کہ ان کا درد تو کم ہو گیا ہے لیکن سوزش بر قرار ہے۔ سوزش کو دور کرنے کے لیے انھوں نے ممبئی جا کر آپریشن کرانے کا فیصلہ کیا۔ لیکن جب وہ وہاں گئے تو سرجن نے معائنہ کر کے ان سے کہا کہ اپریشن کی ضرورت نہیں ہے۔ بابا کے الفاظ کا ایسا عجیب و غریب اثر ہوتا تھا۔

کاکا مہاجنی کو دست کی شکایت دور ہو گئی

ایک بار بابا نے مسجد کے سامنے پیدل چلنے والوں کے لیے راستہ بنانے کی اجازت دی۔ کام کرنے والوں میں کاکا مہاجنی بھی شامل تھا۔ اس کو دست کی شکایت ہو گئی۔ یہ سوچ کے کہ بابا کی خدمت میں کوئی کمی واقع نہ ہو جائے اس نے وہاں ایک کونے میں پانی سے بھرا برتن رکھ دیا تاکہ جب بھی باہر جانے کی ضرورت پیش آئے تو وہ اسے استعمال کر سکے۔ اس نے اس کے بارے میں بابا کو کچھ نہ بتایا لیکن وہ جانتا تھا کہ بابا کو سب معلوم ہے اس لیے وہ خود ہی اس کا علاج کر دیں گے۔ جب اصل کام شروع ہوا تو بابا بڑے غصے سے چلائے۔ ہر آدمی بھاگ کھڑا ہوا۔ کاکا مہاجنی بھی یہی کر رہا تھا کہ بابا نے اسے پکڑ کر اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس بھگدڑ میں کسی سے مونگ پھلی کا تھیلا وہاں رہ گیا تھا۔ بابا نے اس میں مٹھی بھر مونگ پھلی نکال کر ان کے چھلکے الگ کر کے اس کے دانے کاکا جی مہاجنی کو کھلائے۔ وہ ساتھ ساتھ چھلکے اتار کر کاکا مہاجنی کو دانے بھی کھلائے جاتے اور گالیاں بھی دیتے جاتے۔ بابا نے کچھ خود بھی کھائے جب تھیلا خالی ہو گیا تو بابا نے پانی کا ایک مٹکا منگا کر اس میں سے کچھ خود پیا اور باقی کاکا مہاجنی کو پلایا۔ اسی اثنا میں دوسرے

کھایااور اس کے ساتھ ہی بالا کو ملیریا سے نجات مل گئی۔

باپو صاحب بوٹی کو بیماری سے نجات

شریمان باپو صاحب بوٹی کو ایک بار الٹی اور پیچش کی شکایت ہوئی۔ اس کی الماری دوایوں سے بھری پڑی تھی لیکن ان میں سے کسی نے بھی اثر نہیں کیا۔ باپو صاحب الٹی اور دست کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے اور وہ بابا کے درشن کے لیے مسجد تک نہ جا سکے۔ بابا نے انھیں اپنے سامنے بٹھاتے ہوئے کہا کہ دیکھو محتاط ہو تمہیں اب دست نہیں آنا چاہیئے پھر اپنی شہادت کی انگلی اٹھاتے ہوئے کہا کہ الٹی کو بھی اب بند ہو جانا چاہیے۔ بابا کے ان الفاظ میں اتنی طاقت تھی کہ دونوں بیماریاں بھاگ کھڑی ہوئیں اور بوٹی رو بہ صحت ہو گیا۔

ایک دوسرے موقعے پر بوٹی کو ہیضے کی شکایت ہو گئی جس کی وجہ سے انھیں بڑی پیاس محسوس ہونے لگی۔ ڈاکٹر پلائی نے ہر طرح کی دوائیاں استعمال کیں لیکن انھیں افاقہ نہ ہوا۔ تب وہ بابا کے پاس گئے اور ان سے مشورہ کیا کہ انھیں کیا پینا چاہیے تاکہ ان کی پیاس کی شدت میں کمی آئے۔ بابا نے انھیں شکر ملے اُبلے دودھ کے گلاس میں بادام، اخروٹ اور پستہ ڈال کر پینے کے لیے کہا۔ کوئی دوسرا ڈاکٹر اس نسخے کو ہیضے کے مریض کے لیے مہلک تصور کرتا لیکن بابا کے حکم کی تعمیل میں یہ مریض کو پلایا گیا اور بات ہے تو حیران کن اس سے مریض صحت یاب ہو گیا۔

النّدی سوامی کو بیماری سے نجات

ایک دن النّدی سوامی بابا کے درشن کے لیے شرڈی آئے ان کے کان میں اچانک شدید درد ہونے لگا۔ درد ایسا تھا کہ ان کے لیے سونا حرام ہو گیا۔ کان میں دوائیاں بھی ڈالی گئیں اپریشن بھی کیا گیا۔ سوامی کا درد اتنا بڑھ گیا کہ انھیں سمجھ میں نہ آیا کہ کیا

جاتی ہے۔ یہاں جو فقیر بیٹھا ہے وہ رحم دل ہے اور ہر ایک مصیبت زدہ کی تکلیف دور کرتا ہے۔" بھیما جی پاٹل ہر پانچ منٹ کے بعد خون تھوکتا تھا۔ بابا نے اس کو بھیما بائی کے گھر میں قیام کرنے کے لیے کہا۔ حالانکہ وہ جگہ رہنے کے قابل نہیں تھی لیکن بابا کا فرمانا تھا اس لیے وہ انکار نہیں کر سکتا تھا۔

بابا نے بھیما جی کو دو خوابوں کی مدد سے صحت یاب کیا۔ پہلے خواب میں بھیما نے دیکھا کہ اسکول میں سبق یاد نہ کرنے کی وجہ سے کوڑے سے اُسے مار پڑ رہی ہے۔ دُوسرے خواب میں اس نے دیکھا کہ کوئی ایک بھاری پتھر اس کے سینے پر اُوپر سے نیچے اور نیچے سے اوپر گھسیٹ کر سخت تکلیف پہنچا رہا ہے۔ ان دو خوابوں کی رو سے وہ قطعی صحت یاب ہو گیا۔ بابا اپنے بھگتوں سے سوائے اس کے اور کسی کی توقع نہ رکھتے تھے کہ وہ ان کے احسان کو یاد رکھیں۔ مہاراشٹر کے لوگ ہمیشہ ستیہ نارائین کی پوجا کرتے ہیں۔ اس لیے بھیما جی نے بھی واپس گاؤں جا کر اپنے گھر میں سائی ستیہ پوجا کی روایت شروع کی۔

بالا گنپت شمپی کو بیماری سے نجات

ایک اور بھگت جس کا نام گنپت شمپی تھا جس کے سر میں ایسا درد ہوا جس سے اس کو تیز بخار اور ملیریا ہو گیا۔ اس نے ہر طرح کا علاج کرایا لیکن کارگر ثابت نہیں ہوا۔ اس کے بخار میں ذرا بھی کمی نہ آئی وہ شرڈی کی طرف بھاگا اور وہاں جا کر بابا کے قدموں پر گر پڑا۔ بابا نے اسے عجیب و غریب علاج بتایا۔

"جاؤ لکشمی مندر کے سامنے کسی کالے کتے کو دہی ملے ہوئے چاول ڈالو" بالا نہیں جانتا تھا کہ بابا کی نصیحت پر کس طرح عمل کرے لیکن جیسے ہی وہ گھر پہنچا اسے دہی اور چاول مل گئے۔ اس نے دہی میں چاول ملا کر لکشمی مندر کے سامنے لائے جہاں اُسے کالا کتا دُم ہلاتا ہوا مل گیا۔ اس نے دہی ملے چاول کتے کے سامنے رکھ دیئے۔ کتے نے انھیں

سے کرتے ہیں"اب ہم بتادیں گے کہ بابا نے وقتاً فوقتاً اپنے بھگتوں کی کس طرح مدد کی ہے۔

بھیما جی پاٹل کو بیماری سے نجات

ضلع پونا کے جونار تعلقہ کے نارائن گاؤں کا رہنے ولا بھیما جی پاٹل 1909ء میں چھاتی کی ایک ایسی بیماری کا شکار ہوا جو بالآخر تپ دق کی شکل اختیار کر گئی۔ اس نے ہر طرح کا علاج کرایا لیکن کچھ افاقہ نہ ہوا۔ ہر طرف سے ناامید ہونے پر اس نے خُدا سے دُعا کی۔

"اے خُدایا اب میری مدد کر"۔ یہ کہاوت سب کو معلوم ہے کہ جب ہم فارغ البال ہوتے ہیں تو ہم خُدا کی عبادت نہیں کرتے لیکن جب مصیبتیں نازل ہوتی ہیں تو ہم اُسے یاد کرنا شروع کرتے ہیں۔ اسی طرح بھیما جی نے اب خدا کی طرف رجوع کیا۔ اُسے خیال آیا کہ نانا صاحب چندور کر سے مشورہ کرنا چاہئے جو بابا کے زبردست معتقد تھے۔ چنانچہ اُس نے انھیں ایک خط لکھا جس میں اپنی بیماری کا سارا حال بیان کر دیا۔ اور ان سے رائے مانگی۔ انھوں نے جواب لکھا کہ اب ایک ہی علاج اور وہ یہ کہ بابا کے قدموں کا سہارا لیا جائے۔ نانا صاحب کی نصیحت پر عمل کرتے ہوئے اُس نے شرڈی جانے کی تیاری کی۔ اس کو شرڈی لاکر مسجد میں لے جاکر بابا کے سامنے رکھا گیا۔ اُس وقت شاما دیش پانڈے اور نانا صاحب وہاں موجود تھے۔ بابا نے اُن سے کہا کہ یہ بیماری اُس کے پچھلے کرموں کا نتیجہ ہے۔ اس لیے وہ اس میں مداخلت نہیں کر سکتے۔ بھیما جی بابا کے قدموں پر گر کر چلایا" میں بالکل بے سہارا ہوں۔ میں بہت امید لے کر آیا ہوں۔ مجھے اس بیماری سے نجات دلائیے۔ آپ کو اُس پروردگار اور مالکِ کُل کا واسطہ ہے"تب بابا پگھل گئے اور انھوں نے فرمایا" گھبراؤ نہیں تمہاری ساری تکلیفیں دور ہو جائیں گی جو کوئی مصیبت زدہ اس مسجد کی سیڑھیوں پر چڑھتا ہے اس کی تکلیف دور ہو

آٹھواں باب

سائی بابا کا معراج

مایا کی ناقابلِ تسخیر قوّت

بابا کے الفاظ ہمیشہ مختصر، گہرے، معانی سے بھرے ہوئے مناسب اور بہت ہی متوازن ہوتے تھے۔ وہ ہمیشہ مطمئن رہتے تھے اور کبھی کسی چیز کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ میں اگرچہ فقیر ہو گیا ہوں اور میری نہ بیوی ہے نہ گھر اور اگرچہ میں ساری پریشانیوں سے آزاد ہوں اور ایک ہی جگہ پر رہتا ہوں پھر بھی مایا مجھے اکثر پریشان کرتی ہے۔ اگرچہ میں نے خود کو فراموش کر دیا ہے پر میں مایا کو نہیں بھول پایا ہوں۔ وہ اکثر مجھے گھیر لیتی ہے۔ یہ نظر نہ آنے والی مایا کی طاقت جب برہما اور اُس ایسے دوسرے دیوتاؤں کو بھی پریشان کرتی ہے تو مجھ جیسے فقیر کی بساط ہی کیا ہے۔ جو لوگ خود کو خُدا کی پناہ میں دے دیتے ہیں وہ اس کے چنگل سے بچ جاتے ہیں۔ اس طرح بابا ایسے الفاظ میں مایا کی طاقت کو بیان کرتے تھے۔ بھگوت گیتا میں کرشن نے ارجن سے کہا ہے کہ سادھو اور سنت اُن کی زندہ صورت ہیں جو لوگ خوش نصیب ہیں اور جنھوں نے اپنی کمیاں دور کر دی ہیں وہ میری پوجا کرتے ہیں بابا نے کہا ہے کہ اگر تم ہمیشہ ''سائی سائی'' کہو گے تو میں تمھیں سات سمندر پار کرا دوں گا۔ میرے الفاظ پر یقین کرنے سے تمھیں بہت فائدہ ہو گا۔ مجھے پوجا کرنے کے لیے کسی ساز و سامان کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اُس جگہ ہوتا ہوں جہاں سچی بھگتی ہے۔ وہ خوش قسمت ہیں جو میری پوجا سچے جذبے

انھیں اب یہ سمجھ میں آیا کہ بابا کے ان الفاظ کا مطلب کیا تھا کہ ''گورو کو لاؤ آج ہم زعفران کے رنگ کے کپڑے پہنیں گے'' بابا کی لیلا ایسی عجیب و غریب ہے۔

ایک ڈاکٹر

ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک گاؤں کا معاملہ دار اپنے ایک ڈاکٹر دوست کے ساتھ شرڈی آیا لیکن شرڈی آنے سے پہلے کہنے لگا کہ اُس کے دیوتا 'شری رام' ہیں اس لیے وہ ایک مُسلمان فقیر کے سامنے نہیں جھکیں گے۔ چنانچہ وہ شرڈی جانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ معاملہ دار نے اس سے کہا کہ اگر وہ خود وہاں نہیں جانا چاہتا تو کوئی بات نہیں وہ اُس کے ساتھ اس کے ساتھی کے طور پر چلیں۔ انھیں جھکنے کے لیے کوئی بھی مجبور نہیں کرے گا۔ چنانچہ وہ دونوں شرڈی آئے اور مسجد میں بابا کے درشنوں کے لیے گئے۔ سب لوگ یہ دیکھ کر حیران تھے کہ ڈاکٹر نے سب سے آگے چلتے ہوئے بابا کو سلام کیا۔ بابا نے اس سے دریافت کیا کہ اپنا فیصلہ اور ارادہ بھول کر وہ کیوں ایک مسلمان فقیر کے سامنے جھُکا؟ اس پر ڈاکٹر نے جواب دیا کہ اس نے اپنے گورو شری رام کو ان کی سیٹ پر بیٹھا ہوا دیکھا اس لیے اس نے ان کو سجدہ کیا۔ پھر جب وہ یہ کہہ رہا تھا اس نے پھر سائی بابا کو وہاں بیٹھے ہوئے دیکھا۔ مایوس ہو کر اس نے دریافت کیا کہ کیا یہ خواب ہے۔ وہ کیسے ایک مسلمان ہو سکتا ہے۔ یہ ضرور ایک بڑا یوگی ہے۔ اگلے دن اس نے قسم کھا کر روزہ رکھنا شروع کیا اور مسجد میں جانا چھوڑ دیا۔ اس نے سوچا جب تک بابا اس کو اپنی نظرِ کرم سے نہیں نوازیں گے وہ دوارکا مسجد نہیں جائے گا۔ چوتھے دن اس کا ایک قریبی دوست ''خاندیش'' سے آیا اور اس کے ساتھ وہ بابا کے پاس گیا۔ سلام دعا کے بعد بابا نے اس سے دریافت کیا کہ کیا اسے کوئی بلا کر وہاں سے لایا ہے؟ یہ اہم سوال سن کر ڈاکٹر پسیج گیا۔ اس رات کو بابا نے اس کو اپنی دعا سے نوازا۔ پھر وہ خوشی خوشی گھر لوٹ آیا اور بابا کا پکا بھگت بن گیا۔

آؤ۔ باپو صاحب بوٹی خود گئے اور جب انھوں نے بابا کا پیغام انھیں دیا تو وہ خود بہت حیران تھے شاستری نے اپنے دل میں سوچا کہ میں وہ خود خالص اگنی ہوتری براہمن ہوں میں کیوں دکشنا دوں۔ بابا چاہے عظیم ولی ہوں پر میرا ان پر کوئی دارومدار نہیں ہے۔ لیکن بابا جیسا ولی چوں کہ دکشنا مانگ رہا تھا اور وہ بھی ایک کروڑ پتی کے ذریعے اس لیے وہ انکار نہ کر سکے۔ چنانچہ اپنا معمول ادھورا چھوڑ کر وہ فوراً بوٹی کے ساتھ دوار کا مسجد کے لیے روانہ ہو گئے۔ خود کو مقدس اور مسجد کو اپنے برعکس سمجھتے ہوئے کچھ دوری پر رک گئے اور اپنے ہاتھوں کو جوڑ کر بابا پر پھول پھینکے۔ پھر اچانک اس نے کیا دیکھا کہ بابا کی جگہ ان کے اپنے گرو "گھولپ سوامی" وہاں بیٹھے تھے۔ وہ حیران و ششدر ہو گئے۔ کہیں یہ خواب تو نہیں؟ یہ خواب نہیں کیوں کہ وہ پوری طرح بیدار تھے۔ ان کے آں جہانی گورو کیسے وہاں ہو سکتے تھے؟ کچھ دیر کے لیے وہ بات بھی نہ کر سکے۔ انھوں نے اپنے تن پر چٹکی لے کر ایک بار پھر دیکھا پر وہ اس بات کو مان نہ سکے کہ اُن کے آں جہانی گورو وہاں ہو سکتے ہیں اور وہ بھی مسجد میں۔ بالآخر سارے شکوک و شبہات ترک کر کے وہ اوپر جا کر اپنے گورو کے قدموں پر گر پڑے اور پھر ہاتھ جوڑ کر سامنے کھڑے ہو گئے۔ لوگ بابا کی آرتی گاتے رہے لیکن مولے شاستری بڑے زور سے اپنے گورو کا نام جپتے رہے وہ سارے غرور اور بڑی ذات سے تعلق رکھنے کے تکبر کو ترک کر کے گورو کے قدموں پر پھر گر پڑے۔ جب کھڑے ہو کر انھوں نے اپنی آنکھیں کھولیں تو بابا کو دکشنا مانگتے ہوئے دیکھا۔ بابا کے مبارک روپ کو دیکھ کر اور اُن کی نا قابلِ فہم طاقت کا اندازہ کر کے مولے شاستری خود کو بھول گئے انھیں بے انتہا خوشی کا احساس ہو رہا تھا اور اُن کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو جاری ہو گئے۔ انھوں نے ایک بار پھر بابا کو سلام کیا اور دکشنا دی۔ انھوں نے کہا کہ "میرے تمام شکوک دور ہو گئے اور میں نے اپنے گورو کو دیکھا ہے" بابا کی یہ عجیب و غریب لیلا دیکھ کر شاستری سمیت سبھی لوگ متاثر ہوئے۔

کے عین مطابق تھے۔ ناناصاحب کی تجویز کی باباکے الفاظ نے تردید کر دی تھی۔

ناسک کے مُولے شاستری

ناسک کے ایک کٹّر اگنی ہوتری براہمن کانام "مولے شاستری" تھا۔ انھوں نے چھ شاستروں کو پڑھا تھااور علمِ نجوم اور جوتش کے ماہر تھے۔ وہ ایک بار باپو صاحب بوٹی جوناگپور کے کروڑ پتی آدمی سے مل کر شرڈی آئے۔ کچھ دوسرے حضرات کے ساتھ وہ بابا سے ملنے کے لیے مسجد گئے۔ بابا نے اپنے پیسے سے پھل اور بہت سی دُوسری کھانے کی چیزیں خریدیں اور انھیں مسجد میں موجود لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ بابا آم کو چاروں طرف سے اس طرح دبا دیتے تھے کہ جو انسان بھی اُسے مُنہ میں ڈال کر چوسنے کی کوشش کرتا تو آم کا سارا گودا ایک ہی چوس میں منہ میں آجاتا اور وہ گٹھلی اور چھلکے کو فوراً پھینک دیتا۔ بابا نے کیلوں کے چھلکے اُتار کر گودے کو بھگتوں میں تقسیم کیا جب کہ چھلکوں کو بابا نے اپنے لیے رکھ لیا۔ ایک جوتشی کے طور پر مولے شاستری باباکے ہاتھ کو دیکھنے کا خواہاں تھا اور چاہتا تھا کہ بابا اپنا ہاتھ آگے بڑھائیں۔ بابا نے اس کی درخواست کو نظر انداز کر کے اُسے چار کیلے دیئے اور رخصت کر دیا۔ مولے نے اشنان کر کے صاف کپڑے پہنے اور یگیہ ہوَن کے کام میں مصروف ہو گئے۔ معمول کے مطابق بابا نے کپڑوں کی تیاری کرتے ہوئے کہا "کچھ گیروے رنگ کے کپڑے لے آؤ آج ہم زعفران کے رنگ کے کپڑے پہنیں گے "کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ بابا کیا کہتے ہیں۔ پھر جب بابا لوٹے اور دوپہر کی آرتی کی تیاری کی جارہی تھی تو باپو صاحب جوگ نے مولے شاستری سے پوچھا کہ کیا وہ آرتی کے لیے چلیں گے؟ شاستری نے جواب دیا کہ وہ بعد دوپہر بابا سے ملیں گے۔ جلد ہی بابا اپنی جگہ پر بیٹھ گئے اور بھگتوں کے ساتھ اُن کی پوجا اور آرتی شروع ہو گئی۔ تب بابا نے کہا ناسک سے آئے براہمن سے کچھ دکشنا لے

"بھاؤ صاحب ڈھمل" ایک وکیل تھے۔ کسی مقدمے کی پیروری کرنے کے لیے اُن کو نپھاڈ کی عدالت میں جانا تھا۔ اُدھر جاتے ہوئے وہ شرڈی بھی آئے تاکہ بابا کے درشن کر سکیں۔ درشن کرنے کے بعد اُن کا ارادہ فوراً نپھاڈ روانہ ہو جانے کا تھا لیکن بابا نے انھیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ انھوں نے انھیں تقریباً ایک ہفتے یا اس سے زیادہ عرصے تک شرڈی میں روکے رکھا۔ اس دوران نپھڈ گاؤں کے مجسٹریٹ کو پیٹ کے شدید درد کی وجہ سے مقدمے کو ملتوی کرنا پڑا۔ اس کے بعد ڈھمال کو اجازت دی گئی کہ وہ جاکر اپنے مقدمے کی پیروی کرے۔ یہ مقدمہ کئی مہینے تک چلتا رہا اور اس کو تقریباً چار منصفوں نے سنا۔ بالآخر مسٹر ڈھمال نے کیس جیت لیا اور اُن کا موکل رہا کر دیا گیا۔

شریمتی نمونکر کو اجازت

ناناصاحب نمونکر نمون کے آنریری مجسٹریٹ اور وہیں کے رہنے والے تھے۔ وہ اپنی دھرم پتنی کے ساتھ شرڈی میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ اُن کا زیادہ وقت بابا کے ساتھ دوارکا مسجد میں اُن کی خدمت کرتے گزرتا تھا۔ ایک بار ایسا ہوا کہ اُن کا بیٹا جو بیلاپور میں تھا بیمار پڑ گیا اور شریمتی نمون کر نے بابا کی اجازت لینے کا فیصلہ کیا کہ وہ بیلاپور جاکر بیٹے کو دیکھنے کے ساتھ ہی ساتھ کچھ دنوں کے لیے رشتے داروں کو بھی مل آئے۔ لیکن شری نمون کر کی خواہش تھی کہ اُن کی دھرم پتنی دُوسرے ہی دن واپس آجائے۔ شریمتی نمونکر کو سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے لیکن سائی بابا نے اس کی مشکل کو حل کر دیا۔ شرڈی سے روانہ ہونے سے پہلے شریمتی نمون کر بابا سے اجازت لینے آئیں۔ بابا اس وقت ناناصاحب اور دوسروں کے ساتھ کھڑے تھے۔ شریمتی نمون کر نے اُن کے پاؤں چھو کر اُن سے اجازت مانگی۔ بابا نے اُن سے کہا "جاؤ جلدی جاؤ اور گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آرام سے چار دن تک بیلا پور میں رہو۔ سب رشتہ داروں سے ملو اور پھر واپس شرڈی آجاؤ" بابا کے الفاظ موقع محل

اُن کے کرشموں کی رُوداد اُن کے کانوں تک نہ پہنچ پاتی۔ کچھ لوگوں نے بابا کو دیکھنے کی خواہش ضرور کی تھی لیکن انھیں اُن کی زیارت اُس وقت تک نصیب نہ ہوئی جب تک کہ آپ نے سادھی اختیار نہ کرلی۔ یہاں بہت سے ایسے لوگ ہیں جنھیں بابا کو دیکھنا نصیب نہ ہوا۔ اگر یہ لوگ اُن کی کہانیاں اعتقاد کے ساتھ سنیں تو ان کی درشن کرنے کی تمنا بہت حد تک پوری ہو سکتی ہے۔ اگر کبھی کسی کو اچانک بابا کی زیارت حاصل ہو جاتی تو پھر وہ زیادہ دیر تک وہاں نہ ٹک سکتا۔ وہ وہاں اتنی ہی دیر ٹک سکتے جب تک بابا انھیں ٹھہرنے کی اجازت دیتے۔ اُن کے کہنے پر انھیں فوراً کمرہ خالی کرنا پڑتا تھا۔ چنانچہ ہر چیز کا دارومدار بابا کی مرضی پر تھا۔

کاکا مہاجنی کو جلدی رخصت

ایک بار کاکا مہاجنی ممبئی سے شرڈی آیا۔ وہ کم از کم ایک ہفتہ شرڈی میں قیام کر کے گوکل اشٹمی کے تہوار کا لطف اُٹھانا چاہتا تھا۔ شرڈی پہنچ کر جب اس نے بابا کے درشن کر لیے تو بابا نے اُس سے دریافت کیا کہ وہ کب ممبئی لوٹ رہا ہے۔ وہ اس سوال پر قدرے حیران ہوا لیکن اُسے جواب تو دینا ہی تھا۔ اس لیے اُس نے جواب میں کہا کہ وہ گھر اُس وقت لوٹے گا جب وہ اُسے حکم دیں گے۔ اس پر بابا نے فوراً کہا "کل چلے جاؤ" بابا کے الفاظ پتھر پر لکیر کی طرح تھے ان کی تکمیل کرنا ہی تھی۔ چنانچہ کاکا مہاجنی نے فوراً شرڈی کو چھوڑ دیا۔ جب وہ ممبئی میں اپنے دفتر گیا تو اس نے دیکھا کہ اُس کا مالک بڑی شدت سے ان کا انتظار کر رہا ہے۔ اُس کا منیم اچانک بیمار ہو گیا تھا اس لیے کاکا مہاجنی کی موجودگی وہاں بہت ضروری تھی۔ اس نے اس سلسلے میں کاکا کو شرڈی بھی خط بھیجا ہوا تھا جسے بعد میں وہاں سے واپس ممبئی بھیجا گیا۔

بھاؤ صاحب دُھمال کو جلدی جانے سے رُوکا

ساتواں باب

ایک آفتابِ عالم کی رہبری

[آئیے اب ہم دیکھیں کہ بابا کس طرح بھگتوں سے پیش آتے تھے اور اُن کی خاطر تواضع کیسے کرتے تھے۔]

ولی کا منصب

ہم نے دیکھا ہے کہ اس دُنیا میں جب کوئی مقدس وجود نمودار ہوتا ہے تو اس کا مقصد نیکی کی حفاظت اور بُرائی کو ختم کرنا ہوتا ہے، لیکن سادھو سنتوں کا مقصد بالکل الگ ہوتا ہے۔ اُن کے لیے اچھے اور بُرے برابر ہوتے ہیں۔ پہلے وہ گنہگاروں کو راہِ راست پر لاتے ہیں۔ وہ دُنیا کے اس عمیق ساگر سے پار کرانے والے یا سورج کی طرح تاریکی کو دُور کرانے والے ہوتے ہیں۔ خُدا سادھو سنتوں میں بستا ہے۔ حقیقت میں وہ اس سے مختلف نہیں ہوتے۔ ہمارے سائی بابا انھیں میں سے ایک تھے جو دنیا میں صرف اس لیے آئے تھے کہ اپنے چاہنے والوں کا بھلا کر سکیں۔ علم میں سب سے برتر اور مقدس روشنی میں گھرے ہوئے وہ سب سے یکساں طور پر محبت کرتے تھے۔ انھیں کسی سے خاص لگاؤ نہ تھا۔ دوست اور دُشمن، امیر و غریب سب اُن کی نظر میں برابر تھے۔ انھوں نے اپنا سب کچھ اُن پر نثار کر دیا اور وہ ہر وقت بھگتوں کی مدد کے لیے تیار رہتے تھے۔ لیکن اُن کا کوئی چاہنے والا اس وقت تک اُن تک نہیں پہنچ سکتا تھا جب تک کہ وہ خود ایسا نہ کرنا چاہے۔ بابا کے بھگتوں کی باری اگر نہ آتی تو بابا اُن کو یاد بھی نہ کرتے اور

یہ ہمارے سائی بابا ہیں۔ آج بھی اگر کوئی اُن کی عبادت کرے گا تو بابا اُس کی حفاظت کریں گے۔ جو شخص بھی اس باب کی کہانیوں کو روز معمول کے مطابق پورے یقین کے ساتھ پڑھے گا اُسے ساری مصیبتوں سے نجات مل جائے گی اُسے خُدا کا جلوہ دیکھنے کا موقع بھی ملے گا۔ اُس کی ساری خواہشات پوری ہو جائیں گی۔ وہ بالآخر خواہشات کے چُنگل سے آزاد ہو کر خُدا تک رسائی حاصل کر لے گا۔

باباکا مادی اشیا پر اختیار

جس طرح آکاش میں پیدا ہونے والی ہر جگہ گھومنے والی عظیم ہوا ہمیشہ ہی آکاش میں موجود رہتی ہے۔ اسی طرح بابا اپنے مفردات اس وقت دکھاتے تھے جب کبھی آوا گمن کے چکر میں یہ سنسار گھومتا تھا۔ ہم اس باب کو دو واقعات کے ذکر پر ختم کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق بابا کی زندگی سے ہے۔ ایک بار شرڈی اور اس کے آس پاس کے دیہات میں زبردست طوفان آیا۔ سارا علاقہ پانی میں ڈوب گیا۔ سب جاندار پرند، چرند اور انسان گھبرا گئے اور وہ پناہ کی غرض سے "دوارکا مسجد" کے گرد جمع ہو گئے۔ شرڈی میں بہت سے مقامی دیوتا ہیں لیکن کوئی بھی ان کی مدد کے لیے نہیں آیا۔ چنانچہ لوگ بابا سے درخواست کرنے لگے "ہمیں بچاؤ" بابا کو اُن پر ترس آگیا اور وہ مسجد سے باہر ایک کنارے پر کھڑے ہو کر بڑی گرجدار اونچی آواز میں بادل سے مخاطب ہوئے "ٹھہرو ٹھہرو! اپنے غصے کو روک لو اور پرسکون ہو جاؤ" یہ کہتے ہی طوفان رک گیا ہوائیں چلنی بند ہو گئیں اور بارش تھم گئی۔ ایسا کرشمہ ہوا کہ تھوڑی ہی دیر میں چاند نظر آنے لگا۔ لوگ خوشی خوشی گھروں کو چلے گئے۔ بابا ایک مردِ مجاہد تھے جو کسی معاوضے کی توقع کے بغیر کرشمے کرتے تھے۔

ایک دوسرے موقع پر دھونی کی آگ دوپہر کے وقت بھڑک اُٹھی۔ اس کے شعلے اُوپر چھت سے ٹکرانے لگے۔ مسجد میں بیٹھے ہوئے لوگوں کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کریں اور کسی میں یہ ہمت بھی نہیں تھی کہ بابا سے کہیں کہ اُس میں پانی اُنڈیل دیں یا کسی طرح اُسے بُجھا دیں۔ بابا نے جب دیکھا کہ اب آگ بھڑک اُٹھی ہے تو انھوں نے اپنی چھڑی (سٹکہ) جو ہمیشہ اُن کے پاس رہتی تھی مسجد کے ستون پر یہ کہتے ہوئے دے ماری "نیچے آجاؤ، خاموش ہو جاؤ" چھڑی کے مارنے کے ساتھ ہی شعلے کم ہونے لگے اور کچھ ہی منٹوں میں دھونی خاموش ہو گئی۔

تھے تو شاما نے بابا سے کہا حضور آپ فالکے صدیق کو مسجد میں آنے کے لیے کیوں نہیں کہتے ہو جب کہ آپ کا دربار عام آدمیوں کے لیے کھلا ہے۔ مہربانی کر کے فالکے صدیق حاجی کو ایک بار آشیر واد دے دو تاکہ اس کی خواہش پوری ہو جائے۔ بابا نے شاما سے کہا شاما تم یہ باتیں نہیں سمجھو گے کیوں کہ تم ابھی بہت چھوٹے ہو۔ جب اللہ ہی نہ مانے تو میں کیا کر سکتا ہوں۔ اللہ کی مرضی کے بغیر کون مسجد تک رسائی حاصل کر سکتا ہے۔ تاہم جاؤ اور اس سے پوچھو کہ کیا وہ باروی کنویں کی نچلی پگڈنڈی تک آسکتا ہے۔ شاما اس کے پاس گیا اور مثبت جواب لے کر لوٹا کہ وہ آسکتا ہے۔ بابا نے پھر شاما سے کہا کہ جاؤ اس سے کہو کہ کیا وہ مجھے چالیس ہزار روپے چار قسطوں میں دے سکتا ہے۔ شاما یہ سوال بھی لے کر فالکے کے پاس گیا اور اس کا جواب لے کر آیا کہ وہ چالیس لاکھ روپے تک دینے کے لیے تیار ہے۔ پھر بابا شاما سے کہنے لگے کہ ہم مسجد میں ایک بکرا ذبح کرتے ہیں۔ کیا وہ اس بکرے کا گوشت کھائے گا۔ فالکے کا جواب تھا کہ اگر یہ تحفہ بابا اپنے برتن میں دے گا تو مجھے قبول ہے۔ یہ سن کر بابا کو اشتعال آ گیا اور وہ اپنے سارے برتن پھینک کر سیدھے فالکے کے ہاں پہنچے اور اس سے کہنے لگے کہ "تم کیوں ڈھینگیں مارتے ہو، خود کو بڑا سمجھتے ہو، حاجیوں کا لباس زیب تن کر رکھے ہو اور قرآن شریف پڑھتے ہو اس کے باوجود مجھے سمجھنے سے قاصر ہو افسوس صد افسوس!" اس طرح ڈانٹ کھانے پر حاجی گھبرا گیا۔ بابا اس کے بعد واپس مسجد کو چلے گئے اور اپنی جیب سے 55 روپے نکال کر حاجی کے ہاتھ پر رکھ دیئے۔ اس کے بعد بابا حاجی سے محبت سے پیش آئے اور اسے کھانے کی دعوت دی۔ اس کے بعد حاجی جب چاہتا مسجد میں آتا جاتا۔ کبھی کبھی بابا کو کچھ روپے بھی دیتا۔ اس طرح حاجی کو بابا کے دربار کی فہرست میں شامل کر لیا گیا۔

اپنے گورو کی طرف چلا گیا اور اسی دھیان میں انھوں نے اپنے گورو کو چندن کا ٹیکہ لگایا۔ جب شام کو داد بھٹ نے بابا سے پوچھا کہ بابا آپ نے آج تک کسی بھگت کو ایسا ٹیکہ لگانے نہیں دیا تو پھر ڈاکٹر پنڈت کو آپ نے کیسے لگانے دیا۔ بابا نے جواب دیا ڈاکٹر پنڈت اپنے گورو "کاکا پورانک" کو ٹیکہ لگاتا ہے اُسے اپنے گورو سے جو محبت و عقید ہے مجھے اس کا احترام کرنا ہی تھا۔ یہی بات جب دادا بھٹ نے ڈاکٹر پنڈت سے کہی تو ڈاکٹر صاحب کہنے لگے میں جب دور کا مسجد میں گیا تو مجھے بابا کی گدی پر اپنے گورو "کاکا پورانک" کا مجسمہ نظر آیا۔ چونکہ میں اپنے گورو کو ہر دن ٹیکہ لگاتا ہوں اس لیے آج بھی میں نے ایسا کیا۔ بابا کو ہر سادھو سنت کا برابر احترام تھا۔

حاجی صدیق فالکے

در اصل یہ بات کسی کو پتا نہیں تھی کہ بابا کب کس کو اپنے بھگت کا درجہ دیں گے۔ یہ ان کی اپنی مرضی پر منحصر تھا۔ صدیق فالکے کی کہانی اس بات کا ثبوت ہے ۔ کلیانی گاؤں کے ایک مسلمان جو مکہ اور مدینہ کی زیارت کر کے آیا تھا کو خیال آیا کہ وہ شرڈی جا کر بابا سے ملے۔ جب وہ چاوڑی مسجد پہنچا تو شمال کی طرف منہ کر کے مسجد کے کھلے احاطے میں بیٹھ گیا۔ نو ماہ تک بابا نے اس کو کوئی اہمیت نہ دی اور اسے دوار کا مسجد میں داخل ہونے نہیں دیا۔ صدیق فالکے بہت مایوس ہوا۔ اس کو سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ پھر کسی نے اسے مشورہ دیا کہ وہ مایوس نہ ہو بلکہ بابا کے ایک قریبی بھگت جس کا نام شاما (مادھو راؤ دیش پانڈے) ہے کی وساطت سے بابا تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ جس طرح بھگوان شو تک "نندی" کے ذریعے رسائی حاصل کی جاتی اسی طرح اسے بابا تک شاما کے ذریعے پہنچنا چاہیے۔ فالکے کو یہ مشورہ پسند آیا اور اس نے شاما یعنی مادھو راؤ دیش پانڈے کو مدد کے لیے بیچ میں ڈال دیا۔ ایک دن جب بابا مسجد میں بیٹھے

تھے اور اپنی خواہش کے مطابق ان کی خدمت کرتے تھے کوئی بھگت ان کو پنکھا جھلتا تھا کوئی بھگت پاؤں دباتا۔ کوئی پاؤں دھوتا کوئی نوید کھلاتا۔ کوئی کسی ساز کو چھیڑتا، کوئی چندن یا خوشبو لگاتا وہ ہر پریمی بھگت کے من میں ہوتے تھے۔ حالانکہ وہ شرڈی کی دور کا مسجد شریف میں ہوتے لیکن دراصل وہ ہر جگہ موجود ہوتے۔ اُن کے بھگتوں کو وہ ہر جگہ دکھائی دیتے تھے ایسے ست گورو کو ہمارا سلام پہنچے۔

ڈاکٹر پنڈت کی پُوجا

ایک دن کا واقعہ ہے کہ تاتیا صاحب نولکر کا دوست ڈاکٹر پنڈت شرڈی میں بابا کے درشن کے لیے آیا۔ جب ڈاکٹر پنڈت کی مسجد میں تشریف آوری ہوئی تو بابا نے اس سے کہا کہ تم دادا بھٹ کلکر کے پاس جاؤ۔ ڈاکٹر پنڈت نے بابا کے حکم کی تعمیل کی۔ جب وہ داد بھٹ کلکر کے پاس گیا تو اس نے ڈاکٹر صاحب کی بہت آؤ بھگت کی۔ اُسی دوران عام دن کی طرح دادا بھٹ پوجا کا سامان لے کر مسجد کی طرف گیا تا کہ بابا پوجا کر سکیں۔ اور چیزوں کے علاوہ پوجا کے سامان میں چندن کا ٹیکہ بھی تھا۔ ڈاکٹر پنڈت بھی دادا بھٹ کے ساتھ تھے۔ ڈاکٹر پنڈت نے پوجا کی تھالی سے چندن کا ٹیکہ نکال کر بابا کے ماتھے پر تین لکیریں کھینچی۔ اُس دن تک کسی نے جرأت نہ کی تھی کہ بابا کے ماتھے پر اس طرح ٹیکہ لگائے۔ صرف مہالا سپتی ایک آدمی تھا جو بابا کے گلے پر چندن لگاتا تھا۔ جب ڈاکٹر پنڈت نے ایسا کیا تو بابا چپ چاپ بیٹھے رہے۔ انھیں ڈاکٹر پنڈت پر نہ تو غصہ آیا اور نہ انھوں نے اسے بُرا بھلا ہی کہا۔

ڈاکٹر پنڈت کے گورو روگناتھ مہاراج ڈپے شور گاؤں میں رہتے تھے۔ اور مہاراج ''کاکا پورانک'' کے نام سے مشہور تھے۔ ڈاکٹر پنڈت اپنے گورو ''کاکا پورانک'' کو ہمیشہ چندن کا ٹیکہ لگاتے تھے۔ آج جب وہ مسجد میں آئے تو بابا کے بدلے ان کا دھیان

روشنی (۵) سورج (٦) پانی (۷) برہمن لیکن ان سب اشیاء سے بہتر سدگرو ہیں۔ اس وقت ہم سائی بابا کی ظاہری صورت کو دھیان میں لائیں جو بغیر کسی لالچ یا لگاؤ کے ایک جسم وجود تھے اور اپنے بھگتوں کے لیے آرام و سکون کی پناہ گاہ تھے۔ ان کے الفاظ میں ہمارا یقین دراصل ہمارا آسن ہے۔ اور پوجا کرنے کے لیے ہمارا ارادہ خواہشات کو ترک کر کے سائی بابا میں دھیان لگانا ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال تھا کہ سائی بھگوان کے ایک بھگت تھے کچھ کے نزدیک وہ ایک بہت بڑے بھگت تھے لیکن ہمارے لیے وہ پرمیشور کا ظہور تھے۔ وہ ہمیشہ اپنے بھگتوں کے لیے دیالو، رحم دل اور حلیم تھے۔ وہ کبھی بھی کسی سے ناراض نہ ہوتے تھے۔ وہ نرم طبیعت سیدھے سادے اور حد درجہ کے مہذب شخصیت تھے۔ وہ اگرچہ دکھائی دیتے تھے لیکن درحقیقت ان کا کوئی جسم نہ تھا۔ اُن کو کسی چیز کی خواہش نہ تھی۔ نہ ہی کوئی تمنا تھی۔ جس طرح گنگا سمندر کی طرف بہتے ہوئے جھلستے ہوئے جانداروں کو ٹھنڈک پہنچا کر تازہ دم اور درختوں، فصلوں کو سیراب کرتی اور بہتوں کی پیاس بجھاتی ہے اسی طرح سائی بابا ایسے ولی یا سادھو سنت اپنی زندگی کے دوران سب کو سکون و شانتی بہم پہنچاتے ہیں۔ جب جب ایسے اوتار دنیا میں جنم لیتے ہیں وہ اپنے رابطے میں آنے والے ہر شخص کو پاپوں سے آزاد کرتے ہیں۔

بھگوان کرشن نے کہا کہ ہر وہ شخص جو گورو ہے مجھ میں رہتا ہے اور میں اس کے شریر و دل میں رہتا ہوں۔ یہ ناقابل بیان طاقت صرف شرڈی والے سائی بابا میں تھی۔ شروتی (اپنشد) میں بیان کیا گیا ہے کہ برہم اصل میں ایک مسرت ہے بھگتوں نے اس کا تجربہ شرڈی کے سائی بابا پر کیا تھا۔ بابا ہر ایک کی مدد کرتے تھے اپنی مدد کے لیے اُن کو کسی کی مدد کی ضرورت نہ تھی۔ وہ بیٹھنے کے لیے ایک پھٹے پرانے ٹاٹ کو استعمال کرتے تھے۔ اس کے پیچھے ایک تکیہ ہوتا تھا بابا نے اپنے بھگتوں کو کھلی چھوٹ دے رکھی تھی کہ وہ جیسے چاہیں اُن کا احترام کریں۔ اس لیے جب ان کے بھگت آتے

چھٹا باب

جوشِ عقیدت

(۱) سائی سگن برہم کے رُوپ میں(۲) ڈاکٹر پنڈت کی پوجا(۳) حاجی صدیق فالکے کی بھگتی(٤) مادی اجزا پر قابو

سگن روپ (انسانی جسم) میں جو شخص کرم کے پھل کی خواہش نہ کرتے ہوئے کیے جانے کے لائق عمل کرتا ہے اور سب کو ایک جیسا سمجھتا ہے وہی یوگی اور ستپرش (نیک آدمی) کہلانے کا حق رکھتا ہے۔ سائی بابا سگن رُوپ میں ایسی ہی شخصیت تھے۔

ایشور یا برہم کے دو رُوپ ہیں۔ جو دکھائی دے اُس کو سگن اور جو دکھائی نہ دے اس کو نرگن کہتے ہیں۔ نرگن کی کوئی شکل یا ہیئت نہیں ہوتی جب کہ سگن کی شکل یا ہئیت ہوتی ہے۔ تاہم دونوں برہم ہی کا روپ ہیں۔ جیسے نظام فلکی میں چاند ستارے آکاش میں جو دکھائی دیتے ہیں وہ سگن برہم کا روپ ہیں اور ان کے بیچ کا خلا جس میں یہ سب چاند ستارے موجود ہیں دکھائی نہیں د نرگن برہم ہے۔ کچھ لوگ سگن برہم کی پوجا کرتے ہیں خُدا نے چوں کہ انسان کو جسم عطا کیا ہے اس لیے انسان کے لیے خُدا کے مجسم ظہور کی عبادت کرنا زیادہ آسان ہے۔ ہماری محبت اور عقیدت اس وقت تک نہیں بڑھتی جب تک کہ ہم کچھ وقت تک سگن برہم کی عبادت نہ کریں جیسے جیسے ہم اس عمل اور ریاض میں آگے بڑھتے ہیں تو وہ ہمیں نرگن برہم کی عبادت کرنے کے بھی قابل بناتی ہے۔ آیئے ہم سگن برہم سے عبادت کا آغاز کریں۔ سات قسم کی چیزیں جن سے سگن پوجا ہوسکتی ہیں وہ ہیں (۱) مورت (۲) ہَون کند (۳) اگنی (۴)

سائی بابا پوتر اُودی بھگتوں میں تقسیم کر رہے ہیں تاکہ ان کی تکلیفوں کا کفارہ ادا کیا جا سکے۔ اُدھی و
اوشدھی بابا کی مسجد میں پورے سو سال سے بٹ رہی ہے۔ اب بھی جو بھگت پورے اعتقاد اور
بھروسے سے اس کا استعمال کریں ان کی تمام بیماریاں دور ہو سکتی ہیں۔

کی خواہش یا تمنا کرتے ہو تو من لگاتار اُسی کے بارے میں سوچتا رہتا ہے۔ من کو اپنے گُورو کے دھیان میں لگاؤ گے تو یہ صرف گورو کے بارے میں سوچتا رہے گا۔ آپ چاہے اپنے دنیاوی فرائض پورے کرتے رہیے لیکن اپنے من کو سائی بابا کے دھیان میں لگایئے وہ ضرور آپ کو ساری برکتوں سے نوازے گا۔ لیکن یہ سعادت بھی خُدا کی مرضی کے بغیر حاصل نہیں ہوتی۔ ایشور کی مدد سے سب کچھ آسان ہو جاتا ہے۔ سادھو سنتوں کی کہانیاں سُننے کا مطلب اُن کے ساتھ رہنا ہے۔ سادھو، سنتوں یا ولیوں کے ساتھ رہنے کے بہت فائدے ہیں۔ وہ ہمیں جسمانی احساس اور انا سے نجات دے کر موکش (نجات) عطا کرتے ہیں۔ اس لیے ہمیں سادھو، سنتوں کی کہانیاں پڑھنی چاہیں اور پڑھ کر اُن پر سوچ وچار کرنا چاہیئے یہی ایک راستہ ہے اس سنسار سے پار ہونے کا۔ مُرید کو کسی اور سادھنا کی ضرورت نہیں ہے جیسے نام جپنا۔ پوجا پاٹھ کرنا۔ یہ ہمارے پچھلے جنموں کا ہی پھل ہے کہ ہم اس جنم میں کسی مہان گورو کی سنگت پا لیتے ہیں۔ مہان گورو شری سچدانند ست گورو سائی مہاراج شرڈی میں اپنے بھگتوں کو دھیان کرنے کی تحریک دیتے ہیں۔ اس مہان پربھو کے چرنوں کا دھیان کرنے سے ہی ہم سب لوگوں کی مشکلیں آسان ہو جائیں گی اور ہم اس دُنیا کے سمندر کو ہنسی خوشی پار کر سکیں گے۔ بابا کی اُدھی (بھسمی) بانٹنے کی روایت اُس وقت شروع ہوئی جب بابا شرڈی میں تشریف لائے۔

بظاہر سائی بابا ایک سیدھے سادے انسان دکھائی دیتے تھے لیکن اُن کے کاموں سے اُن کی بے انتہا ذہانت اور مہارت کا پتا چلتا تھا۔ وہ جو کچھ کرتے بھگتوں کی بھلائی کے لیے کرتے۔ معمولی سے معمولی کام بھی وہ سوچ سمجھ کر اور گہرائی سے کرتے تاکہ اُن کے بھگت ہمیشہ خوشحال زندگی بسر کریں۔ بابا نے کبھی اپنے بھگتوں کو کوئی جسمانی آسن، سانس لینے کا کوئی خاص طریقہ، یا رسومات کو برتنے کا حکم نہیں دیا۔ نہ ہی انھوں نے اُن کے کانوں میں کوئی منتر ہی پھونکا۔ انھوں نے ہمیشہ چالاکی کو ترک کر کے "سائی سائی" کا جپ کرنے کا مشورہ دیا۔ وہ اُن سے کہتے کہ اگر تم نے یہ کیا تو تمھیں ساری جکڑ بندیوں سے نجات مل جائے گی اور تم ایک آزاد وجود میں تبدیل ہو جاؤ گے۔ سائی کا جپ کرتے رہو یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں کیسے آپ کے دکھ سکھ میں ساتھ د ہوں۔ جن زنجیروں میں تم پھنسے ہوئے ہو ان کو توڑنا میرا کام ہے۔ باقی یوگ وغیرہ تم میں سے کسی کے لیے بھی ضروری نہیں ہے اور نہ ہی تم ایسا سب کچھ کر سکتے ہو۔

فقراء کامل مالکِ کل کے فضل و کرم سے صرف سماج کو سدھارنے کے لیے دنیا میں نہیں آتے۔ وہ تو ہماری دنیا سے لگاؤ کے بندھن توڑنے اور ہمیں مالکِ کل کی طرف موڑنے کے لیے آتے ہیں۔ وہ ہمیں دُنیا کی طرف سے اندھا کرنے اور خُدا کا دیدار کرانے والی نظر دینے کے لیے آتے ہیں۔ مگر سائی بابا کے رحم و کرم کے بغیر نہ تو ہم میں یہ احساس جاگ سکتا ہے کہ ہم اُس سے بچھڑے ہوئے ہیں اور نہ ہی ہمارے اندر اپنے اصل مقام یا منزل کی طرف لوٹ جانے کی خواہش پیدا ہو سکتی ہے۔ سب سے اوّل خُدا کا فضل و کرم ہوتا ہے۔ اگر ہم اپنے اندر بابا کے وصال کی خواہش پیدا کریں اور وہ ہمارے اندر کے تار ہلا دیں تاکہ ہمارے اندر وہ خواہش پیدا ہو جائے اور اُن کا دستِ کرم ہمارے سر پر رہے تو ہم زندگی کا اصلی مقصد حاصل کر سکتے ہیں۔ وہ کہتے تھے کہ من کا کام ہے سوچنا۔ من ایک لمحہ بھی سوچے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر تم کسی دنیاوی چیز

بابا کے تئیں بے ادبی کا مظاہرہ کیا گیا ہے تو ہم اس سے معافی کے خواستگار ہیں اور بابا کے نام کو بار بار دھراتے ہیں۔ بظاہر تو ایسا لگتا تھا کہ بابا مادی اشیاء کو بہت پسند کرتے ہیں لیکن در حقیقت وہ کسی بھی مادی چیز سے لگاؤ نہیں رکھتے تھے اور نہ اُس سے یہ خیال ہوتا تھا کہ وہ خوش ہو رہے ہیں۔ وہ دیکھتے تو تھے لیکن انھوں نے نظر آنے والی اشیاء میں کبھی دل چسپی کا مظاہرہ نہیں کیا اور نہ اس کا پتہ چلتا تھا کہ وہ کیا دیکھ رہے ہیں۔ بابا پکے برہمچاری تھے۔ انھیں کسی بھی چیز میں دلچسپی نہیں تھی۔ وہ ایسے مقام پر پہنچ چکے تھے جہاں دکھ سکھ، خوشی اور غم کا احساس نہیں ہوتا ہے۔ صرف پاک شفاف، ضمیر رہتا ہے۔

ناناولی سے ملاقات

شرڈی میں ایک عجیب وغریب آدمی رہتا تھا جس کا نام ناناولی تھا۔ وہ بابا کا کام کاج کرتا تھا۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ اُس نے بابا سے عرض کیا کہ بابا آپ اس گدی پر سے اُٹھ جایئے کیوں کہ میں اس پر بیٹھنا چاہتا ہوں۔ بابا نے ایسا ہی کیا جیسا ناناولی نے عرض کیا تھا۔ ناناولی کچھ دیر اس گدی پر بیٹھا پھر ایکدم کھڑا ہو گیا اور بابا کے قدموں پر گر کر عرض کرنے لگا کہ بابا آپ اپنی گدی پر بیٹھ جایئے۔ میں اس مقام تک ابھی پہنچا نہیں۔ اس طرح ناناولی معافی مانگ کر شرمندہ ہو گیا۔ بابا نے ذرا سی ناراضی بھی نہیں دکھائی۔ حالاں کہ ناناولی نے اُن کی بے عزتی کی تھی۔ ناناولی بابا سے اس قدر پیار کرتے تھے کہ بابا کی سمادھی کے تیرہ دن بعد ان کا بھی انتقال ہو گیا۔

بابا سے ملنے کا سب سے آسان طریقہ

سو سو برس عبادت کرنے سے من ایسا پاک نہیں ہوتا جیسا سائی کا دیدار کرنے سے پاک ہوتا ہے۔ مجھے یوں لگتا ہے کہ شاید بابا کی دیدار کی تڑپ عبادت سے زیادہ ضروری ہے۔ یہاں ہم ان مہاتماؤں کی سنگت میں رہ کر کیسے دنیا کے ساگر کے پار جاسکتے ہیں۔

شرڈی کے لوگ سچ مچ خوش قسمت ہیں کہ انھوں نے سائی بابا کو اپنا معبود مان کر ان کی پرستش کی۔ وہ زندگی کے ہر کام میں یعنی کھیتوں میں، کھاتے وقت، پہنتے وقت سائی بابا کے گُن گاتے تھے۔ سائی کے بغیر وہ کسی اور کو جانتے نہیں تھے۔ شرڈی کی عورتوں کی محبت کا عالم یہ تھا کہ وہ اپنی میٹھی میٹھی دیہاتی زبان میں بابا کے گن گیتوں کی شکل میں گاتی تھیں۔ وہ پڑھی لکھی نہیں تھیں لیکن اُن کے سادہ گیتوں میں اصلی شاعری کے عناصر نظر آتے ہیں۔ سچی شاعری دراصل محبت کا اظہار ہوتی ہے۔ انھوں نے بابا پر ایسے گیت بنائے تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ وہ ایک سچے پریمی کے گن گا رہی ہیں جن کو سن کر ہر ایک انسان مست ہو تا تھا۔ ان گیتوں کو جمع کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کبھی کوئی بابا کا خوش نصیب پیروکار یہ کام کر دے۔

بابا کی حلیمی

کہتے ہیں خُدا یا بھگوان کے بھیجے ہوئے بندے میں چھ گن ہوتے ہیں (۱) شہرت (۲) دولت (۳) تیاگ (۴) علم (۵) شان و شوکت (۶) اور فراغ دلی۔ بابا میں یہ ساری صفات موجود تھیں۔ اُنھوں نے اپنے بھگتوں کے لیے انسانی جسم میں جنم لیا۔ بابا کی شان اور رحم دلی اتنی نرالی تھی کہ لوگ اُن کی طرف کھنچے چلے جاتے تھے۔ یہ نہ ہوتا تو لوگ انھیں کس طرح جانتے۔ بابا اپنے بھگتوں کے لیے ایسی زبان بولتے تھے جو شاید دیوی ماں سرسوتی بھی خود بولنے سے ڈرتی ہوں۔ نیچے ایک مثال درج کی جاتی ہے۔ بابا بڑی حلیمی اور انکساری سے اس طرح بولتے تھے۔

"میں آپ کے داسوں کا داس ہوں۔ آپ نے مجھے یہاں آکر مجھ پر بڑا احسان کیا ہے۔ میں آپ کے فضلے کا ایک کیڑا ہوں۔ آپ کے درشن پا کر میں اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھتا ہوں" یہ کیسی حلیمی ہے۔ اس کا ذکر کرنے سے کوئی انسان یہ سمجھتا ہے کہ

والوں کے کانوں میں منتر پھونک کر ان سے روپے حاصل کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کو مذہب اور تقدیس کا درس دیتے ہیں۔ لیکن خود مذہب اور تقدیس دونوں سے عاری ہوتے ہیں۔ ایسے گورو من کے میلے اور پاکھنڈی ہوتے ہیں۔ سائی بابا نے کبھی اپنے تقدس کا مظاہرہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ انھیں اپنے بڑے پن کا قطعی احساس نہیں تھا لیکن اپنے بھگتوں کا ہر لمحے خیال رکھتے تھے۔ انھیں اپنے پیروکاروں سے بے انتہا محبت تھی۔ گورو دو قسم کے ہوتے ہیں (۱) نیت (مقرر کردہ یا قطعی طور پر نامزد کردہ) (۲) انیت (غیر مقرر کردہ یا عمومی) جو انیت قسم کا گورو ہے، وہ ہمیں اُپدیشوں اور نصیحتوں سے نجات کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور ہمارے دل کو صاف کرتا ہے لیکن پہلی قسم کا گورو (نیت) ہماری تفرقہ آمیز ذہن کو ختم کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اچھی بری اشیاء میں فرق کرنے کی قوت کو جگا دیتا ہے اور ہمیں ایک دوسرے سے جوڑ کر متحد کر دیتا ہے۔ یہاں اور کئی طرح کے گورو بھی ہیں جو ہمیں دنیاوی علم عطا کرتے ہیں۔ لیکن وہ جو ہمیں وجود سے ہم کنار کر کے دُنیاوی وجود کے سمندر سے پار لے جائے وہی ست گورو ہے۔ سائی بابا ایسے ہی ست گورو تھے۔ اگر کوئی بھگت اُن کے درشن کے لیے شرڈی جاتا تو وہ پوچھے بغیر ہی اس کو اس کی زندگی کے تینوں زمانوں یعنی ماضی، حال اور مُستقبل کی ساری تفصیلات خود ہی بتا دیتے تھے۔ انھیں سارے انسانوں میں اللہ کے ظہور کی پرچھائیں دکھائی دیتی تھی۔ دوست اور دُشمن اُن کے لیے برابر تھے بڑے توازن سے وہ گنہگاروں کی بھی خدمت کرتے تھے۔ خوشحالی اور بدحالی دونوں صورتوں میں وہ ایک سے رہتے تھے۔ انھیں کبھی کسی پر شک نہ ہوا۔ وہ اگرچہ جسم سے کام لیتے تھے لیکن انھین اپنے جسم کی کوئی پرواہ نہ تھی اور نہ اپنی رہائش گاہ کی۔ حالانکہ یہ دکھائی دیتا تھا کہ اُن کا ایک جسم ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ ایک غیر مُجسم وجود تھے انھوں نے اسی جنم میں جسم کی حدود کو پار کر لیا تھا۔

میں اُس وقت آئے جب وہ 16 سال کے تھے۔ وہ وہاں تین برس تک مقیم رہے۔ پھر اچانک وہ کچھ وقت کے لیے وہاں سے غائب ہو گئے۔ کچھ وقت کے بعد وہ اورنگ آباد کے نزدیک واقع نظامِ ریاست میں رُونما ہوئے اور ایک بار پھر چاند پاٹل کی برات کے ساتھ شرڈی تشریف لائے۔ اس وقت وہ بیس برس کے تھے۔ پھر وہ شرڈی میں لگاتار 60 برس تک رہے۔ اس کے بعد انھوں نے 1918ء میں مہا سمادھی اختیار کی۔ اس کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ باباکا جنم 1838 میں ہوا ہوگا۔

باباکا مقصد اور تعلیمات

سترہویں صدی میں سنت رام داس (1608-1681) ہوئے جنھوں نے برہمن اور گائے کی رکشا کے اپنے اعلان شدہ مقصد حیات کو بہت حد تک پورا کیا۔ ان کے دو صدی بعد سائی باباپیدا ہوئے۔ اس وقت ہندوؤں اور مسلمانوں میں تفرقات خاصے بڑھ گئے تھے اور سائی بابا اس خلیج کو پُر کرنے کے لیے نمودار ہوئے۔ اُن کی سب کے لیے یہ نصیحت تھی کہ "سب کامالک ایک ہے" رام اور رحیم ایک ہی ہیں۔ ان میں ذرا بھی فرق نہیں ہے۔ جب رام اور رحیم ایک ہیں تو پھر اُن کو ماننے والے آپس میں کس بات پر جھگڑا کریں۔ رام اور رحیم کا اُپدیش جب ایک ہی ہے تو ذات پات کی تفریق کیوں؟ اس لیے دوسروں کی خبر و خیریت کا خیال رکھو تو خُدا بھی آپ کی حفاظت کرے گا۔ بابا کا کہنا تھا کہ دوسروں کے ساتھ فضول بحث نہ کرو اور نہ کسی کو اپنا دشمن بناؤ۔ سائی بابا کا فرمانا اور اُپدیش تھا کہ اگر دوسروں کی مدد نہیں کر سکتے ہو تو تکلیف بھی مت دو۔

سائی باباسچدانندست گورو تھے

گورو (پیر و مرشد) بے شمار ہیں۔ کچھ گورو ایسے ہیں جو ہاتھ میں مجیرے اور وینائیں لے کر گھر گھر جاتے ہیں اور اپنی روحانیت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ وہ اپنے ماننے

برہم(1) کا جسمانی ظہور

گوسائی بابا ایک انسان نظر آتے تھے لیکن وہ سب کے دل میں رہتے تھے وہ اگرچہ بظاہر لاتعلق نظر آتے تھے لیکن اندر سے سب کی بھلائی کا خیال رکھتے تھے۔ اُن کو کسی بھی چیز کی خواہش نہیں تھی۔ وہ صرف اپنے بھگتوں کا دھیان رکھتے تھے اور اُن کی ہی بھلائی چاہتے تھے۔ باہر سے وہ پریشان دکھائی دیتے تھے لیکن اندر سے وہ امن وسکون کا مسکن تھے۔ باہر سے وہ شیطان کی طرح عمل پیرا ہوتے تھے لیکن اندر سے وہ برہم (خدا مطلق) کی مانند تھے۔ وہ ساری دُنیا میں رہ کر بھی اکیلے تھے اور ظاہری طور پر تو وہ دنیاوی مصلحتوں میں اُلجھے ہوئے دکھائی دیتے تھے، لیکن سچائی یہ ہے کہ نہ اُن کو دُکھ کی پرواہ تھی نہ سکھ کی۔ دُنیاوی چیزوں میں اگر انھیں کسی چیز کی خواہش تھی تو وہ اپنے بھگتوں کی خوشحالی تھی۔ وہ اُن کی بھلائی چاہتے تھے۔ کبھی کبھی وہ اپنے بھگتوں کو پیار کی نظر سے دیکھتے اور کبھی انھیں گالی گلوچ سے بھی نوازتے۔ اُن کی ساری دولت لکڑی کی ایک لاٹھی تھی جسے وہ ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ وہ ہمیشہ ایک ہی آسن پر بیٹھے رہتے اور کبھی کسی تیرتھ یاترا پر نہیں جاتے تھے۔ انھوں نے کبھی شہرت کی پرواہ نہیں کی۔ وہ بھیک مانگ کر تناول فرماتے اور اور ہمیشہ کہتے "اللہ مالک ہے" بھگتوں کے لیے ان کی محبت ان مٹ تھی وہ علم کا خزانہ اور سکون کا سمندر تھے۔ جو لوگ بابا کو صرف گوشت پوست کا انسان سمجھتے تھے وہ دراصل پہلے بھی بدنصیب تھے اور اب بھی ہیں۔

بابا کا جنم اور شرڈی میں رہائش

کوئی نہیں جانتا کہ سائی بابا کے والدین کون تھے اور اُن کا جنم کب ہوا۔ لیکن شرڈی میں اُن کے قیام سے اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ بابا سب سے پہلے شرڈی

---

(1) برہم (Brahm) خدا مطلق ہیں اور برہما (Brahma) سے مختلف ہیں۔ ان دو میں فرق کرنا ضروری ہے۔

اور دُوسرے معاملات پر بحث کی ہے۔ اب ہم اُن کی طرزِ زندگی اُن کے سونے کے آداب اور تعلیم و تربیت کے اطوار پر روشنی ڈالتے ہیں:۔

بابا کا عجیب و غریب تخت پوش

پہلے ہم بتا دیتے ہیں کہ نانا صاحب ڈینگلے نامی ایک شخص نے بابا کے لیے لکڑی کا ایک تخت پوش لایا جس کی لمبائی اندازاً چار لمبے ہاتھ کے برابر تھی اور چوڑائی ایک ہاتھ کے برابر۔ بابا نے اُس تخت پوش کو زمین پر رکھنے کی بجائے اُسے پرانی رسیوں کے ٹکڑوں سے باندھ کر دور کا مسجد شریف کی چھت کے شہتیروں سے جھولے کی طرح لٹکا دیا تاکہ اُس پر آرام سے سو سکیں۔ رسیاں اتنی کمزور تھیں کہ وہ تخت پوش کا بوجھ بھی برداشت نہیں کر سکتی تھیں۔ بابا کا کرشمہ تھا کہ اس تخت پوش نے نہ صرف رسیوں کا بوجھ برداشت کیا بلکہ بابا کا بوجھ بھی برداشت کیا۔ بابا اس تخت پوش کے چاروں کونوں پر مٹی کے دیے رکھ کر انھیں رات بھر جلائے رکھتے۔ چاروں کونوں پر جلتے ہوئے دیوں کے درمیان بابا کو سوتے یا بیٹھے دیکھنے کا منظر قابلِ دید تھا۔ یہ بڑی ہی حیرت کی بات تھی کہ اس صورت حال میں بابا کس طرح تخت پوش پر چڑھتے یا اُترتے۔ بہت سے لوگ بڑی دلچسپی سے ان مناظر کو دیکھنے کی خواہش میں نظریں جمائے بیٹھے رہتے لیکن انھیں بابا کا اس پر چڑھنا اور اُترنا نظر نہیں آتا تھا۔ بابا نے جب دیکھا کہ ایسے لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا ہے جو انھیں چڑھتے اُترتے دیکھنا چاہتے ہیں تو انھوں نے ایک دن تخت پوش کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے اُسے پھینک دیا۔ آٹھوں سدھیاں (کمالات) بابا کے اختیار میں تھیں لیکن انھوں نے اُن کا کبھی مظاہرہ نہیں کیا نہ انھیں استعمال کرنے کی کوشش ہی کی۔ یہ سدھیاں اُن کے وجود کی تکمیل کے ساتھ ہی اُن کو حاصل ہو گئی تھیں۔

پانچواں باب

آفتابِ شرڈی

[سائی بابا کا طرزِ زندگی ، انُ کے سونے کا تخت پوش، اُن کا شرڈی میں قیام، اُن کی تعلیمات اُن کی سادگی ، انُ کو ملنے کا سب سے آسان راستہ۔]

سائی بابا کو ہمیشہ محبت سے یاد کیا کرو کیوں کہ وہ ہمیشہ سب کی بھلائی کے کاموں میں لگے رہتے ہیں انھیں یاد کرنے سے ہی زندگی اور موت کی پہیلی کو حل کیا جا سکتا ہے۔ یہ عبادت کا سب سے آسان اور بہترین طریقہ ہے کیوں کہ اس پر خرچ نہیں آتا۔ تھوڑی سی محنت زیادہ انعام کو ممکن بناتی ہے۔ چنانچہ جب تک ہم اپنے ہوش وحواس میں ہیں ہمیں لحہ بہ لحہ سادھنا کرنی چاہیے باقی سارے معبود دھوکا ہیں، صرف گورو ہی سچا خُدا ہے۔ اگر ہمیں گُرو پر یقین ہے تو وہ ہماری قسمت بدل سکتا ہے۔ اگر ہم سچے دل سے اس کی عبادت کریں تو وہ ہمیں اس سنسار سے نجات دے سکتا ہے۔ اگر ہم اُسے اپنا گورو بنائیں تو وہ ہمیں بڑی آسانی سے غم اور دُکھ کے سمندر کے پار اُتار سکتا ہے۔ جس طرح ہم دریا یا سمندر پار کرتے وقت اپنے خُدا پر یقین رکھتے ہیں اسی طرح ہمیں اس دُنیاوی وجود کے سمندر سے بخیر و خوبی پار اترنے کے لیے اپنے سچے گورو پر بھروسا رکھنا ہوگا۔ سچا گورو اپنے مُرشدوں کی خواہشات کا خیال رکھتا ہے اور انھیں علم اور نجات سے ہم کنار کرتا ہے۔

پچھلے کچھ ابواب میں ہم نے بابا کے بھیک مانگنے اُن کے مُرشدوں کے تجربات

ہو۔ میں نے آپ کو کب روٹی کھلائی میں تو خود محتاج ہوں" اس پر بابا نے جواب دیا کیا تم نے اپنے دروازے پر کُتے کو روٹی نہیں کھلائی۔ میں ہی وہ کُتا تھا۔ میں ہی تو تمام جانداروں میں موجود ہوں۔ اس پر مسز شریمتی ترکھڈ کے آنسو نکل آئے اور وہ اُن کے قدموں پر گر پڑیں۔

سبق

خدا کو سبھی جانداروں میں دیکھو۔ اُپنشد، گیتا اور بھاگوت ہمیں یہی سبق دیتے ہیں کہ خُدا کو اُس کی ساری مخلوق میں تلاش کرو۔ بابا نے دراصل ہمیں یہ بتایا ہے کہ کس طرح اُپنشد کی تعلیمات کو عملی شکل دی جاسکتی ہے۔ چنانچہ بابا اُپنشد کی تعلیمات کے سچے مُبلغ ہیں۔

کریاکرم (سالانہ رسومات) کرنے کے لیے شرڈی جاناچاہتا تھا۔ جانے سے پہلے وہ شری اور شریمتی ترکھڈ کے ملنے باندرہ بمبئی آیا۔ شریمتی ترکھڈ اس کے ہاتھ کوئی چیز بابا کو بھیجنا چاہتی تھیں۔ اس نے سارا گھر چھان مارا لیکن اُسے وہاں سوائے ایک پیڑے کے کوئی چیز نہ ملی جسے وہ بابا کو بھیج سکیں۔ یہ پیڑا بھی پہلے ہی بھینٹ چڑھایا جاچکا تھا۔ گوبند ماتم کی حالت میں تھا پھر بھی بابا کے تئیں محبت کی وجہ سے اس خاتون نے اس کے ہاتھ وہ پیڑا بھیج دیا۔ اس اُمید سے کہ بابا اُسے قبول کر کے کھائیں گے۔ گوبند شرڈی پہنچ کر بابا سے ملا لیکن وہ پیڑا ساتھ لے جانا بھول گیا۔ جس ٹھکانے پر اس نے قیام کیا تھا۔ پیڑا وہیں رہ گیا تھا۔ بابا نے کچھ کہا نہیں بس انتظار کرتے رہے۔ جب دوپہر میں وہ پھر پیڑا ساتھ نہ لے گیا تو بابا سے نہ رہا گیا۔ انھوں نے اس سے دریافت کیا کہ وہ اُن کے لیے کیا لایا ہے۔ کچھ بھی نہیں اس نے کہا کیا شریمتی ترکھڈ نے میرے لیے تمہارے ہاتھ پیڑا نہیں بھیجا ہے؟ اب لڑکے کو یاد آیا وہ بہت شرمندہ ہوا اور بابا سے معافی مانگی۔ اب وہ بھاگا بھاگا لاج سے پیڑا لے آیا اور اُسے بابا کو پیش کیا۔ بابا اُسے یکدم مُنہ میں ڈال کر نگل گئے۔ اس طرح شریمتی ترکھڈ کی محبت کے تحفہ کے طور پر بابا نے اُسے قبول کرلیا اور کہا لوگ جس طرح مجھ پر یقین رکھتے ہیں اُسی طرح میں انھیں قبول کرتا ہوں۔

بابا کے شاندار رُوپ میں کُتّے کو کھانا کھلایا گیا

ایک دن شریمتی ترکھڈ شرڈی میں کھانا بنارہی تھیں۔ جب دوپہر کا وقت آیا تو انھوں نے دیکھا کہ اُن کے دروازے پر ایک کُتا بیٹھا ہوا ہے۔ مسز ترکھڈ نے اُسے خوب روٹی کھلائی۔ کُتے نے بھی روٹی بڑے مزے سے کھائی۔ دُوپہر کو جب وہ "دوارکا مسجد شریف" میں آئیں تو بابا نے ان سے کہا ماں تم نے مجھے سویرے جو روٹی کھلائی ہے میں اس کے لیے تمہارا احسان مند ہوں۔ مسز ترکھڈ بڑی حیران ہو کر بولیں۔ "بابا یہ کیا کہتے

شر یمتی تر کھڈ کی بھگتی

جو شخص شر دھا سے بابا کو کوئی چیز پیش کرتا ہے وہ خلوص سے اُس کو قبول کرتے ہیں۔ بھگتی اور شر دھا قسم قسم کی ہوتی ہے۔ بھگت لوگ اپنی اپنی فطرت کے مطابق اپنی تمناؤں کی تکمیل کرتے ہیں اور اسی طرح یگیہ، تپ اور دان بھی بھگتی ہی کی اقسام ہیں۔ مسز تر کھڈ نے تین اشیاء پیش کیں:-

(1) مصالے اور دہی کے ساتھ تلے ہوئے بینگن (2) گھی میں پکائے ہوئے گول گول بینگن کے قتلے (3) مٹھائی کے پیڑے۔ آیئے دیکھتے ہیں بابا نے انھیں کس طرح قبول کیا۔

ایک بار باندرا ممبئی کے "مسٹر رگھبیر بھاسکر پُر ندرے" جو بابا کے زبردست پوجاری تھے اپنے اہلِ و عیال کے ساتھ شرڈی کے لیے روانہ ہوئے۔ مسز تر کھڈ نے مسز پُر ندرے کے پاس جا کر انہیں دو بینگن دے کر یہ کہا کہ وہ جب شرڈی جائے تو ایک بینگن کا بھرتا بنا کر بابا کو کھلائے۔ مسز پُر ندرے جب شرڈی پہنچی تو وہ بھرتے کے پلیٹ بنا کر مسجد میں گئی۔ بابا اس وقت کھانا کھانے ہی والے تھے۔ بابا نے بھرتے کو بہت مزیدار پایا۔ چنانچہ بابا نے اُسے سب میں تقسیم کر کے کچاریا بینگن لانے کے لیے کہا۔ رادھا کرشنا مائی کو پیغام بھیجا گیا کہ بابا کچاریا بینگن کا بھرتا کھانا چاہتے ہیں۔ وہ اس مُشکل میں پڑ گئی کہ وہ موسم بینگوں کا نہیں تھا۔ بینگن کیسے حاصل کئے جائیں یہ مسئلہ در پیش تھا۔ جب یہ پوچھا گیا کہ بُھرتا کون بنا کر لایا ہے تو مسز پُر ندرے کے ذمے ہی یہ کام بھی کیا گیا کہ وہ کچاریا بنا کر لائے۔ تب اس بات کی اہمیت سب کو معلوم ہوئی کہ بابا کیوں کچاریا بینگن کے بارے میں دریافت کر رہے تھے۔ سب لوگ بابا کی بھرپور معلومات کو دیکھ کو حیران و ششدر تھے۔

دسمبر 1915ء کی بات ہے کہ ایک لڑکا جس کا نام گوبند بالا رام مانکر تھا اپنے پتا کا

شام کو اور دُوسرے روز بھی یہ سب کچھ ٹھیک ٹھاک طریقے سے انجام پایا۔ سوموار تو کام کا دن تھا وہ بھی ٹھیک طرح سے بسر ہوا۔ مسٹر ترکھڈ نے اس طرح پہلے بھی پوجا نہیں کی تھی۔ انھوں نے یہ دیکھ کر کہ سب کچھ بیٹے کے وعدے کے مطابق ہو رہا ہے اپنے اندر خاصا اعتماد و بھروسہ پایا۔ اگلے منگلوار کو انھوں نے صبح کی پوجا معمول کی طرح انجام دی اور کام پر چلے گئے۔ دوپہر کو گھر لوٹ کر انھوں نے دیکھا آج وہ پرساد نہیں لائے تھے۔ انھوں نے اپنے نوکر سے پوچھا جس نے بتایا کہ اُس دن کوئی پرساد نہیں چڑھایا گیا تھا۔ اس پر انھوں نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر بابا کے ٹھاکر دوارے کے سامنے سجدہ کیا۔ اپنی غلطی کے لیے معافی مانگی ساتھ ہی بابا سے شکایت بھی کی کہ انھوں نے اس سارے معاملے کو ایک "ڈرل" بنا ہی دیا تھا۔ تب اُنھوں نے اپنے بیٹے کو خط میں یہ سب کچھ لکھ ڈالا اور بابا سے معافی مانگنے کے لیے کہا۔ یہ واقعہ باندرا میں منگل کی دوپہر کو ہوا۔

اُس دن اُسی وقت جب شرڈی میں دوپہر کی آرتی شروع ہونے والی تھی بابا نے ترکھڈ کی بیوی سے کہا۔

"ماتا میں تمہارے باندرا والے گھر گیا تھا۔ اس مقصد سے کہ وہاں کچھ کھاؤں گا لیکن میں نے دروازے پر تالا پڑا ہوا پایا۔ میں کسی نہ کسی طرح اندر داخل ہوا پر یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ آپ کے شوہر نے ترکھڈ صاحب میرے کھانے کے لیے کچھ نہ چھوڑا تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے بھوکا ہی لوٹا ہوں۔"

عورت کو کچھ بھی سمجھ نہ آیا۔ پر بیٹے کو جو قریب ہی تھا سب کچھ سمجھ میں آگیا کہ پوجا کرنے میں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ چنانچہ اس نے بابا سے درخواست کی کہ وہ اُسے گھر جانے دیں۔ بابا نے انکار کیا لیکن اُسے وہیں پوجا کرنے کی اجازت دے دی۔ تب بیٹے نے باپ کو خط میں وہ سب کچھ لکھ بھیجا جو اس کے ساتھ شرڈی میں ہوا تھا اور اس نے باپ سے درخواست کی کہ بابا کی پوجا کو نظر انداز نہ کریں۔

بھگتوں کے تجربات

اب ہم ایک دلچسپ موضوع سے متعلق بات کرتے ہیں۔ بھگوان کرشن گیتا کے نویں ادھیائے کے چھبیسویں شلوک میں فرماتے ہیں کہ "پاک دل رکھنے والا جو بھی بھگت پھل یا خالی پانی مجھے پیش کرتا ہے، میں اُس مقدس پیش کش کو قبول کر لیتا ہوں"۔ اگر کوئی بھگت بابا کو کچھ پیش کرنا چاہتا اور پھر وہ بھول جاتا تو بابا اُسے یاد کرا کے وہ چیز پیش کراتے اور پھر وہ اُسے قبول کر کے اُسے دُعا دیتے۔ کچھ مثالیں نیچے پیش کی جا رہی ہے۔

بابا کس طرح ترکھڈ خاندان سے لگاؤ رکھتے تھے

رام چند آتمارام عرف بابا صاحب ترکھڈ پہلے پرارتھنا سماجی تھے۔ اُنہوں نے اور ان کے گھر والوں نے خود کو سائی بابا کے لیے وقف کر دیا تھا اور وہ اُن کے سچے پریمی اور بھگت تھے۔ ایک بار یہ تجویز رکھی گئی کہ اُن کے فرزند اپنی والدہ کے ساتھ شرڈی جا کر مئی کی چھٹیاں گزاریں۔ ان کا فرزند یہ کرنے کے لیے تیار نہیں تھا کیوں کہ اُسے یہ خدشہ تھا کہ اگر وہ گھر سے چلا گیا تو گھر میں سائی بابا کی عبادت ٹھیک سے نہیں کی جائے گی کیوں کہ اس کے والد پرارتھنا سماجی تھے جو کسی تصویر کے سامنے عبادت نہیں کرتے تھے۔ تاہم اُن کے والد نے قسم کھا کر اُسے یقین دلایا کہ وہ اُسی طرح عبادت کریں گے جس طرح وہ خود کرتا تھا۔ اس پر اُن کا بیٹا اور بیوی شرڈی چلے گے۔

دُوسرے دن سنیچر وار کو ترکھڈ صاحب نے صبح سویرے اُٹھ کر پہلے اشنان کیا پوجا کرنے سے پہلے وہ بابا کے ٹھاکر دوارے کے سامنے سجدہ کر کے کہنے لگے۔

"بابا میں بالکل اسی طرح پوجا کرنے جا رہا ہوں جس طرح میرا بیٹا کرتا رہا ہے لیکن خُدارا اس کو میری رسمی ورزش (ڈرل) نہ بننے دینا" یہ کہہ کر انھوں نے پوجا کی اور تشکر کا پرساد چڑھایا۔ اس پرساد کو دوپہر کے کھانے کے وقت تقسیم کیا گیا۔

گھوڑے ڈر کر تیز بھاگنے لگے۔ تانگہ اُلٹ گیا، وہ شخص نیچے گر پڑا۔ اور کچھ دُوری تک اس کے ساتھ گھسٹتا چلا گیا جس سے وہ بُری طرح زخمی ہو گیا۔ اس طرح یورپی سیاح کو کئی دن کوپر گاؤں کے اسپتال میں رہنا پڑا۔

باباکے معتقدین اس بات سے بخوبی واقف تھے کہ باباکی ہدایات کی پیروی کرنے والے محفوظ رہتے ہیں اور جو نہیں کرتے وہ نقصان اُٹھاتے ہیں۔

بھکاری بننے کی ضرورت

کچھ لوگوں کے دِل میں سوال پیدا ہوا کہ اگر بابا اتنے اُونچے درجے کے سائی تھے تو انھیں گھر گھر جاکر بھیک مانگنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس سوال کا جواب مندرجہ ذیل ہے۔

حقیقت کو پانے کا یہی راستہ ہے کہ جب من کا پردہ ہٹ جاتا ہے تو وہ خود بخود آشکار ہو جاتی ہے۔ جس نے اپنے اور پرائے کو یکساں مانا جس نے دن اور رات میں کوئی فرق نہ سمجھا، جس کا دل دوئی سے آزاد ہے، ہندو شاستروں کے مطابق وہ آدمی جس نے دُنیا کی ہر چیز پائی ہے اور جس کو کسی اولاد، دولت اور شہرت کی خواہش نہیں، اُسے بھیک مانگنے کی اجازت ہے۔ سائی بابا نہ ہی گرہستی تھے اور نہ ہی اُن کو لالچ تھا کہ وہ بھیک مانگ کر خود کھائیں۔ باباکا من آئینے کی طرح صاف اور شفاف تھا۔ بابا نے یہ تینوں چیزیں چھوڑ دی تھیں یعنی لالچ، دولت اور شہرت، مگر غور کریں تو یہ تینوں چیزیں دراصل ایک ہی ہیں۔ اسی طرح جب اصلیت اور حقیقت کا سُورج چمکتا ہے تو بنی نوعِ انسان کی کائنات اور حقیقت ایک بن جاتے ہیں اور یہ سب ایک ہی حقیقت کے مظاہر نظر آتے ہیں۔ بابا اس لیے بھیک مانگ رہے تھے کہ وہ دُوسروں کو کھلانے کا شوق رکھتے تھے اور ایسا کرنے سے سب طبقوں کے لوگوں میں پریم کی بھاؤنا بڑھ جاتی تھی۔

کے سفر میں امداد پہنچائیں۔ جہاں بھی کہیں کوئی مشکل یا خطرہ یا سفر میں کوئی اندیشہ ہوتا تو بابا شرڈی سے جانے کی اجازت نہیں دیتے یا شرائط عائد کر دیتے۔

تاتیا کوتے پاٹل کو کیسے سفر میں مُشکل پیش آئی

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ تاتیا کوتے جلدی میں آئے اور بابا سے عرض کیا کہ مجھے کوپر گاؤں بازار جانا ہے۔ بابا نے کہا تاتیا جلدی مت کرو۔ اگر اب جانا ہی ہے تو اپنے ساتھ مادھو راؤ دیش پانڈے کو لے جاؤ۔ تاتیا نے بابا کی بات کی طرف زیادہ دھیان نہیں دیا اور چل دیا۔ ساول کنویں کے پاس پہنچ کر وہ ٹانگے کے گھوڑوں کو تیز دوڑانے لگا جس سے وہ گر گیا اور اُسے چوٹ آئی۔ ایسا ہی حادثہ تاتیا کو اُس وقت پیش آیا جب وہ بابا کی اجازت کے بغیر کولہار گاؤں کی طرف جا رہا تھا۔

ایک یورپی باشندے کی شرڈی میں آمد

ایک دفعہ ایک یورپی سیاح بابا سے ملنے کے لیے شرڈی آیا۔ نانا صاحب چاندورکر کی چٹھی بھی اس کے ساتھ تھی۔ اس کے رہنے کا انتظام کیا گیا۔ اُس کی خواہش تھی کہ وہ بابا کے ہاتھ چومے اور اُن کے قدموں میں اپنا سر رکھے۔ اُس نے تین دفعہ مسجد کی سڑھیوں پر چڑھنے کی تمنا کی تا کہ وہ بابا سے مل سکے لیکن بابا نے اُس سے ملنے سے انکار کرتے ہوئے اُس سے کہا۔

"باہر صحن میں ہی بیٹھیۓ"۔ بابا کی بات سن کر یوروپی سیاح نے کچھ ناراضگی ظاہر کی اور بابا سے کہا کہ اُسے جانے کی اجازت دیجئے۔ بابا نے اُسے دوسرے دن جانے کے لیے کہا۔ باقی جو بھگت بابا کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اُنھوں نے بھی اس یورپی سیاح کو جانے سے منع کیا۔ اس کے باوجود اس یوروپی سیاح نے تانگہ کیا اور شرڈی سے روانہ ہوا۔ جب وہ ساول کنویں کے پاس پہنچا تو سامنے سے کوئی سائیکل سوار آ گیا جسے دیکھ کر

باب چہارم

شرڈی یاترا کی خُصوصیات

شرڈی ریہاتااور نیم گاؤں کے درمیان برابر فاصلے پر واقع ہے۔ بابا عمر بھر ان حدود سے آگے نہیں گئے۔ انھوں نے کبھی ریل گاڑی نہیں دیکھی اور نہ اُس سے سفر کیا۔ اس کے باوجود انھیں ریلوں کے آنے جانے کا وقت معلوم ہوتا تھا۔ جاتے ہوئے جو لوگ بابا کے مشورے پر عمل کرتے انھیں فائدہ ہوتا جو انھیں نظر انداز کرتے وہ نقصان اُٹھاتے۔

بابا فرماتے تھے آدمی چاہے پیدل سفر کرے یا سواری میں پر زندگی بر قرار رکھنے کے لیے روٹی میسر ہونا لازمی ہے۔ انسان اگر ایک ہی منزل اختیار کرے تو چاہے اُسے دُور بھی جانا ہو تو تھکاوٹ سے چور نہیں ہوگا۔ (منزل مُتعین نہ ہونے کی وجہ سے آدمی ادھر اُدھر کی راہ اختیار کرتا ہے تو نہ کہیں منزل ہی ملتی ہے اور نہ ہی کوئی مقصد حاصل ہوتا ہے) خواہ مخواہ خود کو تھکا کر برباد ہی کرتا ہے۔

شرڈی میں جانے اور آنے والے یاتریوں کے لیے یہ بہت ضروری تھا کہ وہ بابا کے حکم کی تعمیل کریں۔ اگر وہ بابا کی اجازت کے بغیر جاتے تو اُن کو کسی نہ کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا، لیکن اگر وہ بابا کی اجازت لے کر شرڈی سے جاتے تو اُن کو سفر میں کوئی مشکل پیش نہ آتی۔

بابا کو 1908ء کے بعد روزانہ ہزاروں لوگوں سے رابطہ پڑا کرتا تھا۔ اُن کے خیال میں بس ایک ہی بات ہوتی کہ وہ کس قدر اور کہاں تک اپنے معتقدین یعنی بھگتوں کو اُن

سونے کی کوشش کرتا تو دوسرے اسے جگا دیتے۔ مثلاً اگر تاتیا خراٹے لینے لگتا تو بابا فوراً اٹھ کر اسے جھنجھوڑتے اور اس کا سر دباتے۔اگر مہالسا پتی سوتے تو بابا اسے اپنی طرف کھینچے ان کی ٹانگوں کو دباتے یا پیٹھ پر تھپکی دیتے۔اس طرح چودہ برس تک تاتیا اپنا گھر بار چھوڑ کر بابا کی محبت میں ''دوار کا مسجد میں سوتا رہا۔وہ کتنی خوشی کے دن تھے جنھیں فراموش نہیں کیا جاسکتا۔والد کے انتقال کے بعد تاتیا نے گھر بار سنبھال لیا۔

خوشحال چند اور رہتا گاؤں میں استقبال

سچّا عشق اور پریم کبھی دکھاوے کا محتاج نہیں ہوتا۔وہ خاموشی میں ہی پھلتا پھولتا ہے۔ایسا ہی رشتہ خوشحال چند اور بابا کے درمیان تھا۔

بابا گنپت کوتے پاٹل کو بہت پیار کرتے تھے۔ اتنا ہی پیار وہ چندر بھان شیٹ مارواڑی سے بھی کرتے جو رہتا کا رہنے والا تھا۔ اُن کے انتقال کے بعد بابا اُن کے بھانجے خوشحال چند سے بھی اتنی ہی محبت کرنے لگے بلکہ کچھ زیادہ ہی اور اُن کا خاص خیال رکھنے لگے۔ بابا کبھی بیل گاڑی اور کبھی کسی دُوسری سواری کے ذریعے رہتا گاؤں جاتے۔ اس گاؤں کے لوگ بینڈ باجوں کے ساتھ بابا کا استقبال کرنے کے لیے گاؤں کے دروازے پر آتے اور اُن کے سامنے سجدہ کرتے۔ پھر وہ بابا کو بڑے تزک و احتشام سے گاؤں میں لے جاتے۔ خوشحال چند بابا کو اپنے گھر لے جاتا اور انھیں اچھی آرام دہ جگہ یا کرسی پر بٹھا کر دوپہر کا کھانا کھلاتا۔ تب وہ کچھ وقت تک بڑی خوشی اور بے باکانہ انداز میں بات چیت کرتے جس کے بعد بابا سب کو دعائیں دے کر شرڈی لوٹ آتے۔

25.1

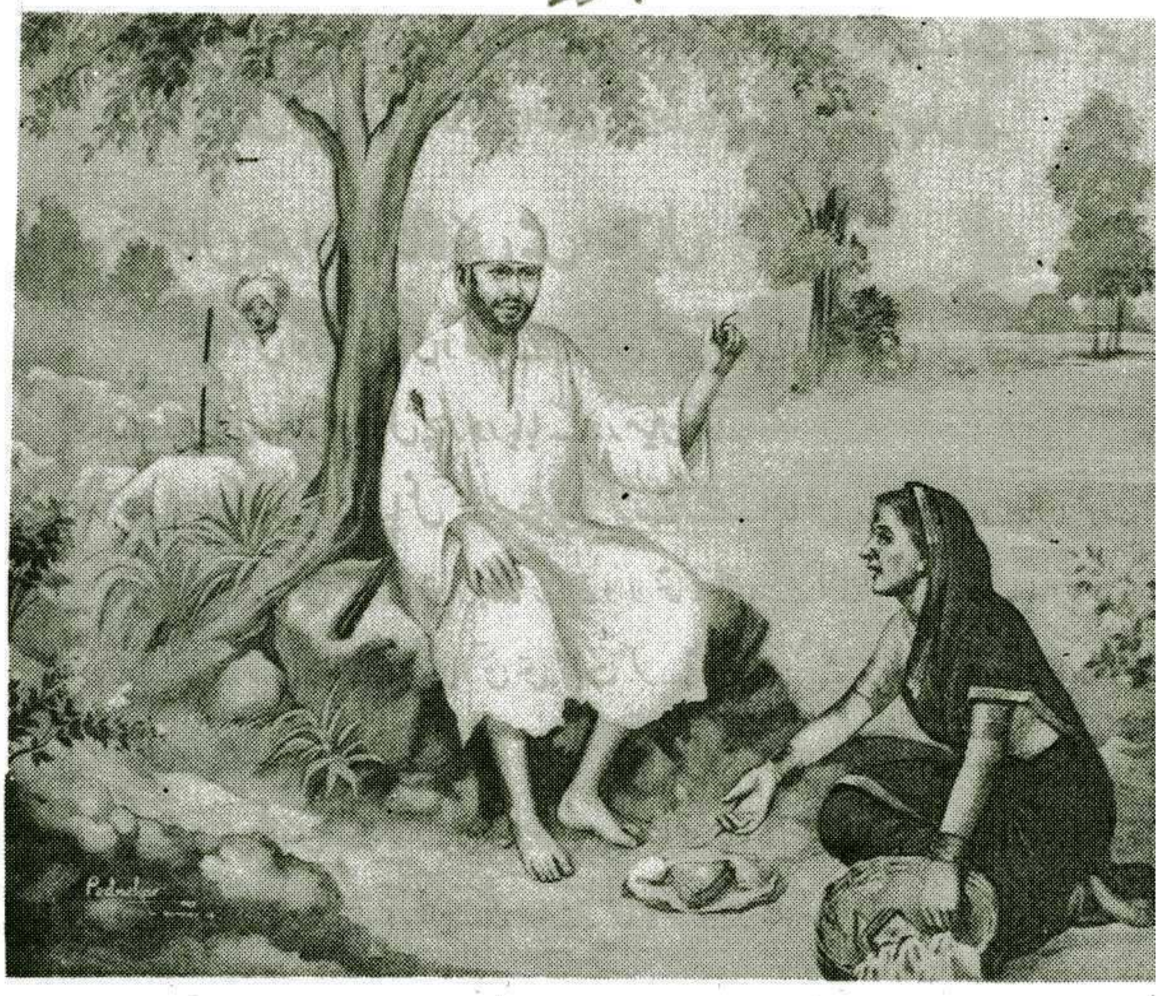

گورو کو بھگت کا پریم تب محسوس ہوتا ہے جب بھگت پورے احترام کے ساتھ پریم کرے۔ بایجابائی جو بابا کی سچی بھگت تھی اپنے ہاتھ سے بنائی ہوئی روٹی ان کو گورو جنگل میں لے کر کھلاتی تھی۔ بابا نے بایجابائی کو آخری وقت روحانی ریاضت دے کر ہمیشہ کے لیے دنیا فانی سے پار کر دیا۔

بائجابائی کی بے غرض خدمت

بابا کہتے تھے جو مجھے سب سے بڑا آسرا سمجھے گا عزت دے گا اور شُدھ پریم سے مجھے پانے کے لیے شردھا اور نشکام بھاؤ سے میری اُپاسنا کرے گا وہ میرا پیارا بھگت ہوگا۔

تاتیا کوتے کی والدہ بائجابائی ہر دوپہر کو سر پر روٹیوں اور سبزیوں کی ٹوکری اٹھائے بابا کی تلاش میں جنگل میں بھٹکتی پھرتی اور ان کے ملنے پر ان کے قدموں پر گر پڑتی۔ بابا خاموش بے حس و حرکت اپنے دھیان میں مگن ہوتے جب کہ وہ اپنی ٹوکری سے ساری چیزیں نکال کر اُن کے سامنے پھیلا دیتی اور انھیں مجبور کر کے دوپہر کا کھانا کھلاتی۔ اس کی خدمت اور بابا پر اس کا اعتقاد لاجواب تھا۔ بعد میں بابا نے اس کی بے لوث خدمت کو مرتے دم تک یاد رکھا اور اس کے بدلے اس کے بیٹے کو بہت فائدہ پہنچایا۔ ماں اور بیٹے دونوں کو بابا پر بہت یقین تھا۔ وہ بابا کو اپنا رزاق تصور کرتے تھے۔ بابا اُن سے اکثر کہا کرتے کہ اصلی بادشاہت فقیری میں ہے اور دولت عارضی چیز ہے۔ بعد میں بابا نے جنگلوں میں جانا ترک کر دیا اور وہ گاؤں میں رہنے اور مسجد میں کھانا کھانے لگے۔ اسی وقت سے بائجابائی کا جنگلوں میں بھٹکنا بھی ختم ہو گیا۔

تین نُفوس کی خوابگاہ

بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کے دل میں بھگوان واسدیو رہتا ہے اور بڑے خوش نصیب ہیں وہ لوگ جن کو فقیروں، سادھو سنتوں کی رفاقت میسر ہوتی ہے۔ ایسے ہی دو خوش نصیب لوگ "تاتیا کوتے پاٹل" اور "بھگت مہالساپتی" تھے جن کو بابا کی رفاقت پورے چودہ سال تک نصیب ہوئی۔ تینوں مسجد میں اپنے سر مشرق، مغرب، جنوب اور شمال کی طرف کر کے اور پاؤں بیچ میں جوڑ کر سوتے تھے۔ بستر بچھا کر وہ لیٹ جاتے اور مختلف موضوعات پر بات چیت کرتے۔ تینوں میں سے اگر کوئی بھی

بابا کیوں بھیک مانگتے تھے

بابا جب گاؤں میں بھیک مانگنے جاتے تھے تو ان کے جیسے چار چار ہاتھ ہوتے۔ آدمی کیا دیوتا ہمیشہ اس رُوپ کو دیکھنے کی اِچھا کر سکتے ہیں لیکن دھن ہیں وہ شرڈی نواسی جن کے دروازے پر بابا اپنی جھولی پھیلا کر روٹی کا ٹکڑا مانگتے۔ ان کے ایک ہاتھ میں ایک ڈبہ ہوتا تھا اور دوسرے میں جھولی۔ جو چیز گیلی ہوتی تھی وہ ڈبے میں لے لیتے تھے اور جو چیز سُوکھی ہوتی تھی وہ جھولی میں ڈال لیتے۔ دن کے بارہ بجے تک بھیک مانگ کر اناج کو ایک مٹّی کے کونڈے میں ڈال کر نیچے آگ جلا کر پکاتے اور پھر ہر طرح کے لوگوں میں بانٹ دیتے۔ اس کے علاوہ۔ بلّی، کُتّے، کوّے اور دُوسرے جانوروں کو کھلا کر ہی اُن کے دل کو سکون ملتا تھا۔ سب لوگ اس کو پرشاد یا تبرک سمجھ کر کھا لیتے تھے۔ بابا کی مسجد کی صفائی کرنے والی جو عورت تھی وہ بھی اس کو پرشاد سمجھ کر کھا لیتی۔

بابا بھیک اس لیے مانگتے تھے کہ اس سے لوگوں کو اپنے فرائض پورے کرنے کا موقع ملتا تھا۔ شاستروں کے مطابق جو شخص نسل پیدا کرنے، دولت حاصل کرنے اور شہرت حاصل کرنے کی تین خواہشات سے نجات حاصل کرے اُسے بھیک مانگنے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ بابا بچپن سے ہی پکے سنیاسی بن چکے تھے اور ساری کائنات اُن کا گھر تھا پھر ہم لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ روزی کماتے کماتے ہمیں کئی گناہ کرنے پڑتے ہیں یا وہ ہم سے سرزد ہو جاتے ہیں۔ اور ہمیں اُن کی خبر بھی نہیں ہوتی۔ آٹا گوندنے یا اناج پیسنے، برتن دھونے، جھاڑو دینے اور چولہا جلانے کے دوران بہت سے کیڑے مکوڑے یا جاندار مر جاتے ہیں۔ بابا ان گناہوں سے بچنے کی خاطر بھی بھیک مانگ کر گزارا کرتے تھے۔ وہ لوگ بہت خوش نصیب تھے جن کے دروازوں پر جا کر سائی بابا صدا دیتے تھے یا بھیک کے لیے کھڑے ہوتے تھے۔

23.2

باباگاؤں کے گھروں میں جاکر بھکشا مانگتے ہوئے۔ گھر کی مخصوص جگہ اور مخصوص برتن کی طرف اشارہ کر کے بابا کہتے تھے تمہارے گھر میں چاول، روٹیاں، سبزیاں موجود ہیں مجھ فقیر کو انکار مت کرو۔ بابا کے یہ الفاظ سن کر جو کچھ ان کے گھروں میں موجود ہوتا تھا بابا کے قدموں میں رکھ دیتی تھیں۔

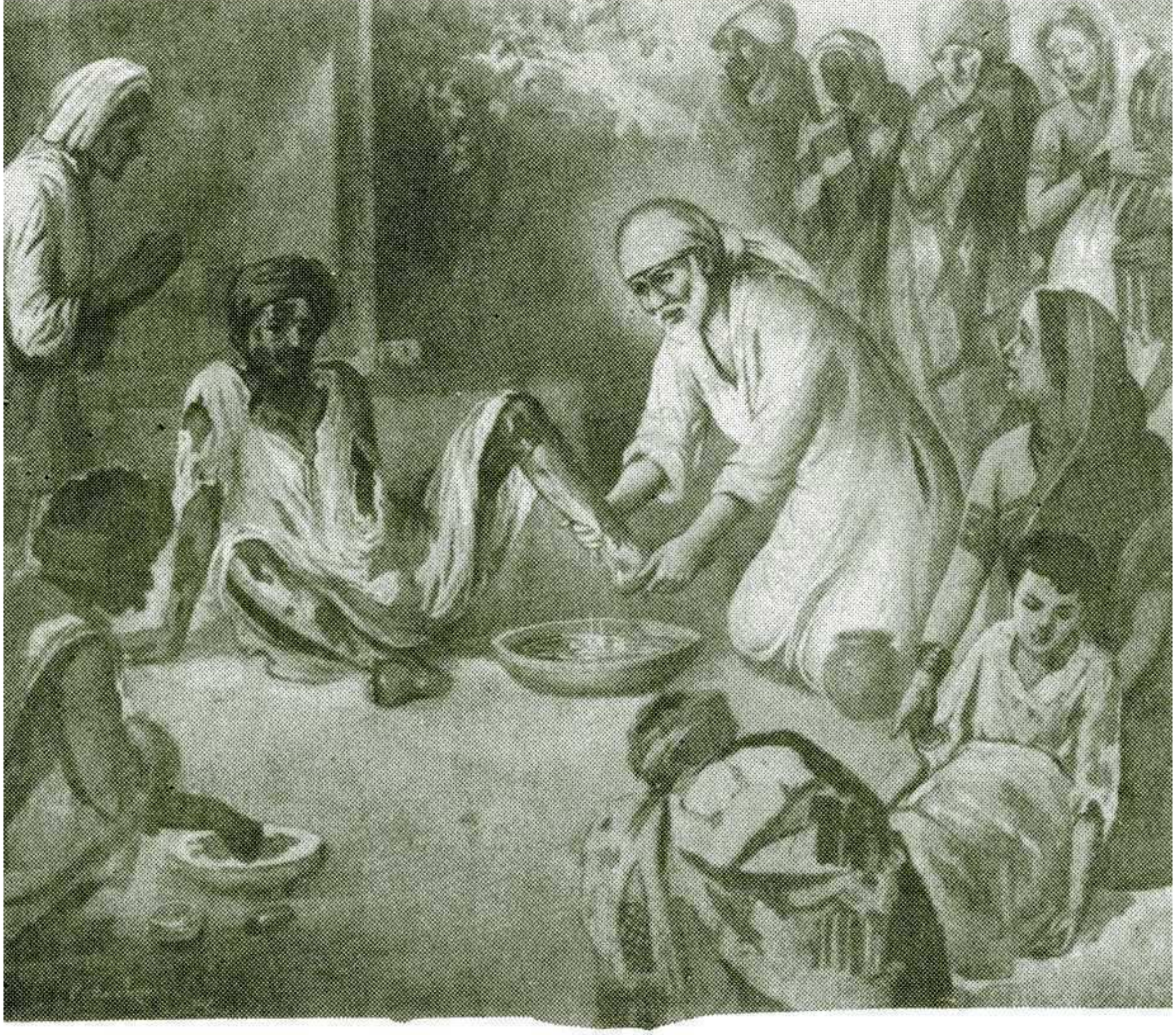

بابا نہ طبیب تھا نہ حکیم تھا نہ کوئی وید تھا لیکن اپنی روحانی طاقت سے اُودی (دھونی کی راکھ) سے تمام کوڑھی بیماروں کا علاج کرتا تھا اور بیمار کچھ ہی دنوں میں ٹھیک ہوتے تھے۔

بابا صبر و تحمل سے ان کو تکلیفوں سے آزاد کرتے تھے۔ تصویر میں وہ اسی طرح کے کام کرتے نظر آرہے ہیں۔

اُسے اس جنم میں کوڑھی کی شکل میں ملی تھی اور میرے ذریعے اس کی نجات ہونا طے تھا۔ اس لیے میں نے ڈاکٹر کی بجائے اُسی سے مرہم پٹی کرانے کا کام لیا۔ چونکہ اس کو گناہوں کی وجہ سے ملنے والی سزا سے نجات دلانے کا یہی ایک راستہ تھا کہ وہ میرے زخموں کی مرہم پٹی کرے۔ اس طرح بابا کا زخم بھی ٹھیک ہو گیا اور کوڑھی کے زخم بھی ٹھیک ہو گئے۔

ماسٹر کھپاڑے کس طرح وبا کی بیماری سے آزاد ہو گیا

بابا پاک و صاف اور پرم پوتر تھے۔ وہ سب میں سمائے ہوئے تھے۔ وہ دیوؤں میں سے ایک تھے۔ اپنے بھگتوں اور پرانیوں کی رکشا کے لیے وہ خود تکالیف اٹھاتے تھے۔

امراوتی کی ایک خاتون دادہ صاحبہ بابا کی سچی بھگت تھیں۔ اپنے بچے کو ساتھ لے کر وہ کچھ مدت کے لیے شرڈی آئیں۔ اُن کے قیام کے دوران اُن کا بچہ کسی بیماری کا شکار ہو گیا۔ شرڈی چوں کہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اس لیے وہاں ڈاکٹری علاج آسانی سے نہیں کرایا جا سکتا تھا چنانچہ بچے کا بُخار تیز ہو گیا۔ شام کو وہ گھبرائی ہوئی بابا کے پاس آئی اور اُن سے کہنے لگیں "بابا! میرا بچہ وبا کی وجہ سے بیمار ہو گیا ہے اور اُس کے بدن پر پھوڑے بھی نکل آئے ہیں۔ مجھے واپس گھر جانے کی اجازت دیجئے" یہ سنتے ہی بابا نے اس کو ڈھارس بندھاتے ہوئے کہا۔

"کوئی فکر نہیں۔ اس وقت سارا آسمان بیماری کے بادلوں سے اٹا ہوا ہے۔ یہ بادل جلدی ہی چھٹ جائیں گے اور وبا ختم ہو جائے گی" یہ کہتے ہوئے سائی بابا نے اپنی کفنی چھاتی تک اٹھا کر کھپاڑے کو اپنے بدن پر نکلے ہوئے چار پھوڑے دکھائے جن کی شکل انڈے کے مانند تھی۔ انھوں نے مزید کہا کہ وہ یہ سب خود برداشت کر رہے ہیں۔ اس لیے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔ دُوسرے دن بچہ بالکل تندرست ہو گیا۔

"دیوا یہ کیا کر رہے ہو؟ آپ یہ سب کس کے لیے کر رہے ہو؟" یہ کہہ کر بابا کو پیچھے کی طرف دھکیل دیا۔ تب بابا ہوش میں آئے اور کہا۔

"ایک لوہار کی عورت اپنے پتی کی دُھنکی چلا رہی تھی اور بڑے خُلوص سے روزی روٹی کمانے میں اپنے خاوند کی مدد کر رہی تھی۔ اس کا ایک شیر خوار بچہ پیٹ کے بل چلتے ہوئے آگ کی بھٹی کے قریب آکر اس میں گرنے والا تھا۔ اُس بچے کو آگ سے بچانے کے لیے میں نے اپنا ہاتھ دھونی میں ڈال دیا۔ میری اس تکلیف کے بدلے میں اگر بچہ بچ گیا تو میرے لیے اس سے بڑھ کر خوشی اور کیا ہو گی۔" بعد میں معلوم کرنے پر یہ واقعہ سچ نکلا۔

کوڑھی بھگت کی سیوا

بابا فرماتے تھے جو کوئی بھگت پرم پریم اور نشکام بھاؤ سے میری سیوا کرے گا میرا کام ہے کہ میں اُس کی بھگتی کو قبول کر کے اُسے نجات کی راہ دکھاؤں۔

ایک کوڑھی بھگت تھا جس کا نام بھاگوجی (Bhagoji) تھا۔ روز بابا کی سیوا کرتا تھا۔ جب بابا کا ہاتھ دھونی میں جل گیا تو اُن کے بھگت مادھو راؤ دیش پانڈے اور نانا صاحب چوندکر ممبئی سے ایک ڈاکٹر کو لے کر شرڈی آئے۔ ڈاکٹر کا نام پرمانند تھا۔ انھوں نے شرڈی پہنچ کر بابا سے کہا کہ وہ اپنے زخم پر بندھی ہوئی پٹیاں کھول دیں تاکہ ڈاکٹر دوائی لگا سکیں۔ بابا نے کہا کہ اُن کا بھگت بھاگوجی انکی مرہم پٹی کر رہا ہے انھیں اور کسی ڈاکٹر یا دوا کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ کوڑھی آدمی اسی طرح بابا کی مرہم پٹی کرتے کرتے خود بھی کوڑھ کی بیماری سے آزاد ہو گیا۔

اس پر بابا کے بھگتوں نے بابا سے پوچھا کہ بابا آپ نے ڈاکٹری علاج کیوں نہیں کرایا۔ بابا نے جواب دیا کہ "بھاگوجی" نے پچھلے جنموں میں جو پاپ کیے تھے اُس کی سزا

Master) کا جاپ کیا کرتے تھے "دوارکامائی" مسجد کے دو چھوٹے چھوٹے کمرے تھے جن میں وہ سب بھگتوں کی مہمان نوازی کرتے تھے۔ بابا جب عالمِ مستی میں مالک کے دھیان میں محو ہو جاتے تو پیروں میں گھنگرو باندھ کر ناچنے لگتے۔ بابا جس وقت شرڈی میں آئے تو اُن کے کانوں میں چھید تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ جنم سے ہندو تھے۔ اس کے علاوہ بابا ہندو مذہب کے ماننے والوں کی طرح ہی شنکھ بھی بجایا کرتے تھے۔ یہ سچ ہے کہ جو اپنے آپ کو لامحدود خُدا یا بھگوان کے سپُرد کر دیتا ہے اُس کے سامنے کوئی ذات پات یا مذہب نہیں رہتا۔ بابا کسی بھید بھاؤ کو نہیں مانتے تھے۔ اُن کے سامنے ہر چیز برابر تھی۔ بابا ماس، مچھلی، اور فقیرانہ غذا ایک مان کر کھاتے تھے۔ کبھی کبھی کتے ان کی غذا کو چھُو لیتے تو وہ کوئی فرق نہیں سمجھتے تھے۔ بابا سارا سارا دن اپنی مستی میں کھوئے رہتے تھے۔

بابا فرماتے تھے دھن، دولت و ثروت سب کچھ فانی ہیں۔ اس لیے دُنیا کے پیچھے مت بھاگو۔ خبردار! تمہارا دامن تر نہ ہو جائے۔

بابا کا ہر جگہ موجود ہونا اور اُن کی رحم دلی

دُنیاداری میں جکڑا ہوا انسان جو بھی کام کرتا ہے وہ صرف فائدے کے لیے ہوتا ہے لیکن یہ فائدہ آخرت میں اس کا ساتھ نہیں دیتا۔ مردِ مجاہد سچدانند ست گورُو سائی ناتھ بغیر مطلب یا کسی معاوضے کی توقع کے اپنا فرض ادا کرتے تھے۔

1910ء کا واقعہ ہے کہ بابا اپنی دُھونی کے پاس بیٹھے تھے۔ دیوالی کی چھٹی تھی وہ لکڑی کے ٹکڑوں کو ایک ایک کر کے دُھونی میں ڈال کر آگ کو تیز کر رہے تھے۔ یکایک بابا نے لکڑی کی بجائے اپنا ہاتھ آگ میں ڈال دیا۔ اس وجہ سے بابا کا سارا بازو جل گیا۔ مادھو راؤ دیش پانڈے (شاما) بابا کے سامنے بیٹھا تھا۔ اُس نے بابا کی کمر پکڑ کر چلا چلا کر کہا:-

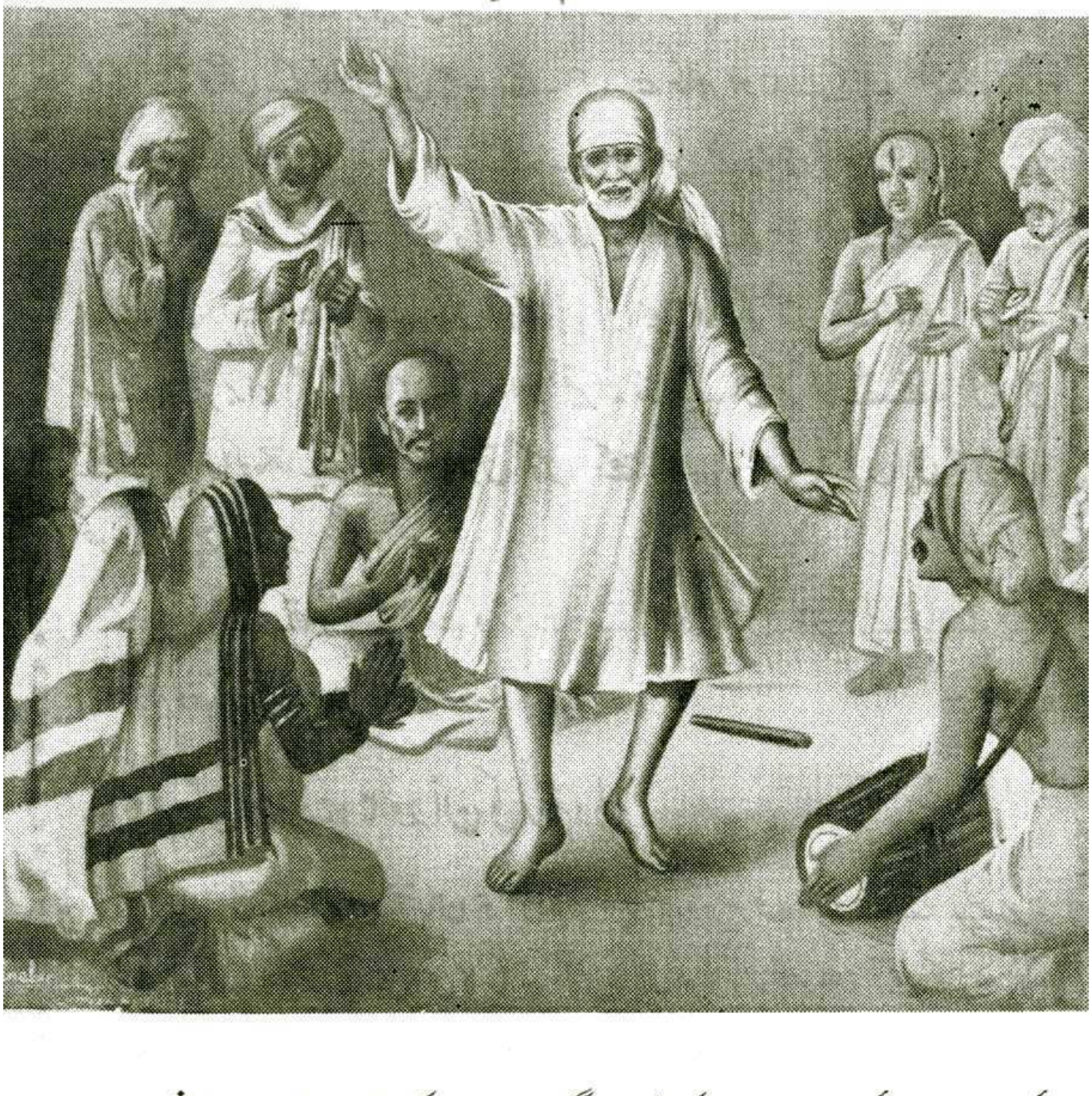

سائی بابا بے پروائی سے نٹ راج کی طرح سنگیت کاروں کی دھن پر نہایت خوشی، مسرت اور شادمانی سے ناچ رہے ہیں کہ براہِ راست مالکِ کل سے وصال حاصل کریں۔

نظریہ ہے۔

بابا نے یوگ کی مشق کرتے کرتے برہمانڈ (کاسۂ سر) کے بلند ترین مرکز پر تنِ تنہا رسائی حاصل کی۔ بابا فلسفہ کے رموز و نکات اور تانترک عمل سے بھی بخوبی واقف تھے جیسا کہ خود اُن کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے جس میں بار بار پران، اپان، نادبند، کُنڈلنی، یوگ، کلاؤں اور برہمہ رندر وغیرہ کا ذکر ہے۔ بابا کا مجموعہ کلام بصیرت، جذباتِ عشق اور خُلوص و صدق کا ایک ایسا مرقع ہے، جس میں حقیقت کی جھلک نُمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

بابا کبھی کبھی کھلے عام یوگ کی مشق کرتے تھے۔ اُنھوں نے کئی دفعہ اپنی انتڑیوں کی صفائی کرنے کے لیے لمبی ریشم کی ڈوری کو اپنی انتڑیوں میں ڈال کر پھر باہر نکالا تاکہ انتڑیاں صاف ستھری رہیں۔ اُن کی اس مشق کو اُن کے بہت سے بھگت دیکھتے تھے۔ کبھی کبھی پیٹ کی انتڑیاں ہی باہر نکال کر ان کو دھو کر پھر پیٹ میں ڈال دیتے تھے۔ وہ کبھی ایک برگزیدہ یوگی نظر آتے اور کبھی جوان مرد سادھو سنیاسی لگتے۔ ہندوؤں کو وہ کبھی ایک شیو یوگی نظر آتے تھے اور مُسلمانوں کو فرزانہ صُوفی۔ وہ ہندوؤں کا تہوار رام نومی،، گوکل اشٹمی، دیوالی۔ گوروپُورنما وغیرہ بڑے جوش و خروش سے مناتے تھے۔ ساتھ ہی عید، معراجِ عالم مناتے اور شیعہ مسلمانوں کے تازیہ جلوس میں شرکت کرتے تھے۔ جب بھی کسی شخص نے بابا کا مذہب جاننے کی کوشش کی تو وہ اس سے یہی کہتے تھے کہ ''اللہ ایک ہے'' اس طرح آج تک کسی نے اُن کے مذہب کو جاننے میں کامیابی حاصل نہیں کی۔ بابا کی جائیداد صرف ایک چلم، تمباکو کا ڈبہ، ٹین کا ڈبہ ایک لمبی کفنی اور سر کے گرد باندھنے والا ایک کپڑا تھا۔ اپنا بایاں ہاتھ داہنے کندھے پر رکھا کرتے تھے۔ یہی ان کی جائیداد تھی۔ بابا اپنی دھونی کے سامنے بیٹھا کرتے تھے۔ وہ ساری خواہشات اور تمناؤں کو اس دھونی میں ڈال کر جلایا کرتے تھے اور اللہ مالک اللہ مالک (**God is the only**

بابا کا لباس

"بد نصیب اور خستہ حالت لوگ جیسے ہی میری مسجد کی سیڑھیاں چڑھیں گے ان کو خوشی اور خوشحالی بڑی مقدار میں حاصل ہو گی۔"

آٹا پیسنے کا فسلفہ اور مطلب

شرڈی باسیوں کے لیے بابا کا آٹا پیسنے کا کام اُن کی زندگی کے لیے ایک اہم اور رہبر فلسفہ ثابت ہوا۔ عام لوگ تین فطری اوصاف (گُنوں) یعنی تامس، راجس، اور ستوگن کے تابع ہوتے ہیں۔ آٹے کے پیسنے کا مطلب ان تینوں دُنیاوی اوصاف اور بالآخر قیود کے علاوہ اہنکار کو پیسنا چاہیے۔ آٹا پیسنے سے بابا کا مقصد صرف گیہوں پیسنا نہیں تھا۔ بلکہ اس کے پردے میں وہ دراصل اپنے بھگتوں کے پاپوں کو اُن کے شریر کی پیڑھا کو ختم کر رہے تھے۔ بابا کی چکی کے دو پاٹوں کا فلسفہ یہ تھا کہ چکی کے اُوپر کا پاٹ بھگتی ہے اور نیچے کا پاٹ کرم (یعنی عمل) چکی کو چلانے کے لیے لکڑی کا جو ٹکڑا ان کے ہاتھ میں رہتا تھا وہ گیان یعنی علم تھا۔ اسی طرح بھگتوں کی تصحیح کرتے ہوئے ان کے پُورے ساٹھ سال گُزر گئے۔ اس پر بھگت کبیر کی ایک بات یاد آتی ہے جب کبیر نے ایک عورت کو گھراٹ چلاتے دیکھا تھا تو اپنے گُورُو نپا تھان جنا(Nipthanjana) سے پوچھا کہ گُورو مہاراج مجھے بھی اسی طرح گیان کا مارگ بتا دیجئے تاکہ میں بھی اسی طرح گھراٹ پیستا جاؤں اور بھو ساگر سے پار ہو جاؤں۔ سائی بابا کہتے تھے جس طرح بڑا تالاب مل جانے پر چھوٹے تالابوں سے واسطہ نہیں رہتا۔ اسی طرح "برہم" کے آنند کو حاصل کر لینے کے بعد ویدوں کی ضرورت نہیں رہتی۔ اس لیے جو یکسانیت کو مانتا ہے وہ پاپ اور پُنیہ دونوں کو چھوڑ دیتا ہے یعنی ان سے دُور رہتا ہے۔ اس لیے اُسے کرم بندھن سے بھی نجات حاصل ہوتی ہے۔

سائی بابا عجیب و غریب اوتار

بابا کے خیالات صاف طور پر اُن کے اپنے ہی عقائد کے آئینہ دار تھے۔ پھر بھی اُن میں صُوفیوں کی تعلیمات کا بہت دخل تھا جو قریب قریب ہندوؤں کے اُپنشدوں کا

تھی۔ یہ دیکھ کر بابا کچھ مایوس سے ہو گئے۔ ایک دن صبح بابا نے اپنی کفنی اوپر اٹھائی اور چکی کا سامان اور گندم سامنے رکھ کر چکی میں ڈال ڈال کر پیسنا شروع کر دی۔ وہ اپنی پوری طاقت سے چکی کو چلانے لگے۔ یہ دیکھ کر بابا کے بھگت اور گاؤں کی کچھ عورتیں آپس میں کہنے لگیں کہ بابا کو کیا ضرورت پڑ گئی کہ وہ گیہوں پیسنے لگے جب کہ اُن کا کوئی عیال بھی نہیں ہے۔ لوگ خاصی مقدار میں ہر روز گیہوں کے ڈھیر لگا جاتے تھے اور آٹا بھی دے جاتے تھے لیکن کسی کو یہ جرأت نہ ہوئی کہ بابا سے چکی لے کر خود چلائیں۔ بابا کے آٹا پیسنے کی خبر گاؤں میں پھیل گئی اور مسجد میں دیکھنے کے لیے لوگ بھاری تعداد میں آنے لگے۔ عورتوں سے نہ رہا گیا۔ اُن میں سے چار اُٹھ کھڑی ہوئیں اور بابا سے چکّی کا ڈنڈا چھین کر گیہوں پیسنا شروع کر دیا۔ پہلے تو بابا ناراض ہوئے لیکن ان عورتوں کی محبت اور خلوص دیکھ کر بابا نے ان کو چکی چلانے کا موقعہ دیا۔ ان عورتوں نے گیت گاتے ہوئے بہت سارے گیہوں کو آٹے میں تبدیل کر دیا۔ اس طرح آٹے کا بڑا ڈھیر جمع ہو گیا۔ جب کام ختم ہو گیا تو عورتوں نے سوچا کہ بابا کے پاس آٹے کی کمی نہیں ہے نہ ہی ان کا کوئی عیال ہے۔ انہوں نے آٹے کو چار گھٹریوں میں باندھ کر لے جانے کا ارادہ کیا۔ یہ سب کارروائی بابا دیکھ رہے تھے۔ انھوں نے بھرے لہجے میں اُن عورتوں سے کہا۔

"کیا یہ تمہارے باپ کا مال ہے جو اپنی مرضی سے لیے جا رہی ہو۔ اس آٹے کو واپس رکھ دو۔" آٹا واپس رکھ دیا گیا۔ جب عورتیں جانے لگیں تو اُن کو بابا نے واپس بلاتے ہوئے کہا۔

"دیکھو یہ سارا آٹا اٹھاؤ اور گاؤں کی سرحد پر جا کر مٹھی بھر بھر کے ڈالتے جاؤ" بابا نے جیسا کہا عورتوں نے ویسا ہی کیا۔ جب عورتیں واپس آئیں تو بابا نے اُن سے کہا۔

"اب ہیضہ کی بیماری گاؤں میں نہیں آئے گی" ایسا کرنے سے ہیضہ گاؤں سے بلکل نابود ہو گیا۔

تیسرا باب

بابا کے دُنیاوی اقوال اور اُن کی روحانی تاثیر

سب جانتے ہیں کہ سائی باب کے پاس جو لوگ آتے تھے اُن میں 99 فیصدی ایسے ہوتے تھے جو مُکتی یا نجات پانے کی غرض سے نہیں بلکہ صرف تکالیف کو دُور کرانے کی غرض سے آتے تھے۔ پھر بھی بابا ہمیشہ اپنے بھگتوں کی امداد اور رہبری کرتے۔ وہ ہمیشہ زندگی کے ہر موڑ پر پورے اعتماد کے ساتھ اپنے بھگتوں کی رہبری کرتے۔ کسی کو سفر میں سہولت چاہیئے تھی کسی کو نجات، کسی کو ملازمت، کسی کو ترقی، کسی کو وظیفہ، کسی کو تبادلہ، کسی کو اولاد، کسی کو مرض کا علاج۔ بابا کو اس قسم کی امداد اور رہبری سے خود کو بھی دل کا سکون ملتا تھا اس طرح وہ اپنے بھگتوں کو اپنی منزل مقصود تک پہنچاتے۔

سائی بابا ہمیشہ مہمان نوازی کا قابل تقلید مثال نمونہ پیش کرتے تھے۔ وہ بھیک مانگ کر جمع کی ہوئی اپنی غذا کو بھی اوروں کو شریک کیے بغیر نہیں کھاتے تھے۔ زندگی کے لیے سب سے پہلے غذا کی ضرورت ہوتی ہے اور اُس کی تلاش میں لوگ بابا کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ بابا ان کی نہایت فیاضی سے مدد کرتے تھے۔ وہ ہمیشہ غذا کا کچھ حصہ بلّی، کوّے اور کتّوں اور دیگر جانوروں کو بھی کھلاتے تھے۔

ہیضہ کا مرض گاؤں سے کیسے دُور ہوگیا

1910ء کا واقعہ ہے کہ گاؤں میں ہیضہ کی بیماری پھیل گئی جس سے گاؤں والے بڑے پریشان ہوگئے۔ اُس وقت وہاں ڈاکٹروں اور ویدوں کی بھی کوئی خاص سہولت نہ

موقعہ پر وہاں نہانے کے لیے جاتے ہیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ داس گنا کے دل میں خواہش پیدا ہوئی کہ وہ پریاگ دھام جائے چونکہ شرڈی سے منزل دُور تھی۔ اس لیے داس گنا بابا سے اجازت لینے کے لیے گیا۔ بابا نے پوچھا۔ ''کیا یہ ضروری ہے کہ تم پریاگ جاؤ۔ میرا یقین کرو ہمارا پریاگ شرڈی میں ہی ہے'' سائی بابا عجیب وغریب ہستی تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنا کرشمہ دکھایا۔ داس گنا نے جیسے ہی بابا کے پیروں میں اپنا سر رکھا تو بابا کے پیروں کے انگوٹھوں سے جمنا کی دھارائیں بہنے لگیں۔ جب داس گنا یہ دیکھ رہا تھا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے پر وہ خوشی کے مارے پھولے نہ سمایا۔ وہ بابا کے گیت گا کر جیسے ہی بے ہوش ہو گیا بابا کی کرامات کو دیکھ کر اس نے کہا سب ترتھوں کا ترتھ بابا کے چرنوں میں ہی ہے۔

ہندوستان میں قدیم وید شاستروں اور اپنشدوں میں ایشور مطلق کے لیے برہم (Brahm) لفظ کا استعمال ہوا ہے۔ اس سے ملتا جلتا ایک اور لفظ ہے برہما (Brahma) برہما خدا کے تین مستقل ظہوروں میں سے ایک ہے۔ اس سوانح حیات میں اکثر برہم کا ذکر آیا ہے۔ برہم کو ہمیشہ برہما سے مختلف سمجھنا چاہیئے۔

یہاں بابا مشہور دوارکامائی مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھے نظر آتے ہیں۔ لوگ بابا کے بھجن، کیرتن اور ان کے گنوں کو گانے میں مست نظر آتے ہیں۔ بابا ان لوگوں کو بے انتہا الوہی علم دینے کے بعد گناہوں سے راحت دلاتے ہیں۔

سائی بابا گانے بجانے کا بہت شوق رکھتے تھے اور ہر وقت کہتے تھے کہ اللہ مالک ہے۔اس طرح باقی بھگت بھی اُن کے ساتھ گانے میں مست رہتے تھے۔ بھگوان کا نام سُمرن دن رات بابا کے دربار میں ہوتا تھا، جس کو"نام سپتاہ(Namasaptah) کہتے ہیں۔ایک دن بابا نے شری داس گنا مہاراج کو کہا کہ وہ بھی سات دن لگاتار نام سپتاہ پر عمل کرے۔ شری داس گنا نے جواب دیا میں سات دن ایسا ہی کروں گا آپ ساتویں دِن بشرطیکہ مجھے بھگوان وِٹھل کے درشن کرائیں گے۔سائی بابا نے اپنا ہاتھ داس گنا کے سر پر رکھا اور کہا"اُن کا درشن آپ کو ضرور ملے گا۔ بشرطیکہ تم بھگوان وِٹھل کا دھیان بڑے شوق اور بھگتی سے کرو گے۔ کرشن شرڈی میں ہی ہیں۔ دوارکا یا اور کسی جگہ جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔وِٹھل شرڈی میں ہی آئیں گے۔"

جب نام سپتاہ ختم ہوا تو بابا کا ایک بھگت کاکا صاحب دیکشت اور "داس گنا" اپنی سادھنا میں بیٹھے تھے۔ان دونوں نے بھگوان وِٹھل کا آکار عیاں دیکھا۔جب یہ لوگ بابا کے درشن کے لیے دوپہر کو گئے تو بابا نے ان سے کہا۔

"کیا وِٹھل کے درشن ہو گئے وہ ہمیشہ گھومتے پھرتے رہتے ہیں انھیں پکڑ کے رکھنا کہیں بھاگ نہ جائیں"اس طرح بابا نے اُن کو وِٹھل کا رُوپ دکھایا۔دونوں خوش ہو کر بابا کے قدموں میں گر پڑے۔

داس گُنا کی پریاگ دھام یاترا

آپ نے دیکھا ہو گا کہ باغبان پھلدار درختوں کے مقابلے میں پھل نہ دینے والے درختوں کی طرف توجہ نہیں دیتا ہے جو درخت پھل لا رہے ہیں وہ درحقیقت باغبان کی امداد کر رہے ہیں۔اسی طرح داس گُنا کی خواہش تھی کہ پریاگ دھام جا کر اشنان کرے یہ وہ جگہ ہے جہاں گنگا اور جمنا کا ملاپ ہوتا ہے۔ لاکھوں لوگ کسی کسی

میں نکالا جاتا ہے۔اس کے دوران چندن کا پیسٹ، دھوپ اور قسم قسم کے میوہ جات تھالی میں رکھ کر بینڈ باجے کے ساتھ گاؤں میں جلوس کی صورت میں اب بھی نکالے جاتے ہیں اور "دوار کامائی" مسجد کی دیواروں پر اُن کا چھڑکاؤ کیا جاتا ہے۔ یہ کام ابتدائی تین برسوں تک امیر شکر علی خود کرتا رہا اور اس کے بعد اس کی بیوی۔ یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔

محی الدین تمبولی اور بابا میں کُشتی

عام طور پر ہر کوئی مالک بننا چاہتا ہے۔ کئی دفعہ بندہ مالک بن جاتا ہے۔ مہابھارت میں ہم دیکھتے ہیں کہ ارجن رتھ پر بیٹھا ہے اور بھگوان کرشن اس کے رتھ بان ہیں۔ شرڈی کے ایک پہلوان جس کا نام محی الدین تمبولی تھا جس کو اپنی پہلوانی پر بڑا ناز تھا۔ اس کے اور بابا کے درمیان ہمیشہ کچھ اختلافات رہتے تھے۔ ایک دن بابا اور اُس کے درمیان کُشتی ہوئی جس میں بابا ہار گئے۔ بابا اس لیے نہیں ہارے کہ وہ کمزور تھے بلکہ اس لیے کہ وہ محی الدین تمبولی کو عمل کرنے پر اُکسانا چاہتے تھے تاکہ وہ بالاترین منزل تک پہنچ جائے اسی دن سے بابا نے اپنی طرزِ زندگی بدل دی یعنی اُسی دن سے انھوں نے کفنی پہنے کے ساتھ ہی ساتھ کمر میں لنگوٹی بھی باندھ لی اور سر پر بھی ایک پھٹا پرانا کپڑا باندھ لیا۔ اپنا لباس اور بیٹھنے کی گدی کو بوری کے ٹاٹ میں تبدیل کر دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ عیش و عشرت کے مقابلے میں غریبی میں لطافت ہے۔

بھگوان وِٹھل کیسے نظر آئے

یہ دُنیا ہمارا اصلی گھر نہیں ہے۔ یہ ایک میدانِ عمل (کرم بھومی) ہے۔ ہم اپنے اعمال کا لین دین بے باک کرنے کے لیے یہاں آتے ہیں، جو کچھ بھی آنکھوں سے نظر آرہا ہے وہ سب کچھ عارضی اور فانی ہے۔ آخری وقت دُنیا کی کوئی چیز کسی کے ساتھ نہیں جاتی۔ ساتھ جانے والی دو چیزیں ہیں۔ سائی کا نام اور اُن کا درشن۔

طرف مسلمان شامل ہوئے اور دُوسری طرف رام نومی کی وجہ سے ہندو اور مسلمانوں کے ایک ساتھ جلوس میں شامل ہونے سے بابا کی خواہش پوری ہوگئی۔ اس تہوار سے آپسی پیار کی اور فرقہ وارنہ ہم آہنگی کی روایت کو تقویت ملی۔ عُرس منانے کی اجازت تو مل گئی۔ لیکن دوسری دقتیں پیدا ہو گئیں۔ شرڈی چونکہ ایک چھوٹا سا گاؤں ہے اس لیے وہاں پانی کی سخت کمی تھی۔ صرف دو کنویں تھے جس میں سے صرف ایک ہی کنواں استعمال کیا جاتا تھا۔ وہ جلد ہی خشک ہو گیا۔ دوسرے کا پانی نمکین تھا۔ کھارے پانی کو پھول ڈال کے بابا نے میٹھا کر دیا۔ پھر اس کنویں کا پانی ناکافی تھا اس لیے تاتیاپاٹل نے خاصی دُوری پر واقع ایک کنویں سے چمڑے کے تھیلوں سے پانی نکلوا کر وہاں سے پانی لانا شروع کیا۔ اسی دوران گاؤں میں چھوٹی چھوٹی دُکانیں بھی بنائی گئیں ۔ کشتی کے پروگرام بھی بنائے گئے۔ گوپال راؤ گونڈ کا ایک دوست احمد نگر کا رہنے والا تھا جس کا نام داموانّا کاسر (Damu Anna Kasar) تھا۔ اس کے ہاں بھی کوئی اولاد نہ تھی حالانکہ اس نے دو شادیاں کی تھیں۔ اس کے ہاں بھی بابا کی وجہ سے لڑکا پیدا ہوا۔ چنانچہ گونڈ نے اسے اس بات پر راضی کرلیا کہ وہ عرس کے جلوس کے لیے ایک سادہ جھنڈا فراہم کرے۔ انھوں نے ایک دوسرے شخص نانا صاحب کو ایک اور کشیدہ کاری سے مزین جھنڈا فراہم کرنے کے لیے تیار کرلیا یہ دونوں جھنڈے جلوس کی شکل میں لے کر "دوارکا مائی" نامی مسجد کے دونوں کناروں پر لگادیئے گئے۔ یہ روایت وہاں اب بھی جاری ہے۔

سندل جلوس

اس تہوار یا میلے کے دوران ایک اور جلوس شروع کیا گیا۔ اس سندل جلوس کا تصور امیر شکر علی دلال نامی ایک مسلمان بھگت کا تھا جلوس اسی مسلمان اولیاء کے احترام

ہمارا شعور پاک ہے تو ہم یقین کر سکتے ہیں کہ ہماری اگلی زندگی مادی نہیں، روحانی ہو گی اور اگر موت کے وقت ہمیں گورو کا دھیان ہو تو پھر اس جسم کو چھوڑنے کے بعد ہمیں دُوسرے مادی جسم میں نہیں جانا ہو گا۔

گورو یعنی سائی بابا کا ہاتھ جس پر ہو گا اس کے پچھلے جنم کے سارے گناہ دُھل جائیں گے۔ اس لیے جب بھی کوئی کام کرنا ہو تو پہلے اپنے گورو کا دھیان کرو کیوں کہ اُس کی کرپا سے ہی ہر کام میں کامیابی ہوتی ہے۔

رام نومی کے تہوار کا قصہ

گوپال راو گنڈ نامی ایک شخص کوپر گاؤں کا سرکل انسپکٹر تھا۔ وہ بابا کا بھگت تھا۔ اُس کی تین بیویاں تھیں لیکن بچہ کوئی نہیں تھا۔ بابا بھگت ہونے کے ناتے اور بابا کے آشیر واد سے اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس انتہائی خوشی کی وجہ سے گوپال راؤ کے دل میں ایک خواہش پیدا ہوئی کہ وہ شرڈی میں ایک عرس منائے۔ یہ 1897ء کی بات ہے۔ یہ خیال اُس نے بابا کے نزدیکی بھگتوں کو بتایا اور مشورہ کیا جس میں تاتیہ پاٹل اور مادھو راؤ دیش پانڈے شامل تھے۔ ان سب نے اس کی تائید کی۔ چنانچہ انھوں نے پہلے بابا کی منظوری حاصل کی اور پھر کلکٹر صاحب کی منظوری کے لیے درخواست دی لیکن گاؤں کے نمبر دار نے چونکہ عُرس منانے کے خلاف رپورٹ دی تھی اس لیے منظوری نہ ملی۔ بابا نے چونکہ منظوری دے دی تھی اس لیے انھوں نے کلکٹر کی منظوری حاصل کرنے کے لیے پھر کوشش کی۔ بالآخر وہ منظوری حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ اب یہ سوال اُٹھا کہ عرس کس دن منایا جائے۔ بابا کے کہنے کے مطابق رام نومی کا دن مقرر کیا گیا کیوں کہ بابا کا مقصد یہ تھا کہ دو فرقے کے لوگوں کو ایک ساتھ تہوار منانے کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ جیسا کہ بعد کے واقعات نے ثابت کیا اس طرح عُرس میں ایک

مدد سے رہتا گاؤں میں دیر بھدر مندر کے پاس عید گاہ بنوائی۔ اس پر کچھ لوگوں نے اعتراض کیا۔ جوہر علی رہتا گاؤں چھوڑ کر بابا کے پاس شرڈی کی ایک مسجد میں رہنے لگا۔ کچھ دیر شرڈی میں رہ کر جوہر علی نے بابا سے التجا کی کہ وہ اُس کے ساتھ رہتا گاؤں آئیں اور وہاں اس کے ساتھ رہیں۔ بابا نے ان کی درخواست قبول کر لی اور وہ دونوں چیلا اور بابا رہتا گاؤں چلے آئے۔ لیکن بابا کا دل ودماغ شرڈی گاؤں کی اور ہی لگا رہتا۔ جوہر علی کی دلی خواہش تھی کہ بابا رہتا گاؤں میں ہی مقیم رہیں جب کہ بابا کہ چاہنے والے لوگ اور شرڈی کے باشندے چاہتے تھے کہ بابا شرڈی میں رہیں، ایک دن ایک بڑا ہجوم رہتا گاؤں گیا اور وہاں سے بابا کو بڑی شان سے شرڈی گاؤں لے آیا۔ بابا اور جوہر علی کے درمیان کچھ بحث مباحثہ ہوا لیکن بالآخر جوہر علی کو بابا کا حکم ماننا پڑا۔ بابا نے جوہر علی کو حکم دیا کہ وہ بیجاپور چلا جائے اور کچھ عرصہ کے بعد شرڈی تشریف لائے۔ بابا جوہر علی کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اس طرح گورو اور چیلے کے ایک دوسرے کی بات ماننے سے لوگوں میں جو رنجش یا گلے شکوے تھے وہ دور ہو گئے۔

گورو کے ہاتھ کے لمس کا اثر

مادی زندگی میں ہم ہر قدم پر اپنی خواہشات کی تسکین کی امید باندھتے ہیں حالانکہ ہمیں کچھ بھی پتہ نہیں کہ سچی خوشی کیا ہوتی ہے اور اُسے پانے کے لیے کن شرائط کو پورا کرنا ضروری ہے۔ حقیقی مسرت سے لطف اندوز ہونے کے لیے انسان کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہئیے کہ وہ اپنے گورو کو تسلیم کرے۔ گورو کے ملاپ سے ہی ہم اس مادی جسم کے ختم ہونے پر مادی آلودگی سے نجات حاصل کر کے ابدی روحانی زندگی سے ہم کنار ہو سکیں گے۔

اس جسم کے فنا ہونے پر شعور فنا نہیں ہوتا۔ گورو کی کرپا سے اگر موت کے وقت

پانی کس طرح تیل بن گیا

جس کا عمل بے غرض ہو اُس کی جزا کچھ اور ہے۔ کون ہے۔ وہ جس کا دل اتنا وسیع ہو۔ جن کو سائی بابا کا بلند رتبہ نظر نہیں آیا، انھوں نے بابا کو تیل دینے سے انکار کیا۔

سائی بابا تیل کے دیپ جلانے کے بڑے شوقین تھے۔ وہ قریبی دُکانداروں سے تیل مانگ کر مسجد اور مندر میں چراغاں کرتے تھے۔ یہ سلسلہ ہر روز جاری رہتا تھا۔ ایک دن گاؤں کے بنیوں نے فیصلہ کیا کہ بابا کو تیل دینے سے انکار کریں گے۔ جب معمول کے مطابق بابا دکاندارں سے تیل مانگنے کے لیے گئے اور اپنے بھگتوں کو بھی بھیجا تو دکانداروں نے تیل دینے سے انکار کر دیا بابا کے بھگتوں نے جب آکر یہ اطلاع دی کہ دکانداروں نے تیل دینے سے انکار کر دیا ہے تو اس سے بابا کے دل پر کوئی اثر نہ ہوا انھوں نے خالی دیپ بغیر تیل کے ''دُوارکا''مسجد میں سجا دیئے۔ یہ دیکھ کر شرڈی کے تمام دکانداروں نے سوچا کیا بابا اب تیل کے بغیر ہی دوار کا مائی مسجد میں دیئے جلائیں گے۔

سائی بابا یوگی تپسیوں سے شریشٹھ تھے۔ انھوں نے اپنی حیرت انگیز کرشماتی طاقت سے اُن تمام چراغوں میں پانی ڈالا اور انھیں جلا دیا۔ تمام چراغ جلنے لگے اور ساری رات جلتے رہے بنیوں کو اپنی حرکت پر بہت افسوس ہوا اور انھوں نے بابا سے آکر معافی مانگی اور بابا نے انہیں معاف کر دیا۔

بابا اور جوہر علی کا ملاپ

فقیر ''جوہر علی'' احمد نگر کا رہنے والا تھا۔ وہ رہتا گاؤں جو شرڈی سے تین کلو میٹر کی دُوری پر واقع ہے اپنے چیلوں کے ساتھ رہنے لگا۔ انھوں نے اپنا قیام ویر بھدر مندر کے پاس کیا۔ یہ فقیر صرف خُدا دوست ہی نہیں بلکہ قرآن شریف کی قرأت اور تلاوت کا بھی ماہر تھا۔ ہر طبقے کے لوگ اُس کا احترام کرتے تھے۔ انھوں نے لوگوں کی

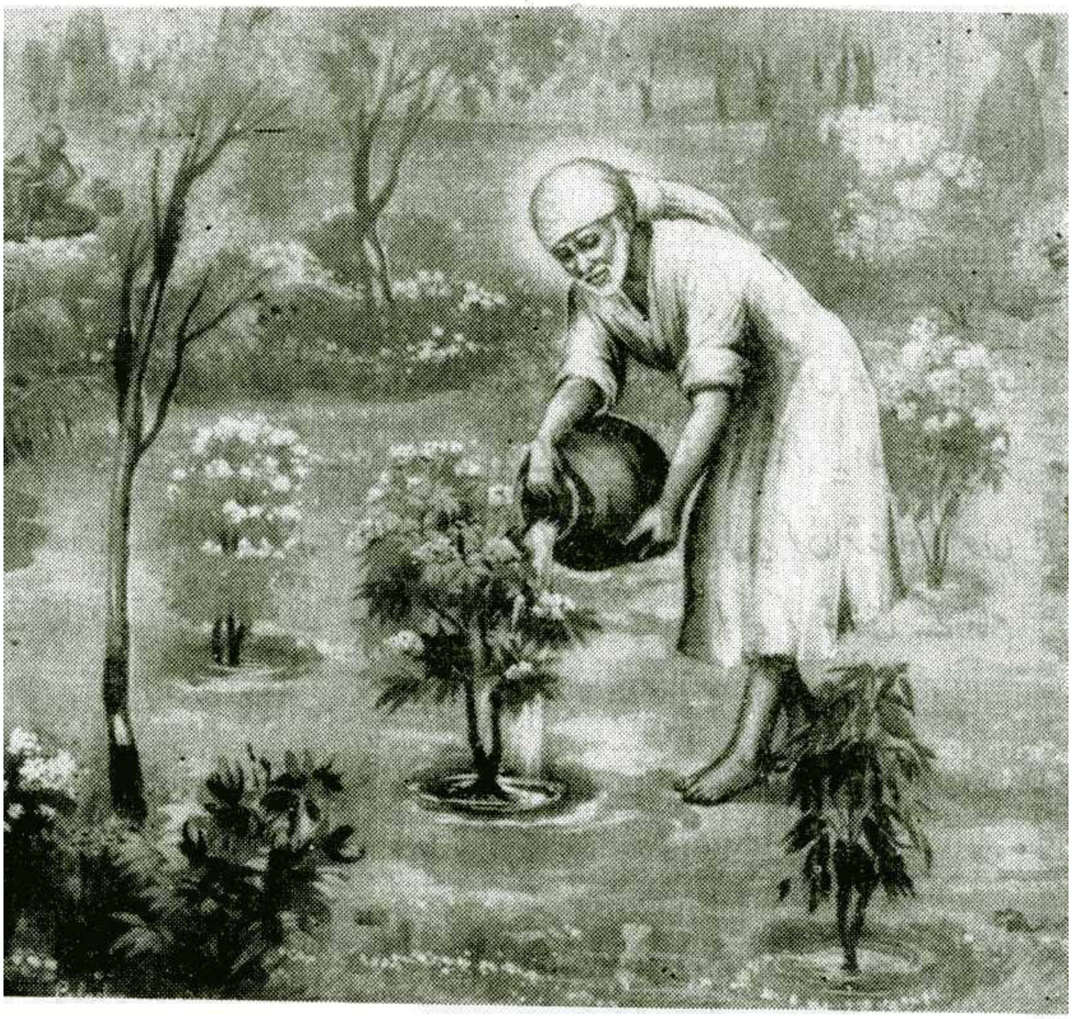

بابا لینڈی باغ میں پودوں کو پانی دیتے ہوئے۔

91

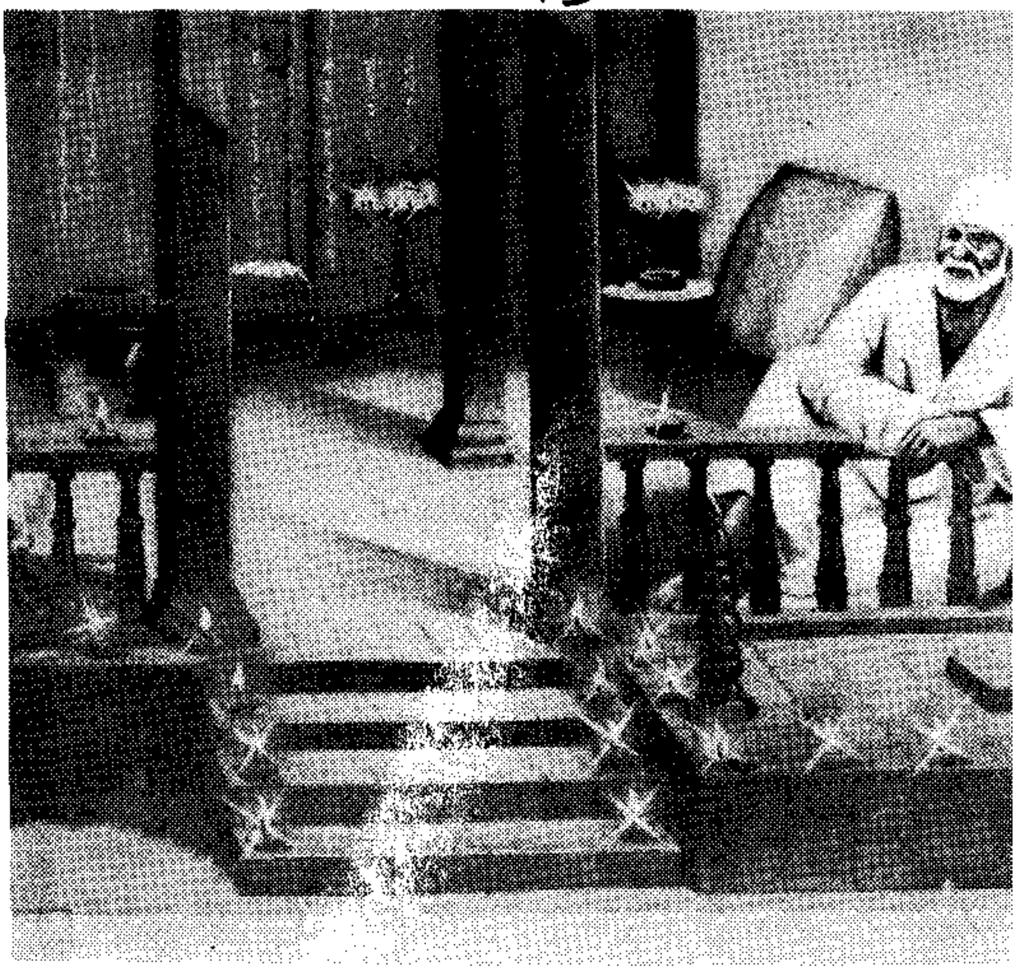

دوارکا مسجد میں پانی کس طرح تیل بن گیا۔

اور مہاتما جس کا نام ''آنند ناتھ'' تھا اور یوالہ کا رہنے والا تھا، بابا کو دیکھتے ہوئے کہہ اٹھا کہ یہ شرڈی میں ایک انمول ہیرا ہے۔ یہ بظاہر ایک آدمی نظر آتا ہے پر یہ انمول ہیرا ہے جس کا اندازہ جلد ہی لوگوں کو ہو جائے گا۔ یہ پیشن گوئی کر کے وہ سنت اپنے مٹھ کو چلا گیا یہ اُس وقت کی بات ہے جب بابا ابھی چھوٹے تھے۔

بابا کا لباس اور روزمرہ کی مصروفیات

بہار کے موسم میں محنت کر کے جو کاشت کریں گے وہ سرما کے دن آرام سے گزاریں گے۔ جو لوگ سائی بابا کو یاد نہ کریں گے وہ دُنیا میں آکر بھی خسارے میں ہی رہیں گے۔

چھوٹی عمر کے دوران بابا اپنے بال نہ بنواتے تھے۔ وہ سر پر رومال باندھ لیا کرتے تھے۔ بدن پر کھیل کو دوالا لباس پہنے رہتے۔ شرڈی سے تین میل کی دوری پر ایک گاؤں رہتا ہے۔ بابا وہاں سے پودے لاکر اُنھیں گوروا ستھان اور اس کے آس پاس لگاتے۔ ایک بھگت جس کا نام ''وامن تاتیہ'' تھا ہر روز دو عدد مٹی کے مٹکلے بابا کو لادیا کرتا۔ اُن سے بابا ہر روز تمام پودوں کو پانی دیتے تھے۔ وہ خود کنویں سے پانی بھر کر لاتے اور پودوں کو دیتے۔ شام کو مٹی کے دو مٹکے بابا گوروستھان میں نیم کے درخت کے پاس رکھ دیتے اور سویرے یہ دونوں مٹکے ٹوٹے ہوئے ملتے۔ وامن تاتیا دُوسرے دن نئے مٹکے لادیتا۔ یہ سلسلہ تین سال تک چلتا رہا۔ بابا کی محنت سے وہاں پھولوں کا ایک باغ اُبھر آیا جس کو لینڈی باغ کہتے ہیں۔ اس جگہ پر آج بابا کے سادھی مندر کی عالی شان عمارت کھڑی ہے۔ جہاں آج لاکھوں زائرین اور بھگت آتے جاتے ہیں۔

طرح خاموش رہتا۔ وہ اگر چہ ایک جگہ پر رہتے تھے لیکن انھیں ساری دُنیا کی خبر رہتی تھی۔ وہ بہت ہی شریف النفس، مُنکسر المزاج اور انا سے عاری تھے۔ شرڈی کے گھاس کے تنکے اور پتھر خوش نصیب ہیں کہ انھیں بابا کے قدموں کو چومنے اور اُن کی دُھول کو اپنے سروں پر ملنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

سائی بابا کا دُوسرے سنتوں سے مِلاپ

سائی بابا کا راستہ پیار اور عقیدت کا راستہ تھا۔ سو سو برس عبادت کرنے سے نفس ایسا پاک نہیں ہوتا جیسا مُرشد کے دیدار کی خواہش سے پاک ہوتا ہے۔ عبادت نفس کو اتنا صاف نہیں کرتی، جتنا مُرشد کا سچا پیار اور اس کے دیدار کی سچی تڑپ کرتی ہے۔ اصل میں مُرشد ہی مالک ہے۔ سائی بابا سنتوں کی ایسی عزت افزائی کرتے تھے جیسے ایک بھگت اپنے گُورو کی کرتا ہے۔

سائی بابا شروع میں شرڈی کی ویران مسجد میں آکر ٹھہرے جو رہائش کے قابل نہیں تھی۔ ایک ست پرش جس کا نام "دیوی داس" تھا سائی بابا کی آمد سے پہلے شرڈی گاؤں میں رہتا تھا۔ بابا اُن کے ساتھ رہنا پسند کرتے تھے۔ چاوڑی میں ایک مارُوتی مندر ہے۔ وہ سنت اُسی مندر میں رہتا تھا۔ بابا کچھ وقت اُس کے ساتھ وہاں رہے اور کچھ وقت تنہا بھی۔ اسی دوران ایک اور مہاپُرش جس کا نام "جانکی داس" تھا وہاں آیا۔ بابا اپنا اکثر وقت اسی مہاپُرش کے ساتھ گزارتے تھے کبھی بابا ان کے پاس چلے جاتے اور کبھی وہ بابا کے پاس آجاتے تھے۔ اس کے علاوہ ایک اور مہاپرش "گنگا گیری" بھی اکثر شرڈی گاؤں آتا تھا۔ جب پہلی بار اُنھوں نے بابا کو دیکھا تو بابا اُس وقت پانی کے دو مٹکے لے کر پودوں کو پانی دے رہے تھے۔ "گنگا گیری" کی زبان سے بے اختیار نکلا کہ شرڈی کی زمین بڑی خوش قسمت ہے جہاں بابا جیسے ہیرے نے اپنے قدم جمائے ہیں۔ ایک

"نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو اور اُن سے محبت رکھو۔ نیک لوگوں کی صحبت دل کو نُورانی اور بُروں کی صحبت دل کو سیاہ بناتی ہے جس کسی نے نفس کو قابو کر لیا۔ وہی کامیابی کی معراج پاسکا۔

یہ بات سچ ہے کہ شرڈی گاؤں کہ شہرت سائی بابا کی وجہ سے ہوئی۔ سنت یا ولی اس دُنیا میں قوموں، مذہبوں اور مُلکوں کے درمیان جھگڑے کرانے کے لیے نہیں آتے اور نہ ہی فقیر لوگوں کے ہاتھوں میں لاٹھیاں اور تلواریں یا بندوق دینے کے لیے آتے ہیں۔ وہ تو صرف رُوحانی راستہ دکھانے کے لیے آتے ہیں اور مالکِ کُل سے ملاپ کرواتے ہیں۔ سائی بابا نے اس دُنیاوی زندگی کے سمندر کو بحُسن وخُوبی پار کیا جو بہت ہی مشکل کام ہے۔ اُن کی بلند اور مقدس رُوحانی تعلیم مذہبوں، ملتوں اور فرقوں کو آپس میں پریم سے رہنے کا آدیش دیتی ہے۔ سائی بابا شرڈی میں اپنی خواہش سے سنت مت کا پرچار کرنے نہیں بلکہ شانتی اور ذہنی سکون عطا کرنے آئے تھے۔ وہ سچے سکون کے مُتلاشی اور دُنیاوی بندشوں سے آزاد تھے۔ بابا رب کے حُصول کے لیے نہ تو زیارت گاہ، نہ فاقہ کشی، نہ شرعی رسموں نہ ہی کسی قسم کا لباس پہنے کی ضرورت سمجھتے تھے۔ اُن کا دل شیشے کی مانند صاف سُتھرا تھا۔ اُن کی زبان سے ہمیشہ امرت ٹپکتا تھا۔ اُن کی نظر میں امیر اور غریب ہمیشہ ایک سمان ہوتے تھے۔ اُنھوں نے امیروں اور غریبوں کو ایک ہی نگاہ سے دیکھا۔ اس دُنیا یا اُس دُنیا کی اشیا سے انھیں کوئی لگاؤ نہ تھا۔ وہ ہمیشہ اور ہر لمحہ کھوئے ہوئے نظر آتے تھے۔ اُن کو نہ تو عزت کی ضرورت تھی نہ وہ بے عزتی کی پرواہ کرتے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں اشرف المخلوقات کہے جانے کے حق دار تھے۔ وہ ایک آزادانہ رائے رکھتے تھے اور ہر کسی شخص سے یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ بابا کے ہونٹوں سے ہمیشہ یہ الفاظ نکلتے تھے "اللہ ایک ہے" جب ساری دُنیا سو جاتی تو وہ جاگتے رہتے تھے اور جب ساری دُنیا جاگ رہی ہوتی تو بھی وہ بیدار ہوتے۔ اُن کا باطن گہرے سمندر کی

کے احکام کے مطابق ہندو روزانہ پُران اور دیگر مقدس کتابیں پڑھتے تھے اور مُسلمان قرآن شریف۔

بابا کا مذہب محبت تھا یعنی ایسا مذہب جو خدا کی ساری مخلوق کے لیے موزوں تھا اور جس کی ساری مخلوق قدر کرتی تھی۔ جب انسان اپنی مستی میں یہ سوچ کر کہ اُسے صرف اپنے بیوی بچوں کے لیے دھن کمانا ہے سچے راستے سے ہٹ کر بُری سنگت میں پڑ جائے تو اس وقت ایسے ہی ست پُرش (نیک انسان) او تار (نبی) پیدا ہوتے ہیں۔ اُس وقت ایسے ہی ست پُرش صحیح راستہ اور روشنی دکھاتے ہیں۔ جب انسان اپنی انسانیت بُھول جاتے ہیں تو اس وقت یہی سنت اور صوفی اپنا پیغام لے کر لوگوں کے دلوں کا میل دھوتے ہیں۔ بابا کا ارشاد تھا کہ بغیر سچی عبادت کے خدا سے ملاپ نہیں ہو سکتا۔ انسان کی بہتری اسی میں ہے کہ وہ اپنے زمانے کے مُرشد کی پناہ لے کر رب کی سچی عبادت میں لگ جائے۔ وہ اکثر کہتے تھے "بن گورو وقت بھگتی نہیں پائے۔ بنا بھگتی ست لوک نہ جاوے" چنانچہ بابا کی منزلِ مقصود تک پہنچنے کا راستہ یہی ہے کہ ہم اُن کی اس ہدایت پر عمل کریں کہ "سب کا مالک ایک ہے"

سائی بابا کی شخصیت

سائی کا مطلب ہے سوامی یا مالک اور بابا کا مطلب ہے بزرگ۔ سائی بابا کی شخصیت پُر اثر تھی کہ وہ اپنے بھگتوں کی رکشا کے لیے تشریف لائے تھے۔ ہم میں سے ہر کوئی ہر جاندار خوشی ڈھونڈتا ہے۔ لیکن مکمل خوشی کیسے پائی جا سکتی ہے؟ ہمیں معلوم نہیں۔ زندگی کے مادی نظریہ کے ساتھ ہم ہر قدم پر اپنی تسکینِ قلب یا خوشی پانے کے لیے اُمید باندھتے ہیں کیوں کہ ہمیں کچھ بھی پتا نہیں کہ سچی خوشی حاصل کرنے کا صحیح راستہ کیا ہے۔ بابا نے اس بارے میں مندرجہ ذیل باتیں فرمائیں:-

باب دوم

سائی بابا: خزانۂ مسرّت

مہاتما کی سفارت

شریمد بھگوت گیتا کے چوتھے ادھیائے کے شلوک نمبر 7اور شلوک نمبر 8 میں بھگوان شری کرشن کہتے ہیں:

"جب جب دھرم میں گراوٹ اور ادھرم میں اضافہ ہوتا ہے تب تب میں جنم لیتا ہوں"

"اچھے اور نیک سیرت لوگوں کی سرپرستی کے لیے، بدی کا خاتمہ کرنے کے لیے اور دھرم احیاء نو کے لیے میں ہر یگ میں پیدا ہوتا ہوں"

سائی بابا اُس وقت برِ صغیر میں آئے جب ہندو اور مُسلمان آپس میں بھائی بھائی کی طرح نہیں بلکہ دشمن کی نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے تھے۔ سائی بابا ایسے امام تھے جو تمام مذاہب کی عزّت کرتے تھے۔ وہ فاتحہ پڑھتے تھے اور مسلمانوں سے قرآن سُنتے تھے ہندوؤں سے رام منتر کہتے اور انھیں گیتا سکھاتے تھے۔ ساتھ ہی ان کے متعلق یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ ان کا کوئی مذہب یا خاص اصول و فلسفہ نہ تھا۔ وہ ہر مُرید کو اپنے مذہب پر قائم رہنے کی نصیحت کرتے تھے۔ ان کے لیے مسجد تعمیر کی گئی تھی جس کی طرف رُخ کر کے مسلمان نماز پڑھتے تھے۔ مسجد کے دوسری طرف آگ موجود رہتی تھی جس سے مخاطب ہو کر پارسی اور ہندو عبادت کرتے تھے۔ ان کے اثر میں آکر ان

نے جب ایک چھوٹے فقیر کو بیل گاڑی سے اُترتے ہوئے دیکھا تو وہ اُن کے ساتھ ہو لیا اور اُن کو "سائی" کہہ کر خیر مقدم کیا۔ دُوسروں نے بھی فقیر کو "سائی سائی" کہنا شروع کر دیا۔ اس طرح بابا کا نام "سائی بابا" پڑ گیا۔

آواز دو چاند پاٹل نے نالے کی طرف جاکر اپنی گھوڑی کو آواز دی۔ گھوڑی سرپٹ دوڑتی ہوئی اپنے مالک کے پاس آ پہنچی۔ چاند پاٹل گھوڑی کے ساتھ فقیر کے پاس پہنچا اور بابا کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اپنے آپ سے کہنے لگا "یہ فقیر کوئی معمولی آدمی نہیں بلکہ ولی کامل ہے جو خود کلمہ توحید میں جذب ہو چکا ہے۔ خُدا کا بندہ خدا کا ہی رُوپ ہوتا ہے۔ میرے خیال میں اس فقیر سے میرا وہی رشتہ ہے جس طرح سے سمندر کا لہر سے ہوتا ہے"

یہ سوچتے سوچتے فقیر نے چلم تو تیار کی لیکن دو چیزوں کی کمی تھی۔ ایک آگ اور دُوسری پانی جس میں رُومال کو بھگو کر چلم پی جاتی ہے۔ یہ دونوں چیزیں اس ویران جگہ میں موجود نہ تھیں۔ چنانچہ فقیر نے اپنا چمٹا زمین پر دے مارا جس سے دہکتا ہوا انگارا پُھوٹ پڑا۔ انھوں نے انگارا اُٹھاکر چلم پر رکھ دیا۔ پھر انھوں نے اپنا سٹکا زمین پر دے مارا اور پانی نمودار ہو گیا۔ اس طرح فقیر نے چلم پی کر چاند کو بھی پینے کے لیے دی۔ چاند نے اب فقیر کو گھر آنے کی دعوت دی۔ بابا نے پاٹل کی دعوت منظور کرلی۔ دُوسرے دن بابا چاند پاٹل کے گھر گیا اور وہاں کچھ دِن رہا۔ چاند پاٹل دُھوپ گاؤں کا نمبردار تھا۔ اس کے سالے کے لڑکے کی شادی شرڈی گاؤں کی ایک دُوشیزہ سے ہو رہی تھی۔ چنانچہ پاٹل نے بارات لے کر شرڈی گاؤں جانے کی تیاریاں شروع کیں۔ بابا بھی بارات کے ساتھ شرڈی گئے۔ شادی ٹھیک ٹھاک ہو گئی۔ بارات دُلہن کے ساتھ لوٹ آئی لیکن بابا شرڈی میں ہی رہ گئے ہمیشہ کے لیے۔

فقیر کا نام "سائی" کیسے پڑا

جب بارات شرڈی پہنچی تو وہ بھگت مہالا سپتی کے کھیت میں ایک برگد کے پیڑ کے نیچے کچھ دیر کے لیے رُکی۔ سب بیل گاڑیوں کو کھول دیا گیا۔ لوگ بیل گاڑیوں سے اُترے۔ فقیر بھی بیل گاڑی سے اُترا۔ بھگت مہالا سپتی جو کھنڈوبا مندر کے پجاری تھے

2.2

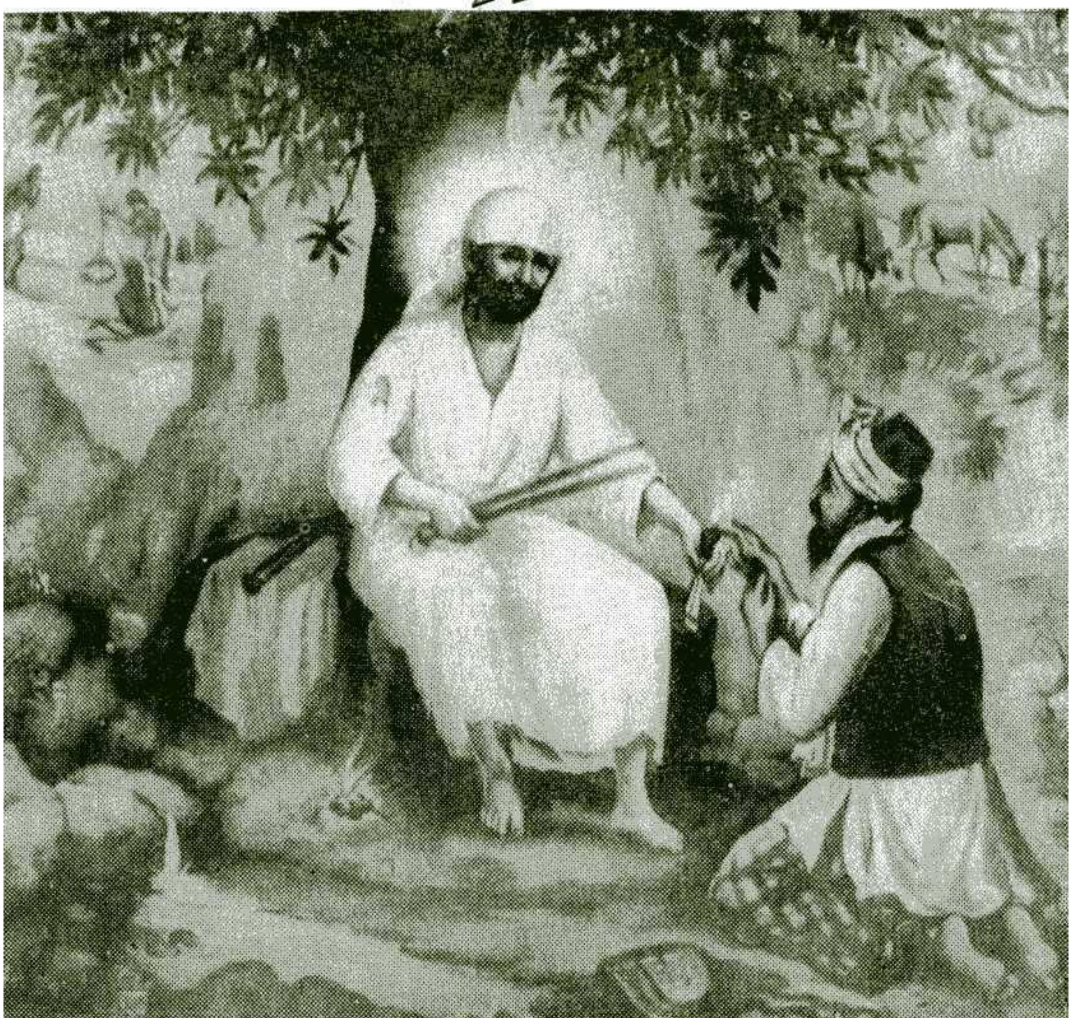

بابا کا چاند پاٹل سے ملاپ۔ آگ اور پانی کی نمود اری۔

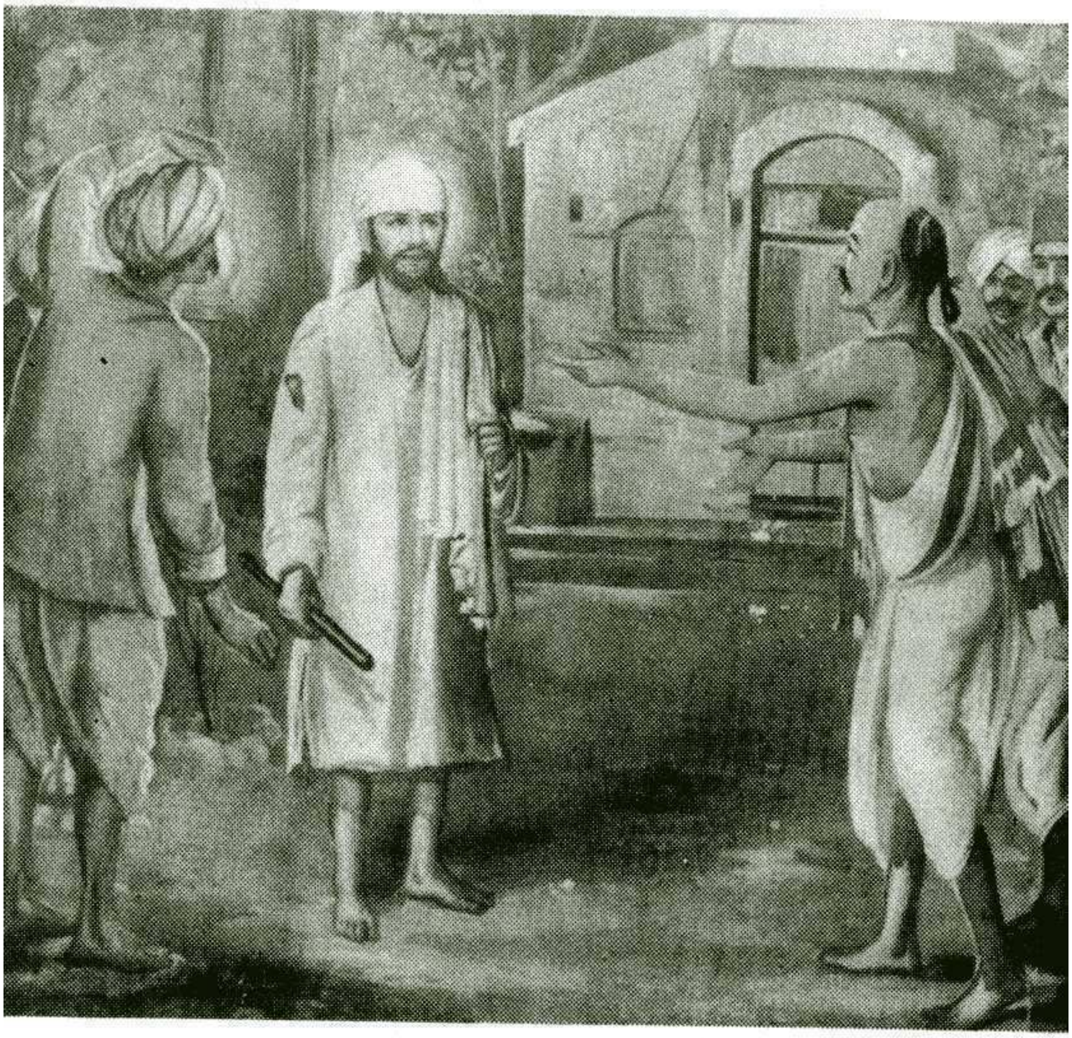

مہالا سپتی بابا کا سواگت کر رہے ہیں۔

عشقِ الٰہی کی راہ میں ایسی ترقی کی کہ اُن کے نزدیک ہری نام سمرن یایادِ الٰہی ہی سب کچھ ہو گیا۔ انھیں حیاتِ ظاہری کی مسرّتوں کی قطعاً پرواہ نہ تھی۔ وہ ایک لنگوٹی اور کفنی پہن کر بھیک کی غذا پر زندگی بسر کرتے تھے۔

سائی بابا ہمیشہ اپنے گُورو (جس کو وہ خدا سمجھتے تھے) کے دھیان میں مُنہمک رہتے تھے۔ بابا کچھ عرصہ شرڈی میں قیام کرنے کے بعد چار سال تک کہیں اور جا بسے۔ پھر اُنھوں نے صحرانوردی شروع کردی۔ لیکن بالآخر بیس سال کی عمر میں اُنھوں نے شرڈی آکر مُستقل سکونت اختیار کر لی اور یہاں وہ آخری دم تک یعنی 15/ اکتوبر 1918ء تک مقیم رہے۔

ڈسٹرکٹ اورنگ آباد میں "دھُوپ" نام کا ایک گاؤں ہے۔ وہاں چاند پاٹل نامی ایک خوشحال مُسلمان رہتا تھا۔ ایک بار جب وہ اورنگ آباد کی طرف جارہا تھا تو راستے میں اُس کی گھوڑی غائب ہو گئی۔ دو مہینے تک اس کی تلاش کرتے کرتے جب وہ تھک گیا تو گھوڑی کی زین اُٹھا کر پیدل ہی اورنگ آباد کی طرف چل پڑا جو وہاں سے 14/ میل کی دُوری پر واقع تھا۔ 14/ میل چلنے کے بعد چاند پاٹل نے ایک فقیر کو چلم تیار کرتے ہوئے آم کے درخت کے نیچے بیٹھے دیکھا۔ اُس نے سر پر ٹوپی اور جسم پر کفنی پہن رکھی تھی اور بغل کے نیچے سٹکا تھا۔ بابا نے جب چاند پاٹل کو مایوسی کی حالت میں پاس سے گُزرتے دیکھا تو انہوں نے کہا:-

"آؤ بھائی! چلم پیو اور تھوڑی دیر آرام کرلو" بابا کے بُلانے پر چاند پاٹل بیٹھ گیا۔ بابا نے پوچھا "یہ گھوڑے کی زین کیسی ہے؟"

چاند پاٹل نے بڑی مایوسی سے جواب دیا "کیا کہوں بابا میری ایک گھوڑی تھی وہ کہیں کھو گئی ہے اور یہ اُسی کی زین ہے"

فقیر بابا نے اُس سے کہا "ذرا اُس نالے کی طرف دیکھو اور اپنی گھوڑی کا نام لے کر

باب اول

شرڈی گاؤں اور بابا کی آمد

شرڈی ایک قصبہ ہے، جو موضع رہتا تعلقہ کوپر گاؤں ضلع احمد نگر صوبہ ممبئ میں واقع ہے۔ شرڈی گاؤں بھی اسی طرح مشہور و معروف ہے جس طرح کئی دُوسرے تیر تھ ستھان مشہور ہیں۔ سائی بابا اُس سر زمین سے وابستہ ہوئے جہاں گنے کی کاشت ہوتی ہے اس لیے وہاں چاروں طرف اور زیادہ مٹھاس پھیل گئی۔ یہ بھی ایک وجہ ہے کہ زمین کے اس ٹکڑے کو "شیرڈی" یعنی مٹھاس یا شیرینی کے نام سے پُکارا جاتا ہے اور تیر تھ استھان مانا جاتا ہے۔ شرڈی کے باشندے خُوش قسمت ہیں کہ اُن کی دھرتی پر سائی بابا کے قدم پڑے۔

ایک عورت جو ناناچوپاڈر کی ماں تھی نے نیم کے ایک درخت کے نیچے 16 سال کے ایک تندُرست و توانا لڑکے کو سردی و گرمی کی پرواہ کیے بغیر دن رات عبادت میں مشغول دیکھا۔ اسے دیکھ کر یہ عورت اور دوسرے گاؤں والے بہت حیران ہوئے۔ کسی بھی شخص کو اس لڑکے کی جائے پیدائش یا والدین کے بارے میں کچھ بھی پتا نہیں تھا۔ اُس کے مُتعلق لوگوں سے اور خود اُس سے مُتعدد سوال پوچھے گئے لیکن کوئی تسلّی بخش جواب نہ ملا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمیں اس لڑکے یعنی بابا کی ابتدائی زندگی کے بارے میں کوئی بھی جانکاری نہیں ہے۔ جس طرح سنت "نام دیو" (Namdev) اور کبیر (Kabir) کے متعلق ہمیں معلوم نہیں ہے کہ وہ کب اور کہاں پیدا ہوئے۔ بابا کو سادھی میں دیکھتے ہوئے لوگ اکثر سوچتے کہ یہ لڑکا کہاں سے آیا ہے۔ اس لڑکے نے

شری رام کرشن شری کرشن نولکر
Sh.Ramkrishna Shrikrishna Navalkar

شری یشونت جے گالونگر
Sh.Yashwant J. Galvankar

شری دادا صاحب پرندھرے
Sh.Dadasaheb Purandare

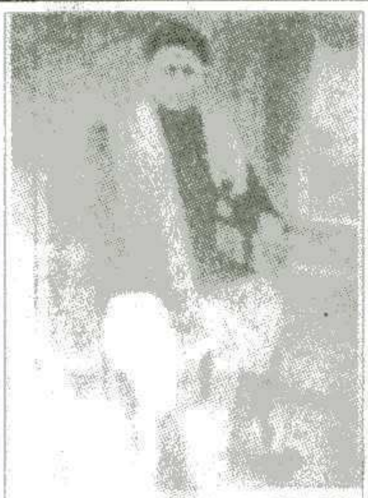

شری نندرام سنکلیچا
Sh.Nandaram Sankalecha

شری رادھا کرشن سوامی
Sh. Radhekrishana Swamy

شری بلا کاشی رام شمپی
Sh. Bala Kashiram Shimpi

شری بالا صاحب میرکر
Sh. Balasaheb Mirikar

شری سندر راؤ نولکر
Sh. Sundarrao Navalkar

شری۔ڈی۔جی بابرے۔
Sh. D. G. Babre

شری ناناصاحب چاندورکر
Sh.Nanasaheb Chandokar

شری بالاصاحب بھاٹے
Sh. Balasaheb Bhate

شری ناناصاحب کھارکر
Sh.Nanasaheb Kharkar

شری مادھوراؤوی آڈکر
Sh.Madhavrao V. Adkar

شری متی پاروتابائی سپٹ نیکر
Smt. Parvatabai M.Sapatnekar

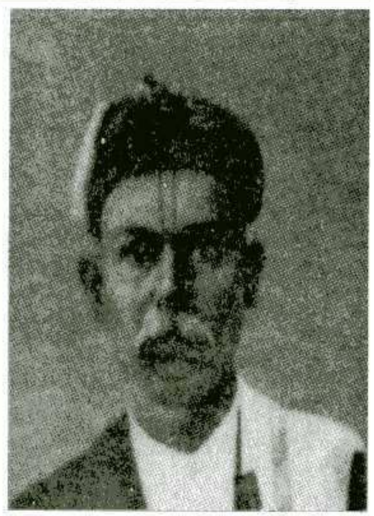

شری مہادیووی سپٹ نیکر
Sh. Mahadeo V.Sapatneka

شری نرسمہاسوامی
Sh.Narsimha Swamy

شری میگھ شام ریگے
Sh. Meghashyam Rege

شری دامودارراسنے
Sh. Damodhar Rasane

شری بھاؤ مہاراج کنبھار
Sh. Bhau Maharaj Kumbhar

شری داد صاحب کھاپرڈے
Sh. Dadasahib Khaparade

شری سگن میرو نایک
Sh.Sagun Meru Naik

شری بائجابائی گنپتی پاٹل کوتے
Smt. Baijabai Ganapati Patil Kote

شری ل۔ گ۔ عرف کاکا مہاجنی
Sh. G.Alias Kaka Mahajani

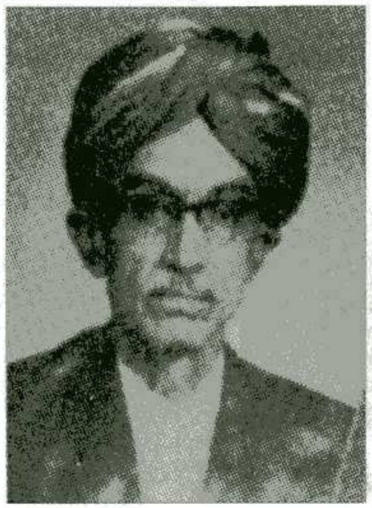

شری ترمبک دار سانے
Sh. Trimbak D.Rasane

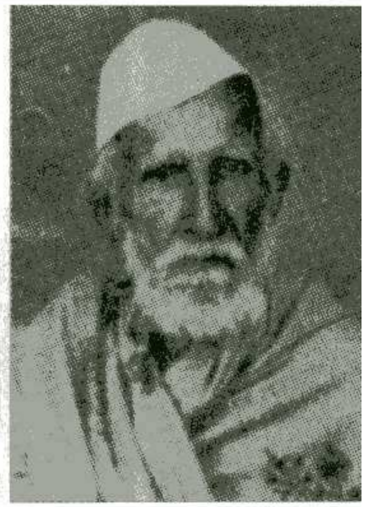

شری تاتریہ دار سانے
Sh. Dattatraya D. Rasane

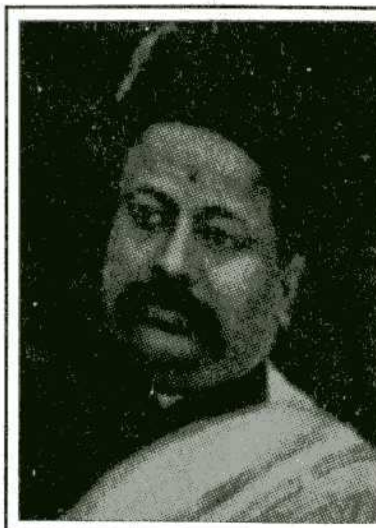

شری گوپال مکنہ بٹی
Sh.Gopal Mukund Butti

شری ہری سیتارام دیکشت
Sh. Hari Shitaram Daxit

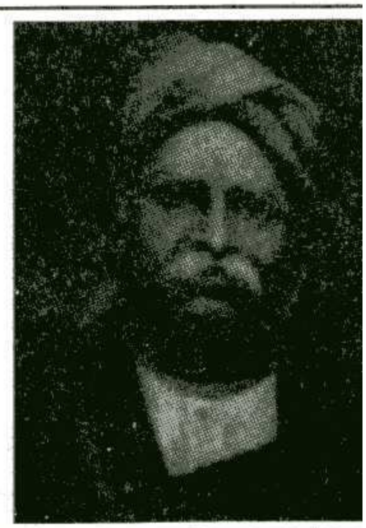

شری باصاحب دیو
Sh. Balasaheb Deo

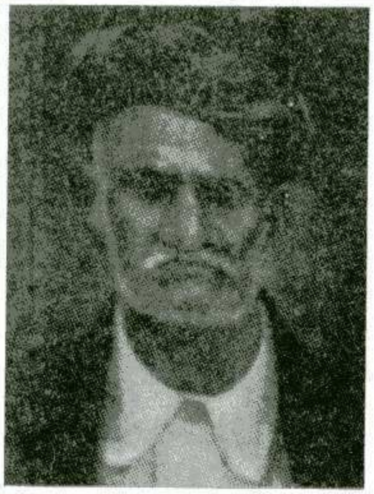

شری تاتیابا۔ گ۔ پاٹل کوتے
Sh. Tatyaba G. Patil Kote

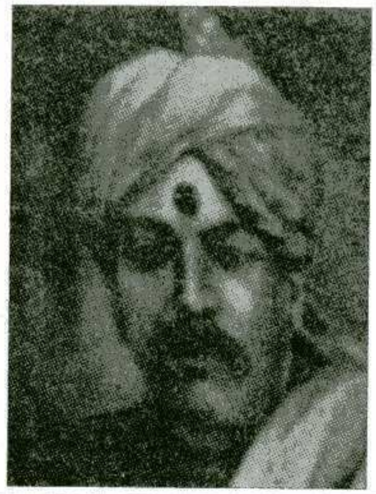

شری مادھوراؤ دیش پانڈے
Sh. Madhavrao Deshpande

شری بھاؤ صاحب
Sh. Bahu Sahib

شری انا صاحب ڈھابھولکر
Sh. Annasaheb Dabholkar

شری مہالا سپتی
Sh.Mhalasapati

شری شرنانند سوامی
Sh. Sharananand Swamy

شری ایچ بی پی داس گنو مہارج
Sh.H.B.P.Dasganu Maharajy

شری عبدل بابا
Sh. Abdul Baba

شری آتمارام کے کلکرنی
Sh. Atmaram K.Kulkarni

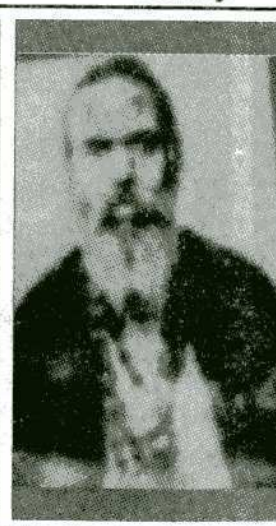

شری کے۔ جے۔ بھیشما
Sh.K.J.Bishma

شری لکشمن گوبند مورگی
Sh. Laxman Govind Mungi

شری لکشمن نولکر

Sh. Laxman Nulkar

شری داجی صاحب اوستھی

Sh. Dajisaheb Awasthi

شری یمتی لکشمی بائی شنڈے

Samt. Laximibai Shinde

شری شیام راو جیکر

Sh. Shamrao Jaykar

شری موریشور پردھان

Sh.Moreshwar Pradhan

شری بھاؤجی شنڈے

Sh. Bhagoji Shinde

شری سدو بھیانایک

Sh. Sadu-Bhaiyya Naik

شری چھوٹو بھیاپارولیکر

Sh.Chhotu Bhaiyya Parulekar

ڈاکٹر پلے

Sh. Dr. Pillay

سائی بابا کے ہمدم اور معاصر صاحبان جن کا ذکر اس کتاب میں آیا ہے اور جن کے تحریر شدہ تجربات کی بناپر سائی بابا کی سوانح عمری تصنیف ہوئی ہے۔ ان کے نام ترتبی کے ساتھ دیئے گئے ہیں۔

سائیں بابا قرآن شریف کے آیات عبداللہ بابا سے سن کر ان کو روحانیت اور خدمت اور تعلیم دے کر اخلاقی اوصاف کی واقفیت کراتے ہوئے۔

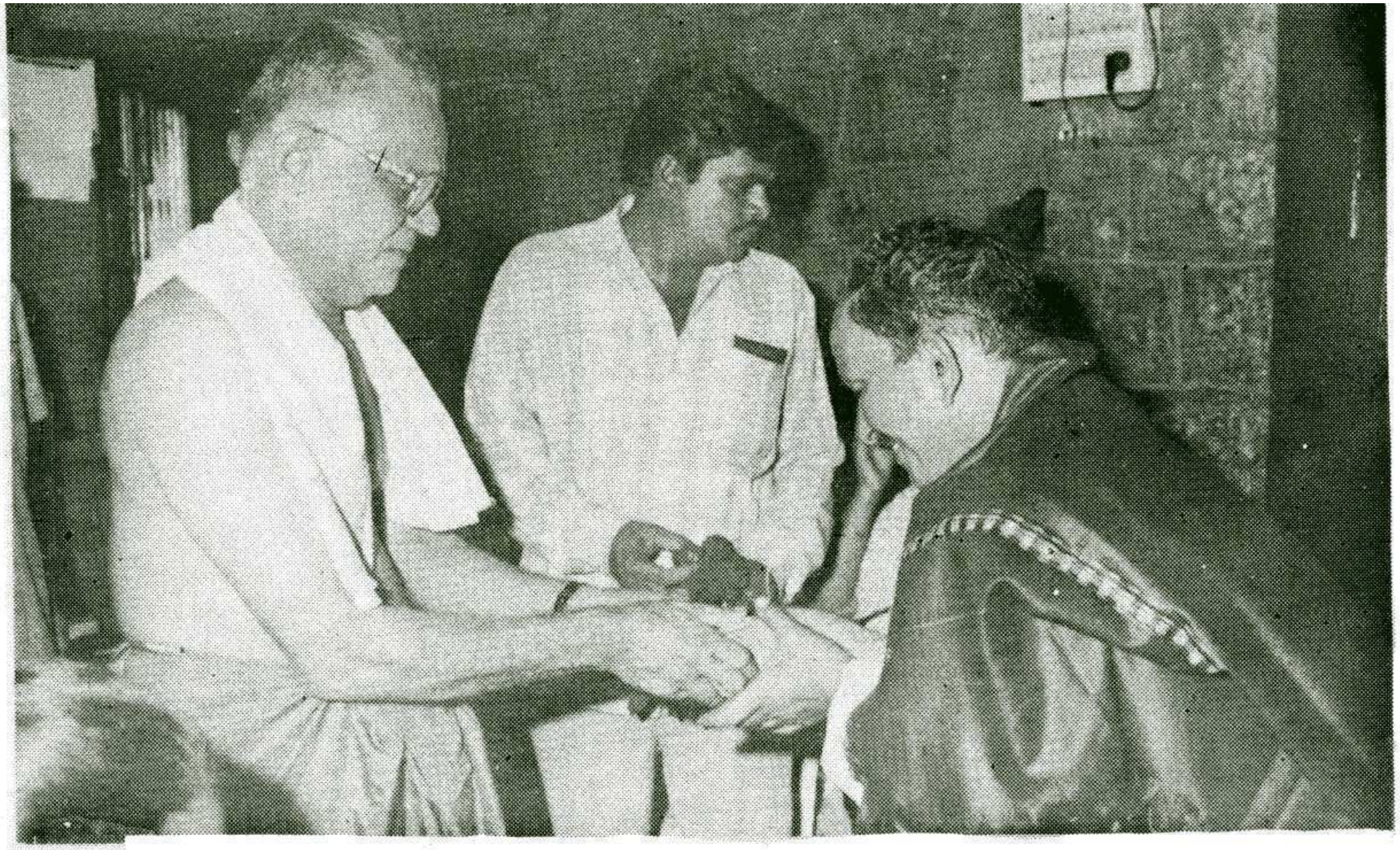

بھوش لال کوٹھیدار شری سائیں ست چرت کا اردو ترجمہ شری ڈی ایم سلھنکر چیرمین سائی
سنستھان کو پیش کر کے ان سے بابا کا شال اور پرشاد حاصل کرتے ہوئے۔

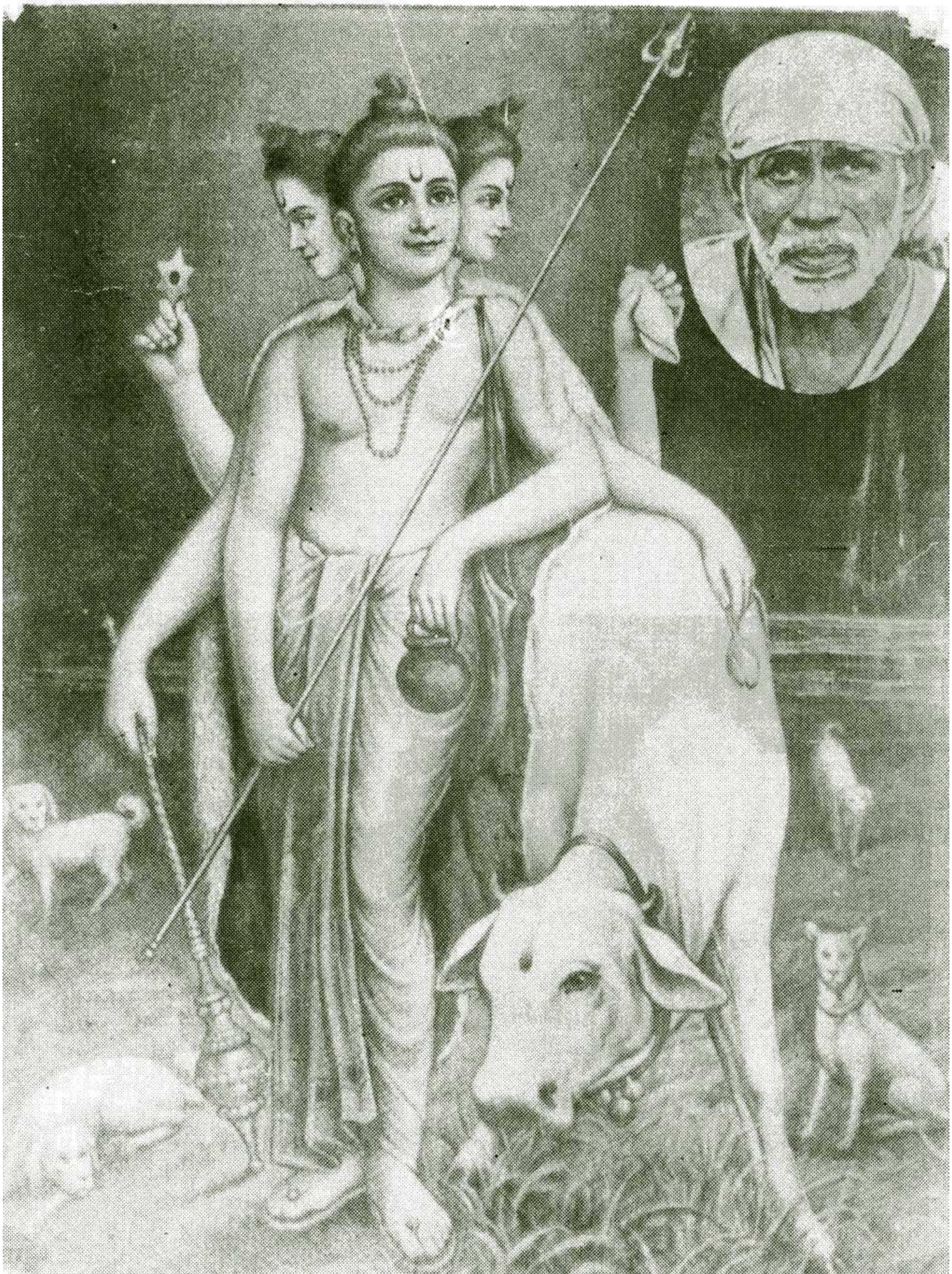

باباکو دتاتریہ منی کا اوتار مانا جاتا ہے۔ دتاتریہ کا مندر مہاراشٹر کے کولہاپور نرسماواڑی میں واقع ہے۔

دتاتریہ کول (کوٹھیدار) گوتر کے پنڈت دینا ناتھ اور پنڈتانی ون مالا، مصنف بھوشن لال کول (کوٹھیدار) کے والدین۔

سائی بابا برِّ صغیر میں اعتقاد اور ادب کے ایک مکتبِ فکر کے پیش رُو اور رہبر تھے۔ وہ ایمان و ایقان کی پاکیزگی اور خُلوص کی لطافتوں کو پیش کرنے والے ایسے امام تھے جس کے متعلق یہ فیصلہ کرنا دشوار ہے کہ وہ خود "پرم شو" تھے یا ایک شیو یوگی۔

بابا نے اردو زبان میں یہ کتاب تیار کرنے کی ذمے داری مجھے سونپی، جس کو میں اپنی خُوش بختی بلکہ عزّت افزائی سمجھتا ہوں۔ آخر میں، میں اُن سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس کام کو انجام تک پہنچانے میں میری مدد کی ہے۔ (آمین)

سائی سیوک

درجہ دیتے تھے۔ جن بزرگوں نے بابا کے چرترِیا حیات کے بارے میں لکھا ہے اور جنھیں اُن کے رُوبُرو میں رہنے کا موقع مِلا ہے وہ یہی کہتے ہیں کہ اس سچے فقیر نے جو تعلیم دی ہے وہ مختصر طور پر یہ ہے:-

”سب کا مالک ایک ہے“

اگر چہ دُنیا کے سنت اور صُوفی مُختلف ممالک میں پیدا ہوئے اور مُختلف زبانیں بولتے تھے اور اُن کی پیدائش بھی ایک دُوسرے سے مُختلف تھی لیکن سائی بابا ایک ایسے امام تھے جن کے بارے میں اس طرح کی تحریر ممکن نہیں ہے کیونکہ انھوں نے برِ صغیر کے لوگوں کے دِل جیتے ہیں۔ ان کی نظروں کی گہرائی میں ضرور کوئی نہ کوئی حقیقت پوشیدہ ہے۔ بابا ایک مَست قلندر تھے۔ ان کی بتائی ہوئی حقیقی منزل تک پہنچنے کے لیے تمام تر طاقت استعمال کرنا ضروری ہے۔ بابا نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ جو کوئی بھی اُن کے دھیان میں محو ہو جائے گا اُس کو اصلی مقام تک پہنچانے کے وہ آرزُو مند ہوں گے۔ بابا فرماتے تھے اگر آپ صبر و تحمل سے میری طرف دھیان لگاؤ گے تو میں خُود ہی مل جاؤں گا۔ خواہشات کو پُورا کرنے سے یا عیش و عشرت کی زندگی گزارنے سے من کی شانتی نہیں ملے گی۔ جو شخص بحیثیتِ ایک فرد کے سماج میں دوسرے افراد کے ساتھ مِل جُل کر رہتا ہے اُس پر میں ہی نہیں، دیوتاؤں کے دیوتا بھی قُربان ہوتے ہیں۔ جس نے اپنے اور پرائے کو ایک جانا، جس نے دن اور رات میں کوئی فرق نہ کیا، وہ رب کے وجود کا حصہ بن گیا جب من کا پردہ ہٹ جاتا ہے تو حقیقت کا راستہ صاف دکھائی دیتا ہے۔ جب آپ کا من آئینے کی طرح صاف و شفاف ہو (وہی آپ کا اعلیٰ مقام ہے) تو مُجھے پہچاننے میں دیر نہیں لگے گی۔ بابا مُحبّت و راستی کا سر چشمہ تھے، جس پر بابا نظر ڈالتے تھے۔ اُسے فقط جلوۂ الٰہی دکھائی دیتا تھا۔

عرضِ خادم

نظریۂ توحید کے علمبردار فقیر کامل، اولیاءاللہ میں عالی مرتبت، علم و گیان کے سمندر، رحیم و کریم شرڈی کے سائی بابا اپنی مرضی سے نہیں بلکہ مالکِ کُل کی رضا سے اس دُنیا میں آئے اور شرڈی میں قیام کیا۔ سائی بابا کے دُنیا میں آنے کا ایک ہی مقصد تھا وہ یہ کہ مالک کُل کی طرف سے سونپی گئی رُوحوں کو روحانی طور پر بیدار کریں۔ وہ بذاتِ خود حیات و موت کی بندشوں سے آزاد تھے اور دُوسروں کو بھی رب کی عبادت میں لگا کر اُس سے وصال کی سعادت عطا کرنے کی غرض سے دُنیا میں آئے تھے۔

ہمارا جسم وہ تجربہ گاہ ہے جس میں ہم مالکِ کُل سے وصال کے لیے تلاش و جستجو یا کھوج کے مرحلے طے کر سکتے ہیں، کیوں کہ انسانی جامے میں ہی ہم کسی مُرشدِ کامل کی مدد و رہبری سے اُس مالکِ کُل سے وصال یا ملاپ کر سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ مالکِ کُل ہمارے سب کے اندر ہے۔ اس لیے رب کی عبادت صرف اسی انسانی جامے میں رہتے ہوئے ہو سکتی ہے۔ بابا نے یہ کبھی نہیں سوچا کہ رام، رحیم، اللہ، خدا، واہگورو اور یہوداالگ الگ ہیں۔ اس کے علاوہ بابا مذہب کی قیود سے بھی آزاد تھے۔ ان کی نظر میں ہندو اور مُسلمان میں کوئی فرق نہ تھا۔ انھیں سب میں ایک ہی جلوہ نظر آتا تھا، خواہ وہ ہندو ہو یا مُسلمان، سکھ ہوں یا پارسی، امیر ہوں یا غریب، خواندہ ہو یا نا خواندہ۔ بابا خُدا پرست اور انسانیت کے ہمدرد تھے۔ بابا نے جو کام بھی کیا اُسے عبادت سمجھ کر کیا۔ اُن کی زبان سے جو بات نکلی وہ "منتر" تھی۔ بابا شیو یوگی بھی تھے اور قرآن شریف کی آیات سے بھی بخوبی واقف تھے۔ وہ پران، اپان، نادبند، کُنڈلینی یوگ سب جانتے تھے۔ وہ "پَرم شیو" کو کُل کا

FOREWORD

It gives me great pleasure in wiriting a few lines as a Foreword to this beautiful treatise about Ven'ble Sai Baba of Shirdi translated into Urdu by Shri Bushan Lal Kaul (Kothidar) from English (Sai Satcharita) of Shri Nagesh Vasudev Gunaji.

There is a story to – how I came to see the mansuscript.

On Shri Kothidar's request Shri D.M. Sukhthankar, IAS, Chairman, Shri Sai Baba Sansthan, Shirdi sent this Urdu translation to Vice Chancellor Aligarh Muslim University "for verifying its purity, accuracy and faithfulness" vis-a-vis the original English text. After correcting some pages the Vice Chancellor sent the rest of the work to Dr. Zahur-u-Din Head of the Department of Urdu and Registrar Jammu University through Vice Chancellor Jammu University. After the needful was done by Dr. Zahur it was passed on me for necessary pruning which I have done with minute care and devotion, I had the impact the book has made on the minds of people irrespective of caste and creed in mind and did the assigned work with great pleasure. Vice Chancellor Aligarh Muslim University and Registrar Jammu University, both have appreciated Shri Kothidar's pointed faith and devotion to Sai-Baba, the Saint of Shirdi. I endorse their views. By his hard labour he has indeed rendered outstanding service to the Baba and lakhs of Baba's devotees who know only Urdu and desire to know Baba and pay tribute to him.

I hope that Shri Sai Nath's devotees will wlecome this very praiseworthy effort made by Sh. Kothidar. He has done well by not translating it word for word. But the affinities and subject matter is the same as the original English (of Shri N.V. Gunaji.)

May Sai Baba, the most potent spiritual force today, mould and transform the life of the spiritual aspirants, who love him and seek his guidance and blessings.

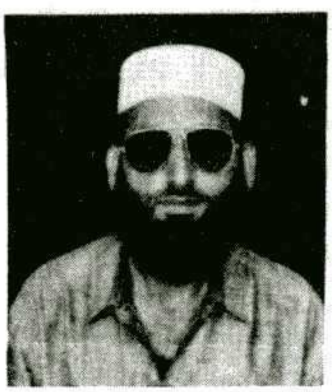

Sd/-
(Dr. Mushtaq Ahmad Wani)
M.A. Ph. D. (Urdu Scholar)

of gratitude to my wife Veena Ji Kaul Kothidar, who has been a fellow adventurer and a tower of strength in pursing this project.

I assign the copyright of this book to Shri Sai Sansthan, Shridi. They are hereby permitted to reprint the book or transmit it in any form by any means, electronic, chemical, mechanical, optical, photocopying or any other form. The film and negatives of the offset are also assigned to them. All sale proceeds, royalty or profit from the book may be given to the "FREE PRASADALY LANGAR OF SAI BABA AT SHRIDI. " I request Shri Sai Sansthan to send it to the corners of the globe to people of all religions and countries, who are thirsting for Baba's life story in Urdu.

SAI SEVAK

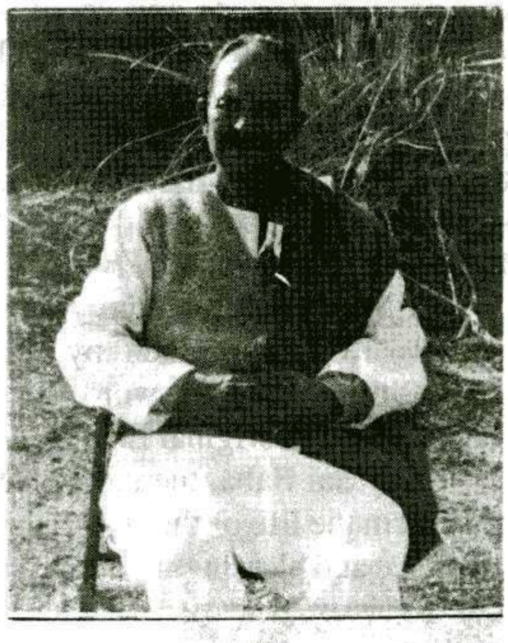

Bushan Lal Kaul Kothidar
60 Bhagwati Nagar
Jammu Tawi.
Ph: 0191-438581,
554118

from Maharashtra (Kolhapur). Baba being an incarnation of Lord Dattatreya Muneshawar it is obvious that my links with Him are not coincidental.

I thank all those who helped in the production of this book.

- ★ Shri D.M. Sukhtankar I.A.S. (Retd.) Chairman Sai Sansthan, Shri Subhash Jagtap, Aministrative Officer, and trustees of Shri Sai Sansthan, Shridi for their encouragement and unconditional acceptance of the project.
- ★ Dr. M. Rahman, I.A.S Ex. V.C. Aligarh Muslim University now Secretary Partliamentry Affairs Govt. of India.
- ★ Prof. R.R. Sharma Vice Chancellor Jammu university Dr. Zahur-ud-Din Registrar Jammu university and Dr. Mushtaq Ahmed Wani for the correction and authentication of the manuscript.
- ★ Shri S.N. Thusoo, Financial Advisor (Retd.) Dr. R.L. Shant who helped me painstakingly in compilation of this book for publication.
- ★ Shri S.A.S. Qadri I.A.S (Retd.) Shri P.Patnaik I.F.S. Principal Chief Conservator of Forests J&K State. Shri M.K. Kaw, I.A.S. Secretary Department of Secondary and Higher Education, Ministry of Human Resource Development, Govt. of India. They have encouraged me at every stage for publishing of this book.
- ★ Shri Joginder Lal Kuthiala of Jammu for helping in the free Supply of the first 500 copies of the book to the Shri Sai Sansthan Shridi.
- ★ Shri Nazeer Ahmad, Proprietor, J.K. Offset Printing press, Jama Masjid Delhi.
- ★ Last but not least, I would like to acknowledge my sense

better to consult an expert in the Urdu language, in order to guarantee the accuracy of the translation and its authenticity with reference to the original English version of Sh. N.V. Gunaji. Thus it was Shri D.M. Sukhtankar Chairman Sai Sanasthan referred the manuscript to Dr. M. Rahman I.A.S., Vice Chancellor, Aligarh Muslim University. But not before he had offered me Baba's special shawl and prasad in the Smadhi mandir Shirdi.

Armed with Shri Sukhtankar's letter, I presented myself at Aligarh, where Dr. Rahman received me with considerable affection. He started making a few corrections in the manuscript himself but soon realized that it was a monumental task. He offered to refer it to an expert, but as my presence was also vital, I would have had to stay in Aligarh for at least six months. I requested Dr. Rahman to refer me to the Jammu University, which he graciously did.

Prof. R.R. Sharma, Vice Chancellor, Jammu University requestd Dr. Zahur-ud-Din Registrar and Head of the Depratment of Urdu to have look at the translation. Dr. Zahur, being busy with his other work and responsibilities, took about 1½ years correcting the manuscript and then referred it to Dr. Mushtaq Ahmed Wani M.A. Phd (Urdu Scholar) for the final Pruning. He was pleased to write a Foreword. Thus it is, dear reader, that final version is now ready for your eyes.

I would like to dedicate the book to the memory of the fortunate associates of Shri Sai Baba, although they have already left their mortal bodies, yet their vibrant voice echoe in the Samadhi Mandir Hall of Shridi.

I pay obeisance to the memory of my parents late Smt. Vanmali Kaul Kothidar and late Shri Dina Nath Kaul Kothidar. They told me when I was a child that we were from the "DATTATREYA GOTRA" and our ancestors came

It occurred to me that the descendants of Abdullah Baba a close associate of Sai Baba might have a book in Urdu, but when I met his great grandsons Gani Bhai and Hamid Bhai, I found that they knew only Marathi. They did unearth a "Dastawez" in Urdu penned by Abdullah Baba in his own hand during his life time when he was with Sai Baba for about 30 years in Dawarka Masjid and Chawadi Mandir, but although I tried very hard to decipher what was written on the half-torn pages, I could not understand a word.

Enquiries from Shri Subhash Jagtap, Administrative Officer of the Sai Sansthan revealed that there was no Urdu version of the Satcharita available anywhere. Thus it became clear to me that if I wanted to enjoy the Satcharita in Urdu, I would have to translate it myself. When I laid this proposition before Shri Jagtap, he welcomed the idea and offered to render every assistance in publishing the manuscript. Shri D.M. Sukthankar I.A.S. (Retd.) Chairman of the Shri Sai Sansthan also blessed the proposition.

It did cross my mind later that in embarking on this ambitious enterprise, I had probably bitten off more than I could chew. I just did not possess the literary skills or the intellectual acumen. But the die was cast. It also occured to me that if Baba had fired me with this idea, he would also see me through.

I started the work there and then giving the title "SAB-KA- MALIK-EK" to the book. I could finish only a few pages at Shridi and had to return to Jammu. With great love and patience, I pursued with the arduous task, trying to retain the spirit of the original and finished it in about one year. Thus it was on Guru Purnima of 1999 that I was able to present the completed manuscript to Shri D.M. Sukhthankar in presence of distinguished trustees of the Santsthan. They were highly pleased with the work, but rightly felt that it would be

Om Sai Ram

INTRODUCTION

Sai Baba of Shirdi occupies a pride of place in the galaxy of saints and incarnations who have appeared in the sacred country of Bharat. It is thus that God redeems His pledge made in the Bhagwat Gita that he will incarnate whenever unrighteousness swamps the world, in order to protects those treading the path of rectitude and to destroy the evil-doers.

The life of an incarnation of God is full of deep mystery. It is as wide as the blue sky and as deep as the wayward ocean. It is given only to a fortunate few to be able to delve into the depths of the mystery and bring back the pearls of wisdom for distribution among the seekers and devotees. Sant Jnaneshwar has rightly said that the Lord loves those who write the narratives of the lives of saints. One such blessed soul was Shri Govind R. Dabholkar(Hemand Pant) who wrote the immortal classic 'Sai Satcharita' in Marathi Language on the life and teaching of Sai Baba. Shri Nagesh Vasudev Gunaji translated it in English.

It was on a Guru Purnima Day in July, 1998, that I had gone to Shirdi. As I prostrated in reverence before Baba's Samadhi, my eyes caught the Urdu inscription on the third step: "786 Wafat Baba 9 Moharam 1918 " Sikandar Hayat". (۷۸۶ وفات بابا ۹ محرم ۱۹۱۸ء سکندر حیات). As I hail from Kashmir and have been nurtured on Urdu from my early childhood, this inscription immediately kindled a desire in my heart to read the Sai Satcharita in the Urdu language. But however hard I searched in the book shop and library of the Sansthan and in the Shirdi bazar, I could not lay my hands on such a book.

نمبر شمار ابواب		صفحہ نمبر
	ست گورو کی پہچان	308
	شری شیوڈے کی کہانی	310
	سپٹنیکر کی کہانی	311
	شریمتی سپٹنیکر	312
45-	**اکتالیسواں باب**	316
	ابتدائیہ	316
	ہری کانوبا	317
	سوم دیو سوامی	318
	ناناصاحب چندورکر	320
46-	**بیالیسواں باب**	323
	ابتدائیہ	323
	کاکاصاحب دکشت	323
	شری ٹیمبے سوامی	327
	بالارام دھرندکر	328
47-	**تینتالیسواں باب**	331
	اختتامیہ	
	ست گورو سائی کی عظمت	331
	دعا	332
	اس کتاب کو پڑھنے کی جزا	332
	پرارتھنا	334
	پرسادیاچنا(عرض دعا)	334

نمبر شمار	ابواب	صفحہ نمبر

40- چھتیسواں باب ---------------------278

بابا کی ارتھی کی تیاری ان کی شفاعت اور آخری راہ ورسم

پیشتر تیاری ---------------------278

اینٹ کا ٹوٹ جانا ---------------------282

72 گھنٹے کی سمادھی ---------------------283

باپو صاحب جوگ کا سنیاس ---------------------285

بابا کی امرت جیسی وانی ---------------------286

یہ 'میں' کون ہے؟ ---------------------286

41- سینتیسواں باب ---------------------288

بابا کی نظر آشکارا اور نمودار

کاکا صاحب کا شبہ اور آنند راؤ کا خواب ---------------------290

لکڑی کا تخت بابا کا پلنگ نہ کہ بھگت کا ---------------------293

42- اڑتیسواں باب ---------------------295

عناصر اور موضوعات کی پرورش

ابتدائیہ ---------------------295

(گیا) کا دورا ---------------------296

دو بکریوں کا کہانی ---------------------299

43- اُنتالیسواں باب ---------------------301

بابا کی یادداشت

ابتدائیہ ---------------------301

سانپ اور مینڈک ---------------------302

اخلاقی سبق ---------------------307

44- چالیسواں باب ---------------------308

بھگتوں کے مصائب کو ٹالنا

نمبر شمار ابواب | صفحہ نمبر

بابا کی ہانڈی ---------- 241

نانا صاحب کا ایک زیارت کا احترام نہ کرنا ---------- 245

(نوید) بترک کی تقسیم ---------- 246

مٹھے کا پرشاد ---------- 247

36- بتیسواں باب ---------- 249

بابا کو سنسکرت کی معلومات

ابتدائیہ ---------- 249

بابا کی وضاحت ---------- 250

شاگرد یا پیروکار بھی ست گورو کی طرح گیان کی تجسیم ہے ---------- 253

سیادھی کی مندر کی تعمیر ---------- 255

37- تینتیسواں باب ---------- 258

بابا کی کہانی

شریمتی دیو کی رسم ادیاپن ---------- 259

ہیماڈپنت کا ہولی کا تہوار اور دعوت کی تقریب ---------- 261

38- چوتیسواں باب ---------- 264

تصویر کی کہانی چیتھڑوں کی چوری اور گیانیشوری

چیتھڑوں کی چوری اور گیانشوری کا مطالعہ ---------- 266

39- پینتیسواں باپ ---------- 271

بابا کا انتقال

ابتدائیہ ---------- 271

مستقبل کی آگاہی ---------- 271

رام چندر اور تاتیا پاٹل کی موت کو ٹالنا ---------- 273

لکشمی بائی کو سخاوت ---------- 275

تمام جانداروں میں بابا کی موجودگی ---------- 275

نمبر شمار	ابواب	صفحہ نمبر

ڈاکٹر پلے---------------------213

شاما کی بھابی---------------------215

ایرانی کی بیٹی---------------------216

ہردہ کا آدمی---------------------216

بمبئی کی عورت---------------------217

32- آٹھائیسواں باب---------------------218

ابتدائیہ---------------------218

کاکا مہاجنی کا دوست---------------------219

کاکا مہاجنی کا مالک---------------------220

نیند نہ آنے کا معاملہ---------------------224

بالاجی پاٹل نواسکر---------------------224

اودی کی طاقت اور اس کی تاثیر---------------------225

سائی کا سانپ کے طور پر ظاہر ہونا---------------------225

33- انتیسواں باب---------------------227

درود شریف آدمی

دوسری کہانی---------------------228

سبق---------------------230

بیگم اورنگ آباد کی کہانی---------------------232

34- تیسواں باب---------------------235

چاوڑی کا جلوس

ابتدائیہ---------------------235

چاوڑی جلوس---------------------236

35- اکتیسواں باب---------------------241

ابتدائیہ---------------------241

نمبر شمار	ابواب	صفحہ نمبر

تاتیا صاحب نولکر ---------- 188

میگھا ---------- 189

بابا نے شیر کو آزاد کیا ---------- 189

29۔ پچیسواں باب ---------- 191

گوروا اور خدا کی تلاش، فاقہ کشی کی نامنظوری

ابتدائیہ ---------- 191

تلاش ---------- 192

مسز گوکھلے اور فاقہ کشی ---------- 197

بابا کا سرکار ---------- 198

30۔ چھبیسواں باب ---------- 200

اودی کی عظمت

ابتدائیہ ---------- 200

اودی ---------- 201

بچھو کا ڈنک ---------- 202

طاعون کی وبا ---------- 203

جام نیر کے کرامات ---------- 203

نارائن راؤ ---------- 205

آپا صاحب کلکرنی ---------- 206

بالا بو استار ---------- 207

آپا صاحب کلکرنی (ایک اور کہانی) ---------- 207

ہری بھاؤ کرنک ---------- 209

31۔ ستائیسواں باب ---------- 211

اودی کی عظمت جاری

ڈاکٹر کا بھتیجا ---------- 211

نمبر شمار ابواب		صفحہ نمبر

لالہ لکھمی چند ---------- 157

بُری نظر ---------- 160

برہان پور کی عورت ---------- 161

میگھا ---------- 162

گنگا اشنان ---------- 164

ترشول اور لنگ ---------- 164

26۔ بائیسواں باب ---------- 167

مدراسی بھجنی میلہ

حیران کن عجیب وغریب خواب ---------- 168

تندولکر کے اہل وعیال ---------- 171

کپتان ہاٹے ---------- 173

مقدس روپیا ---------- 174

وامن نارویکر ---------- 175

27۔ تیئسواں باب ---------- 176

شرڈی کا بلاوا

ابتدائیہ ---------- 176

کاکاجی وید (حکیم) ---------- 178

شاما کا عقیدہ ---------- 179

راہاتا کا خوشحال چند ---------- 181

بمبئی کا شری رام لال پنجابی ---------- 182

28۔ چوبیسواں باب ---------- 183

ابتدائیہ ---------- 183

وجے آنند ---------- 184

بالارام مانکر ---------- 186

نمبر شمار ابواب — صفحہ نمبر

احمد نگر کا داموانا کا سار

ابتدائیہ---------- 135

داموانا---------- 136

آم کی لیلا---------- 138

دعائے خیر---------- 139

23- انیسواں باب---------- 141

کچھ اور بھگتوں کی کہانیاں

ابتدائیہ---------- 141

اندورنی پُوجا---------- 141

بھگت پنت کی کہانی---------- 142

ہریش چندر پتلے---------- 143

گوپال راؤ امبیڈکر کی کہانی---------- 145

24- بیسواں باب---------- 147

علم عناصر اور عالموں تک افضل رسائی

وشنو سہسر نام کی مہما---------- 147

ابتدائیہ---------- 147

متبرک کتاب کو چھو کر دینا---------- 148

شاما اور وشنو سہسر نام---------- 149

وِٹھل بھگوان کے درشن---------- 152

گیتا کا راز---------- 153

شریمتی اور شری کھاپرڈے کی بھگتی---------- 153

25- اکیسواں باب---------- 157

عظیم خفیہ عمل

بابا بھگتوں کو کس طرح شرڈی کی طرف کھینچتے ہیں---------- 157

ابتدائیہ---------- 157

نمبر شمار ابواب | صفحہ نمبر

19۔ پندرہواں باب ---------- 112

بابا کی رُوحانی پگ ڈنڈی اور طرزِ عمل

ابتدائیہ ---------- 112

سادھوں سنتوں کی محفل ---------- 113

مسٹر ٹھاکر ---------- 113

اننت راؤ پٹینکر کو سکون ---------- 115

کہانی نو گیندوں کی ---------- 116

پنڈھرپور کے وکیل کو نصیحت ---------- 117

20۔ سولہواں باب ---------- 119

عبادتی بندوں کو پیار

ابتدائیہ ---------- 119

یوگ اور پیاز ---------- 120

شیاما کو سانپ اور کے کاٹنے کا علاج ---------- 121

ہیضے کی وبا ---------- 122

گورو بھگتی کی دشواری ---------- 123

21۔ سترہواں باب ---------- 126

عقیدت کی پہچان

ابتدائیہ ---------- 126

چنے کی لیلا ---------- 127

کہانی کا سبق ---------- 128

سداما کی کہانی ---------- 129

انا چنچنی کر بالمقابل موسی بائی ---------- 131

بابا کے اوصاف اور بھگتوں پر ان کا کرم ---------- 132

22۔ آٹھورہواں باب ---------- 135

نمبر شمار ابواب | صفحہ نمبر

سائی باباشوخ چشم اور مبالغہ آمیز

ہیماڈ پنت کو بابا نے کس طرح منظور اور آسودہ کیا---------------------------- 81

ابتدائیہ-- 81

شریمتی راھابائی دیش مکھ--- 87

بابا نصیحت ہمارے برتاؤ کے بارے میں ------------------------------------ 92

اچھے خیالات کا پھل تک پہچانے کے لئے حوصلہ افزائی------------------------- 93

اُپدیش میں تنوع اور تہمت لگانے والے کی مذمت------------------------------ 94

مزدور کی اجرت -- 97

17- تیرہواں باب-- 98

بابا فرشتہ حفاظت

ابتدائیہ-- 98

ایش اپنیشد-- 99

ست گورو ہی وضاحت کرنے کی اہلیت رکھتا ہے ----------------------------- 99

کاکا کی نوکرانی-- 100

اپدیش دینے کا لاثانی طریقہ --- 102

ایش اپنشد کی اخلاقیات-- 102

18- چودہواں باب --- 104

بابا کی آمد اور طاقت کے اسباب

سانپ کے ڈنک سے بچانا--- 104

بالا صاحب مری کر کو نصیحت --- 106

باپو صاحب کو بے انتہا مسرت -- 108

امیر شکر کو ریح کی بیماری -- 108

ہیماڈ پنت کو سانپ اور بچھو سے کیسے بچایا------------------------------------ 110

بابا کی رائے --- 111

صفحہ نمبر	ابواب	نمبر شمار
56	ایک ڈاکٹر	
57	آٹھواں باب	12-
	سائی بابا کا معراج	
57	مایا کی ناقابل تسخیر قوت	
58	بھیما جی پاٹل کو بیماری سے نجات	
59	بالا گنپت شمپی کو بیماری سے نجات	
60	باپو صاحب بوٹی کو بیماری سے نجات	
60	النڈی سوامی کو بیماری سے نجات	
61	کاکا مہاجنی کو دست کی شکایت دور ہوگئی	
62	باردا کے دتو پنت	
63	نواں باب	13-
	بابا کی اختیار شاہی	
64	نندید کے رتن جی کو اولاد نصیب	
65	دکشنا مانگنے کا فلسفہ	
68	دسواں باب	14-
	بابا کیرتن کی لہروں پر	
68	بابا نے ہری داس کو کیرتن کرنے کا طریقہ بتایا	
69	مسٹر چولکر کی پھیکی چائے	
71	دو چھپکلیوں کا ملاپ	
73	گیارہواں باب	15-
	دُنیاوی فوائد اور ان کی تاثیر	
73	ابتدائیہ	
76	اپنے آپ کو پہچاننا	
81	بارہواں باب	16-

نمبر شمار	ابواب	صفحہ نمبر

بابا کے شاندار رُوپ میں کُتے کو کھانا کھلایا گیا ---------- 33

سبق ---------- 34

9- پانچواں باب ---------- 35
آفتابِ شرڈی

بابا کا عجیب وغریب تخت پوش ---------- 36

برہم کا جسمانی ظہور ---------- 37

بابا کا جنم اور شرڈی میں رہائش ---------- 37

بابا کا مقصد اور تعلیمات ---------- 38

سائی بابا سچدانند ست گورو تھے ---------- 38

بابا کی حلیمی ---------- 40

ناناولی سے ملاقات ---------- 41

بابا سے ملنے کا سب سے آسان طریقہ ---------- 41

10- چھٹا باب ---------- 44
جوشِ عقیدت

ڈاکٹر پنڈت کی پوجا ---------- 46

حاجی صدیق فالکے ---------- 47

بابا کا مادی اشیاء پر اختیار ---------- 49

11- ساتواں باب ---------- 51
ایک آفتابِ عالم کی رہبری

ولی کا منصب ---------- 51

کاکا مہاجنی کو جلدی رخصت ---------- 52

بھاؤ صاحب دُھمال کو جلدی جانے سے روکا ---------- 52

شریمتی نمونکر کو اجازت ---------- 53

ناسک کے مُولے شاستری ---------- 54

نمبر شمار	ابواب	صفحہ نمبر
	محی الدین تمبولی اور بابا میں کشتی	14
	بھگوان وِٹھل کیسے نظر آئے	14
	داس گُنا کی پریاک دھام یاترا	15
-7	تیسرا باب	17
	بابا کے دُنیاوی اقوال اور اُن کی روحانی تاثیر	
	ہیضہ کا مرض گاؤں سے کیسے دور ہو گیا	17
	آٹا پیسنے کا فلسفہ اور مطلب	19
	سائی بابا عجیب و غریب اوتار	19
	بابا کا ہر جگہ موجود ہونا اور ان کی رحم دلی	21
	کوڑھی بھگت کی سیوا	22
	ماسٹر کھپاڑے کس طرح وبا کی بیماری سے آزاد ہو گیا	23
	بابا کیوں بھیک مانگتے تھے	24
	بائجا بائی کی بے غرض خدمت	25
	تین نفوس کی خوابگاہ	25
	خوشحال چند اور رہٹا گاؤں میں استقبال	26
-8	باب چہارم	27
	شرڈی یاترا کی خصوصیات	
	تاتیا کوتے پاٹل کو کیسے سفر میں مشکل پیش آئی	28
	ایک یورپی باشندے کی شرڈی میں آمد	28
	بھکاری بننے کی ضرورت	29
	بھگتوں کے تجربات	30
	بابا کس طرح ترکھڈ خاندان سے لگاؤ رکھتے تھے	30
	شریمتی ترکھنڈ کی بھگتی	32

فہرست

صفحہ نمبر		نمبر شمار ابواب

1۔ سب کا مالک ایک ---------------------------------- iii

2۔ تعارف (Introduction) ---------------------------------- xix–xxiii

3۔ پیش لفظ (Forward) ---------------------------------- xxiv

4۔ عرض خادم ---------------------------------- xxv-xxvii

5۔ باب اوّل ---------------------------------- 1

شرڈی گاؤں اور بابا کی آمد

فقیر کا نام ''سائی'' کیسے پڑا؟ ---------------------------------- 3

6۔ باب دوم ---------------------------------- 5

سائی بابا: خزانہ مسرّت

مہاتما کی سفارات ---------------------------------- 5

سائی بابا کی شخصیت ---------------------------------- 6

سائی بابا کا دوسرے سنتوں سے مِلاپ ---------------------------------- 8

بابا کا لباس اور روزمرّہ کی مصروفیات ---------------------------------- 9

پانی کس طرح تیل بن گیا ---------------------------------- 10

بابا اور جوہر علی کا ملاپ ---------------------------------- 10

گورو کے ہاتھ کے لمس کا اثر ---------------------------------- 11

رام نومی کے تہوار کا قصہ ---------------------------------- 12

سندل جلوس ---------------------------------- 13

سب کا مالک ایک

آفتابِ عالم شرڈی کے سائی بابا کی یہ حیاتِ طیبہ انگریزی میں چھپی مُستند کتاب "شری سائی ست چرت" از ناگیش واسودیو گُناجی کی بنیاد پر تیار کی گئی ہے جو دراصل ہماڈپنت کی مراٹھی اصل پر مبنی ہے۔ میں انگریزی کتاب کا یہ آزاد ترجمہ نہایت انکساری کے ساتھ بابا کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

سائی سیوک

بُھوشن لال کول (کوٹھیدار)

(جموں و کشمیر)

The wonderful life and teachings of

Shri Sai- Baba of Shirdi

Adopted from the English book of SAI-SATCHRITA written by shri Nagesh Vasudev Gunaji and tranlated into Urdu by Bushan Lal Kaul (Kothidar) of J&K.

© جملہ حقوق محفوظ بحق شری سائی بابا سنستھان شرڈی

کتاب کا نام ———— "سب کا مالک ایک"

مصنف ———— بھوشن لال کول (کوٹھیدار)

طبع اول ———— جولائی 2003

تعداد ———— ایک ہزار کتابیں (2000)

قیمت ———— Price Rs. 50/- (Rs. Fifty only)

مطبوعہ ———— جے۔کے۔ آفسیٹ پرنٹرز 315 گلی گڑھیا،

———— جامع مسجد، دہلی، 6

Copyright reserved by the Sai Baba Sanasthan (Shirdi)

This book will be available for sale at the following places:-

1) **Chairman Shri Sai Baba Sanasthan Shirdi**
P.O. Shirdi, Distt. Ahmadnagar.(Maharashtra)

2) **Sai -Nikatan.**
804 -B Dr. Ambedkar Road, Daddar,
Mumbai-400014

Printed at : Balwant Printers Pvt. Ltd. Pune

شرڈی کے سائی بابا

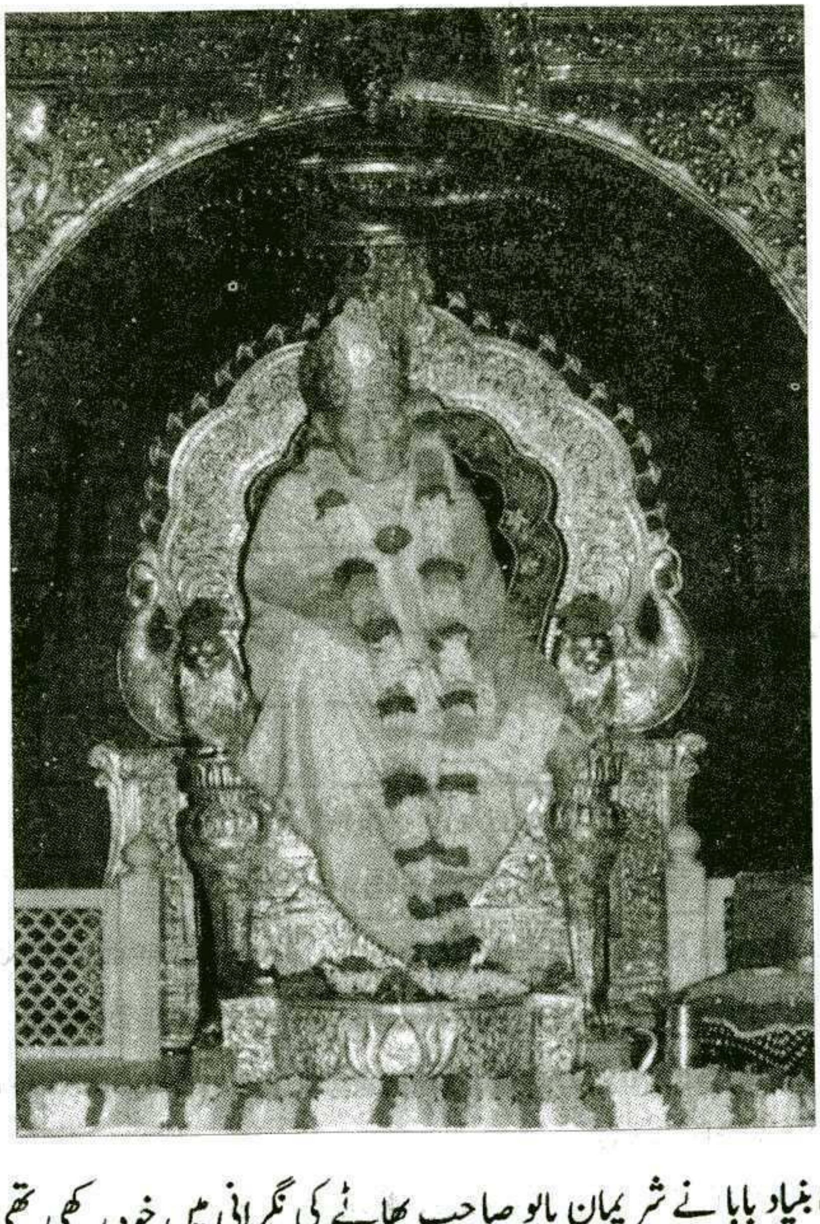

سمادھی مندر کی بنیاد بابا نے شریمان باپو صاحب پھاٹے کی نگرانی میں خود رکھی تھی۔ شریمان پھاٹے نے دراصل اس میں مرلی دھر کی مورتی رکھنے کے لیے اسے تعمیر کیا تھا۔ لیکن جب بابا نے خود ہی مرلی دھر کا روپ دکھایا تو پھر یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسے بابا کا سمادھی مندر بنادیا جائے اس مندر کی مرمت بعد میں سکندر حیات کاری گر نے انجام دی۔

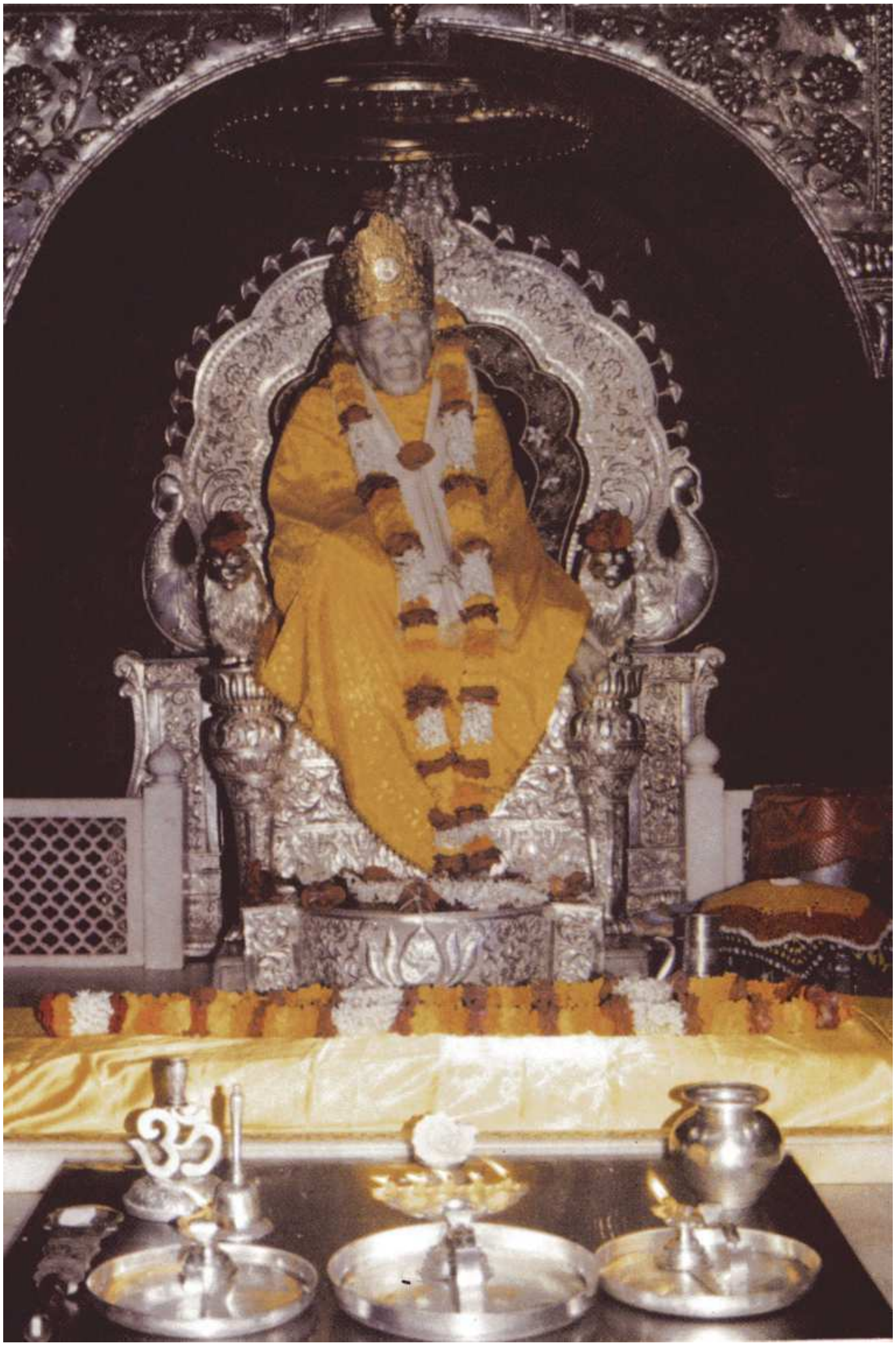

سب کا مالک ایک

GOD IS ONE

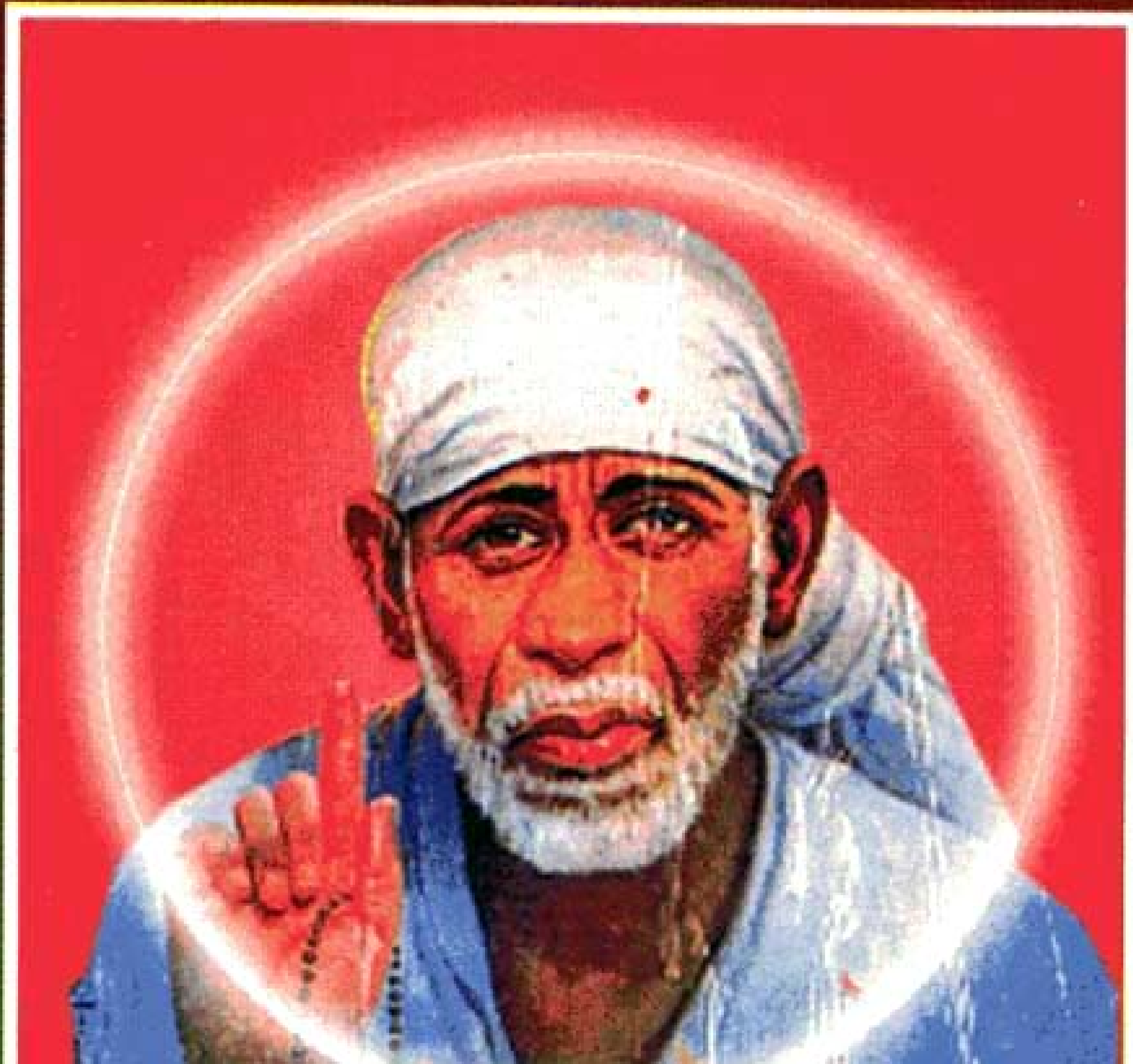

شرڈی کے سائی بابا